کی آسان شرح

جلد دوم

- کتاب الجہاد والسیر
- کتاب الصید والذبائح
- کتاب الاضاحی
- کتاب اللباس والزینۃ
- کتاب الآداب
- کتاب الطب، کتاب الرؤیا

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مرتب

مولانا طاہر اقبال اٹکی صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مُسلم شریف

کی آسان شرح

جلد دوم

- کتاب الجہاد والسیر
- کتاب الصید والذبائح
- کتاب الأضاحی
- کتاب اللّباس والزّینۃ
- کتاب الآداب
- کتاب الطب، کتاب الرّؤیا

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مُرتّب

مولانا طاہر اقبال اٹکی صاحب

اُستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

عنوانات	صفحہ نمبر

فہرست جلد دوم مکمل شد

فللہ الحمد

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الأمين مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعد!

یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ میں دورۂ حدیث کا پہلا سبق مسلم شریف جلد ثانی از کتاب الفضائل تا آخر مدرسۃ البنات شعبہ دارالعلوم کراچی میں احقر کے پاس آیا، اور الحمد للہ تعالیٰ چند سالوں تک یہ درس ہوتا رہا پھر یہ سبق طلباءِ دورۂ حدیث میں منتقل ہوا، جہاں کتاب الجہاد والسیر سے ختمِ کتاب تک یہ درس ہوتا ہے اور اب تک الحمد للہ تعالیٰ جاری ہے۔

اور اکیس ۲۱ سال کے بعد ۲۹ رشوال ۱۴۳۸ھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلم شریف جلدِ اوّل کتابُ الایمان، اور کتاب النکاح سے ختم تک دورۂ حدیث کی طالبات کے لئے یہ مبارک سبق احقر کے پاس آیا ہے، اللہ پاک اس کو آسان فرمائیں اور قبول فرمائیں، آمین

شعبۂ تعلیمات کی طرف سے جب یہ سبق احقر کے پاس آیا تو اُسی وقت دل میں ارادہ ہوا کہ مسلم شریف جلدِ اول اور جلدِ ثانی کے ان منتخب ابواب کی مختصر اور آسان تشریح ساتھ ساتھ لکھ لی جائے اور کمپوز کروا کر اس کو قابلِ اشاعت بنایا جائے تاکہ دورۂ حدیث کے طلباء اور طالبات کے لئے آسانی ہوجائے اور وہ اس کی مدد سے مسلم شریف کی دونوں جلدوں کے منتخب ابواب بآسانی سمجھ سکیں۔ احقر نے اس کی تشریح وتوضیح کے لئے شرح النووی فتح الملہم، تکملہ فتح الملہم اور درسِ مسلم کو بطورِ خاص سامنے رکھا ہے بلکہ اس کا مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب اور کتابُ الایمان تقریباً درسِ مسلم کی تلخیص اور تسہیل ہے، کیونکہ اس کی شرح کے لئے یہ نہایت کافی وشافی تھی اور کہیں کہیں دوسری شروح سے بھی استفادہ کیا ہے جیسے مرقات شرح مشکوٰۃ، شرح الطیبی وغیرہ۔ اور کتاب النکاح سے لے کر کتاب العتق تک فتح الملہم اور دیگر شروحات سے مرتب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائیں، طلباء اور طالبات کے واسطے احادیثِ طیبہ اور ان کے متعلق احکام ومسائل کو سمجھنا آسان فرمائیں اور ان کے لئے نافع اور مفید بنائیں اور اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، آمین،

مولانا طاہر اقبال صاحب زادہ اللہ علماً وعملاً کو اللہ پاک نے تخریج وتعلیق کا ذوق عطا فرمایا ہے، اور اس سے پہلے مسلم شریف جلدِ ثانی کی آسان شرح کی دو جلدوں پر یہ کام بخوبی کر چکے ہیں، بندہ نے ان سے اس پر بھی یہ کام کرنے کی درخواست کی جوانہوں نے بخوشی قبول کی اور یہ اہم کام انہوں نے ماشاء اللہ بحسن وخوبی انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور اس کاوش کو قبول فرما کر طالبات کے لئے نافع اور مفید بنائیں، آمین بحرمة سيّد المرسلين وخاتم النّبيين محمّد وآله وأصحابه أجمعين إلىٰ يوم الدّين.

بندہ عبدالرؤف سکھروی عفا اللہ عنہ
جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۸/ذوالقعدہ بروز جمعہ ۱۴۳۸ھ

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آقائے دو جہاں، فخرِ کون ومکان حضرت سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کی جامع ترین کتاب ''صحیح مسلم'' کی دوسری جلد کی کتاب الجہاد سے آخر کتاب تک کی احادیث کی تشریح پر مشتمل شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ، پیکر اتباعِ سنت سیدی ومولائی حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم نے ''مسلم شریف کی آسان شرح'' کی تقریر کی تخریج کی سعادت سے اس تہی دامن علم وعمل کو نوازا، اس پر اللہ رب العزت کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے اور یہ حضرتِ اقدس مدظلہم کی ذرہ نوازی ہے کہ انہوں نے اس ادنیٰ طالب علم کو اس عظیم خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ **فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء.**

حضرتِ اقدس مدظلہم نے احقر کو یہ تقریر کمپوز شدہ عطا فرمائی احقر نے اس کا بغور مطالعہ کیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرتِ اقدس مدظلہم کی یہ تقریر جہاں ایک طرف احادیثِ مبارکہ کی مستند تشریح اور صحیح مسلم کے مذکورہ بالا ابواب کے دل نشین اور جامع خلاصوں پر مشتمل ہے، وہیں یہ فقہی مسائل کا ایک مجموعہ بھی ہے، اور ایک ماہر وکامل مرشد کی ماھرانہ ہدایات کا بہترین نمونہ بھی ہے۔

حضرت اقدس مدظلہم کے مشورے سے بندہ نے اس تقریر میں احادیثِ مبارکہ لکھنے میں درج ذیل امور کا اہتمام کیا ہے:۔

۱ ... جن احادیثِ مبارکہ پر حضرت اقدس مدظلہم نے کلام فرمایا ہے اور تشریح کی ہے، ان کی مختصر سند اور مکمل متن صحیح مسلم کے قدیمی کتب خانہ کراچی کے مطبوعہ نسخے سے نقل کیا ہے۔ البتہ بعض طویل احادیثِ مبارکہ کا صرف متعلقہ حصہ لکھنے پر اکتفاء کیا ہے۔

۲ ... جس باب کا حضرتِ اقدس مدظلہم نے صرف خلاصہ بیان فرمایا ہے اس کی پہلی حدیثِ مبارک لکھی ہے۔

۳ ... احادیث مبارکہ کے جس جس لفظ پر حضرت اقدس مدظلہم نے کلام فرمایا ہے اس کو علیحدہ لکھ کر اس پر خط بھی ڈال دیا ہے اور صفحہ نمبر و سطر نمبر بھی لکھ دیا ہے۔

''مسلم شریف کی آسان شرح'' کی تخریج میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ احادیثِ مبارکہ کے جن جن الفاظ کے لغوی معانی حضرت مدظلہم نے بیان فرمائے ہیں ان کے حوالہ جات شروحِ حدیث اور لغت کی مستند کتابوں سے لکھے گئے ہیں، اور حضرت مدظلہم کے حکم کے مطابق تخریج میں صرف ایک یا دو مستند کتابوں کے حوالے لکھے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ احقر کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور طلبۂ کرام اور اہل علم کے لئے نافع بنا کر بندے اور بندے کے اساتذۂ کرام اور والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و آله

و اصحابه أجمعین

احقر طاہر اقبال غفر اللہ لہٗ

یکے از خدام حضرت اقدس سکھروی صاحب مدظلہم

۸/ذوالحجہ/۱۴۳۶ھ

كتابُ الجهادِ و السير

جہاد اور سیر کے احکام

یہاں سے امام مسلمؒ اسلام کے سیاسی اور ملکی احکامِ شرعیہ کا بیان شروع فرمارہے ہیں، اور ان احکام کو "كتابُ الجهاد" سے اس بناء پر شروع فرمارہے ہیں کہ احکامِ شرعیہ میں جہاد کی حیثیت پہاڑ کی چوٹی اور اونٹ کے کوہان کی طرح بلند ہے، لہٰذا کتابُ الجہاد کی احادیثِ طیّبہ پڑھنے سے پہلے جہاد کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرنا ضروری ہیں، تاکہ ان کی روشنی میں ان احادیثِ طیّبہ کا سمجھنا آسان ہوجائے، مثلاً جہاد کے لفظی اور اصطلاحی معنٰی، جہاد کے اغراض ومقاصد، جہاد کی قسمیں، اور جہاد کی مشروعیت کے درجات وغیرہ۔

لفظِ جہاد کی لغوی تحقیق

لفظِ جہاد مشتق ہے: جَهْدٌ (بفتح الجيم) سے، جس کے لغوی معنٰی تھکن اور مشقت کے آتے ہیں، جہاد کو جہاد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تھکن اور مشقت دونوں پائی جاتی ہیں۔

یا یہ جُهْدٌ (بضمِ الجيم) سے مشتق ہے، اور "جُهد" کے معنٰی طاقت اور قوت کے آتے ہیں، [1] جہاد کو جہاد اس لئے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے اندر ہر فریق اپنی طاقت وقوت استعمال کرتا ہے، اور اپنے مدِّ مقابل کے مقابلے میں اپنی قوت لڑادیتا ہے، یہ جہاد کے لفظی معنٰی ہوئے۔

جہاد کے اصطلاحی معنٰی کی تفصیل

جہاد کے اصطلاحی معنٰی دو ہیں: ایک خاص اور حقیقی معنٰی، دوسرے عام معنٰی۔

جہاد کے اصطلاحی، خاص اور حقیقی معنٰی یہ ہیں کہ: اسلام کی نصرت اور دین کی سربلندی کے لئے کفار سے لڑنا۔

اور دوسرے عام معنٰی یہ ہیں کہ جہاد ہر اس کوشش کو کہتے ہیں، جو اسلام کی سربلندی کے لئے، اور کفار کی شوکت کو توڑنے کے لئے کی جائے، خواہ بذریعہ ہتھیار ہو، یا بذریعہ مال، یا بذریعہ جان، یا بذریعہ قلم، یا بذریعہ زبان، حاصل یہ کہ ہتھیاروں سے مسلح ہوکر لڑنا، اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا، جان کی بازی لگادینا، قلم سے مضمون لکھنا، زبان سے تقریر کرنا، یہ ساری صورتیں جہاد میں داخل ہیں۔ [2]

---

(۱) لسان العرب: مادہ "جهد" ۱۳۳/۳ والصحاح في اللغة للجوهري: مادہ "جهد" ۱۰۵/۱۔

(۲) بدائع الصنائع کتاب السیر بیان معنی السیر والجہاد ۲۶۹/۱۵

جہاد کے یہ دو اصطلاحی معنیٰ ہیں، جب لفظِ جہاد مطلق بولا جاتا ہے، تو اس سے پہلے معنیٰ مراد ہوتے ہیں، اِلاّ بقرینة، مگر یہ کہ کوئی قرینہ موجود ہو، تو پھر جہاد کے دوسرے اصطلاحی معنیٰ مراد ہوں گے، ورنہ بغیر کسی قرینہ کے پہلے معنیٰ ہی مراد ہوں گے۔

جہاد کے ایک اور معنیٰ

جہاد کے ایک معنیٰ اور بھی ہیں، اور وہ ہیں: مجاہدۂ نفس، یعنی نفس کے خلاف کوشش کرنا۔

حدیث میں شریف میں ہے: "**المجاهد من جاهد نفسه**"[1] مجاہد وہ ہے، جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے، یعنی اپنے نفس کو طاعات کے بجالانے اور معاصی سے بچنے کا عادی بنائے۔

ایک اور حدیث، جو اس سلسلے میں بڑی مشہور ہے: "**قد متم خير مقدم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر**" کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کو لوٹے۔

یہ حدیث بیہقی میں ہے[2] اس میں نفس کے خلاف جہاد کرنے کو جہادِ اکبر فرمایا گیا ہے، اور کافروں سے لڑنے کو جہادِ اصغر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ واضح ہے کہ کافروں سے لڑنا عارضی اور وقتی ہے، لہٰذا وہ جہادِ اصغر ہوا، اور نفس سے لڑنا مستقل اور دائمی ہے، لہٰذا یہ جہادِ اکبر ہوا، ایک دشمن وہ ہے کہ جس سے مہینے دو مہینے، سال دو سال لڑائی ہو، اور ایک وہ دشمن ہے کہ جس سے بالغ ہونے سے لیکر مرتے دم تک لڑائی ہو، لہٰذا کافروں سے لڑائی کو جہادِ اصغر اور نفس سے لڑائی کو جہادِ اکبر فرمانا بالکل بجا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی متکلم فیہ ہے، جس کی وجہ سے اس روایت میں کچھ ضعف ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب کسی ایسی روایت کے متابعات اور مؤیدات مل جائیں، تو پھر وہ مقبول ہو جاتی ہے، یہ حدیث بھی مقبول ہے، کیونکہ اس کے مؤیدات موجود ہیں، جو اس کے مضمون کی تائید کرتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث مفہوم کے اعتبار سے بالکل درست ہے، اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اللہ بچائے! بعض لوگ اس کو بہت ہی معمولی اور بے حیثیت سمجھتے ہیں، یہ جہالت اور کم علمی ہے۔

السِیَر : سیرۃ کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں طریقہ۔ مراد جہادِ شرعی میں حضور ﷺ کا طریقہ۔

---

(۱) جامع الترمذی ابواب الجهاد باب ما جاء في فضل من مات مرابطا، رقم الحديث: ۱۵۴۲

(۲) الزهد الكبير للبيهقي فصل في ترك الدنيا ومخالفة النفس رقم الحديث: ۳۸۴ (باختلاف يسير)

جہاد کے اغراض و مقاصد

قرآن وحدیث سے جہاد کے تین بنیادی مقاصد[1] ثابت ہیں:

(۱) ... اعزاز الاسلام، یعنی اسلام کو عزت دینا۔

(۲) ... اعلاء كلمة الله، یعنی اللہ کے دین کو سربلند کرنا۔

(۳) ... کسر شوكة الكفر، کفر کی شان وشوکت کو توڑنا۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے

دین اسلام صرف چند عبادات کے انجام دینے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک جامع اور عالمگیر مذہب ہے، جو انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے ہر شعبے میں اس کی رہنمائی کرتا ہے، چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے، اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر مکمل طور پر نافذ کرنا ضروری ہے، جس میں یہ بھی داخل ہے کہ اس زمین پر عدل وانصاف کا دور دورہ ہو، ظلم وستم کا خاتمہ ہو، اور اس سلسلے میں کافروں کو بھی اسلام کی دعوت دی جائے کہ اگر وہ چاہیں، تو بخوشی اسلام قبول کرلیں، پھر ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے، جو دیگر مسلمانوں کے ہیں، اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں، تو پھر جزیہ دیں، جو کہ ایک مالی ٹیکس ہے، جسے اسلامی حکومت ان کی جان ومال کی حفاظت کے عوض میں وصول کرتی ہے، اور ان کو اپنے کفر پر رہنے کا اختیار ہے، لیکن علانیہ انہیں اپنا کفر پھیلانے اور اس کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، بلکہ انہیں اپنے عبادت خانوں کی حد تک محدود رہنا پڑے گا، اور اگر وہ اسلام بھی قبول نہ کریں، اور جزیہ بھی نہ دیں، تو پھر ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا[2]، کیونکہ اسلام کی رو سے کسی بھی کافر کو دنیا میں حکومت کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار اپنے کالے قوانین پر دوسروں کو عمل کرنے کے لئے مجبور کریں، جو سراسر غلط، ناجائز اور ظلم وستم پر مبنی ہے۔

چودھویں صدی میں جہاد پر کفار ومستشرقین کا اعتراض اور اس کا جواب

جہاد کے ان مقاصد میں آپ غور کریں کہ کسی جگہ بھی کافروں کو زبردستی مسلمان کرنے کا ذکر نہیں، کفار چونکہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن چلے آرہے ہیں، اور کافروں کو مسلمانوں کے جہاد سے

---

(۱) تفسیر روح المعانی سورۃ النساء آیت نمبر: ۷۴، ۴/۱۳۳

(۲) الدر المختار كتاب الجهاد ۴/۳۰۴۔

بہت ڈر لگتا ہے، اور یہ کفار شروع سے ڈرتے آرہے ہیں، اور اسی طرح إن شاء الله تعالیٰ یہ ڈرتے ،اور مرتے رہیں گے، وہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی طریقہ سے مسلمانوں میں سے یہ جذبۂ جہاد نکل جائے، اور یہ جذبۂ جہاد اس وقت تک نہیں نکل سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایمان باقی ہے[1]، اور ایمان قرآن وحدیث پر ہے، اور اس میں "کتابُ الجهاد" بھی ہے، جسے آپ پڑھ رہے ہیں، اس لئے انہوں نے چودھویں صدی میں مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ اسلام بہت ہی خراب مذہب ہے، یہ بزورِ شمشیر پھیلا ہے[2]، یہ اعتراض برائے اعتراض ہے، جو جہالت وضلالت پر مبنی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں جہاد کے مقاصد میں کہیں بھی یہ مقصد نہیں ہے کہ زبردستی کافروں کو مسلمان بنایا جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اسلام میں کافروں کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہوتا، تو جزیہ کا حکم نہ ہوتا، لیکن احادیث وفقہ کی کتابوں میں "بابُ الجزية " موجود ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ کافر کو اختیار ہے کہ وہ مسلمان نہ ہو، اور جزیہ دیکر مسلمان حکومت کے ماتحت رہے، لہٰذا یہ اعتراض بالکل غلط ہے، جب علماءِ کرام نے اس کا جواب دیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخرکار یہ اعتراض دم توڑ گیا اور بالکل مُردہ ہوگیا۔

متجدّدین کا اقدامی جہاد کا انکار

ہمارے ملک میں ایک ایسی جماعت ہے، جس کو "متجددین" کہا جاتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جو ذاتی مطالعے سے، یا اسکول وکالج اور یونیورسٹیوں وغیرہ سے دینیات پڑھ کر "دین کے ماہر" اور آج کل کے جدید لفظوں میں "اسلامک اسکالر" بن جاتے ہیں، حالانکہ وہ صحیح معنیٰ میں دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے، اور ان کافروں سے بہت زیادہ مرعوب ہوتے ہیں، کافروں کی طرف سے اگر کوئی اعتراض آجائے، تو اُس کا جواب دینا اُن کے لئے ایک پہاڑ بن جاتا ہے، اور پھر کافروں کو خوش کرنے کے لئے اپنے دین تک کو بدلنے، اور اس میں ترمیم تک کرنے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں، چنانچہ جب کافروں نے یہ کہا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے، تو انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اسلام میں دفاعی جہاد ہے، اقدامی جہاد ہے ہی نہیں، کیونکہ اقدامی جہاد سے اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے، تو انہوں نے ان

---

(۱) جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "الجهاد ماض الى يوم القيامة" جہاد قیامت تک جاری رہے گا" مجمع الزوائد كتاب الايمان باب لا يكفر احد من اهل القبلة بذنب رقم الحديث: ۲۰۴ والمعجم الاوسط للطبرانیؒ رقم الحديث: ۴۹۳۱۔

(۲) اس موضوع پر مفصل کلام کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا" مصنفہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے یا انہیں خوش کرنے کے لئے اپنے دین میں اس بات کا انکار کر دیا کہ اسلام میں دفاعی جہاد ہے، اقدامی جہاد نہیں۔

اسلام اور دہشت گردی

اب پندرہویں صدی شروع ہے، اس میں ان کفار کی اصطلاح بدل گئی ہے، اب وہ جہاد کو عموماً ''دہشت گردی، انتہاء پسندی، شدت پسندی'' کہتے ہیں، اور تمام علماء، طلباء اور مجاہدین کو ''دہشت گرد، انتہاء پسند، شدت پسند'' اور تمام دینی مدارس اور تربیتی اداروں کو ''دہشت گردی کے مراکز'' کہنے لگے ہیں، اور آج کل اس کا زور وشور ہے، اب اس طریقے سے وہ اس جذبۂ جہاد کو ختم کرنا چاہ رہے ہیں، کہ کسی طریقہ سے مسلمانوں میں سے یہ جذبۂ جہاد ختم ہو، اب تک وہ زبانی باتوں کے ذریعہ اس کے ختم کرنے کے درپے تھے، اب وہ بزورِ طاقت اس جذبہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ موجودہ صلیبی جنگ کا مقصد یہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جتنا یہ جذبۂ جہاد مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ اُتنا ہی اُبھرتا ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان حکمران اور مسلم حکومتیں حُبِّ دنیا میں ڈوبنے اور عیش وعشرت میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے ان کافر طاقتوں کی غلام بنی ہوئی ہیں، اگر مسلمان اس غفلت سے بیدار ہوجائیں، تو یہ دنیا کے کفار، مسلمانوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

بہر حال! جہاد کو ''دہشت گردی'' سے تعبیر کرنا بھی سراسر جہالت اور ناانصافی پر مبنی ہے، کیونکہ جہاد تو امن وسکون قائم کرنے کا نام ہے، فساد پھیلانے کا نام نہیں ہے۔

جہاد کی مشروعیت کے چار درجات

قرآن وسنت میں غور وفکر کرنے سے جہاد کی مشروعیت کے چار درجات معلوم ہوتے ہیں:

پہلا درجہ: صبر

پہلا درجہ یہ ہے کہ کفار کو اسلام کی دعوت دی جائے، اگر وہ تکلیف پہنچائیں، تو صبر کیا جائے، اور لڑائی سے اجتناب کیا جائے، جیسا کہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے لئے یہی حکم تھا کہ جب تک وہ مکہ مکرمہ میں تھے، کافروں کے خلاف جہاد کی اجازت نہیں تھی، جبکہ کافر مسلمانوں کے اوپر ظلم ڈھاتے تھے، لیکن مسلمانوں کے لئے جہاد کا حکم نہیں تھا، بلکہ صبر کرنے کا حکم تھا۔

دوسرا درجہ: اجازتِ قتال

دوسرے درجے میں جہاد جائز اور مباح ہوا لیکن فرض و واجب نہیں ہوا۔

تیسرا درجہ: دفاعی جہاد کی مشروعیت

تیسرے درجے میں دفاعی جہاد مشروع ہوا، جب مسلمانوں کے کسی علاقے پر کفار حملہ کر دیں، تو اس علاقے کے جو مسلمان اُن کفار سے لڑنے کے لئے کافی ہوں، اُن پر جہاد فرضِ عین ہوگا، اور باقی مسلمانوں پر فرض کفایہ۔

چوتھا درجہ: اقدامی جہاد

چوتھا درجہ اقدامی جہاد کا ہے، حج کے چار مہینوں کے بعد اقدامی جہاد کی فرضیت نازل ہوئی، اور یہ مرحلہ ۹ھ کا ہے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا اعلان فرمایا۔ (۱)

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

(التوبة : ۵)

دوسری آیت میں فرمایا:

وَقَاتِلُوهُمْ حتى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (البقرة : ۱۹۳)

تیسری آیت میں فرمایا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (التوبة: ۳۶)

ان آیات میں حکم یہ دیا گیا کہ اب ان کافروں سے لڑو، اور ان کا صفایا کرو۔

جہاد کے چاروں درجات کی مشروعیت آج بھی باقی ہے

یہ جہاد کے چار درجات ہیں، اور جس طرح یہ اپنے اپنے موقع پر پہلے جائز اور مشروع تھے، آج بھی اسی طرح مشروع ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے بعض درجات منسوخ ہو گئے ہیں، اور بعض باقی

(۱) تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ التوبۃ آیت نمبر ا۔۴/۱۰۲

ہیں، لہٰذا جس جگہ مسلمان اتنے کمزور ہوں کہ کافروں سے نہ لڑ سکتے ہوں، تو ان کے لئے پہلا درجہ مقرر ہے، کہ طریقے اور سلیقے سے اسلام کی دعوت دیں، اور اگر کافروں کی طرف سے کچھ ایذاء پہنچے، تو صبر کریں۔

اور جو مسلمان اُن سے ذرا بہتر حالت میں ہوں، اُن کے لئے جہاد کرنا جائز ہے، فرض نہیں، اور جو اُن سے بھی زیادہ طاقت میں ہوں، اور اُن پر کافر حملہ کردیں، تو اُن کے لئے دفاعی جہاد ہے، اگر وہ لڑنے کے لئے کافی ہوں، تو ان پر فرض عین ہوگا، اور آس پاس کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہوگا، اور اگر وہ کافی نہیں ہیں، تو آس پاس کے جتنے مسلمان لڑنے کے لئے کافی ہوں، ان پر فرض عین ہوگا، اور دوسروں پر فرض کفایہ ہوگا۔[1]

اور اگر کسی علاقے کے مسلمان اتنے طاقتور ہیں کہ وہ خود کافروں پر حملہ کرسکتے ہیں، تو یہ صورت بھی بلاشبہ جائز ہے۔

جہاد کی دو بنیادی قسمیں

جہاد کی دو بنیادی قسمیں ہیں: (۱) ... دفاعی جہاد، (۲) ... اقدامی جہاد۔

دفاعی جہاد

جہاد کی پہلی قسم دفاعی جہاد ہے، یعنی اپنی حفاظت کے لئے کافروں سے لڑنا، اگر کسی علاقے پر کافروں نے حملہ کردیا ہو تو وہاں کے مسلمانوں پر اپنی حفاظت کے لئے کافروں سے لڑنا فرضِ عین ہے، مگر یہ دفاعی جہاد ہے، اقدامی نہیں ہے، جیسا کہ پاکستان میں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۰ء کی جنگ میں دفاعی جہاد ہو چکا ہے۔

اور اگر وہ مسلمان جن پر حملہ کیا گیا ہے، جہاد کے لئے کافی نہ ہوں، تو قرب وجوار کے دیگر مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہوگا، یہاں تک کہ اگر دنیا کے سارے مسلمان کافروں کے مقابلے میں کافی ہوں، تو دنیا کے سارے مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جائے گا، ورنہ جتنے مسلمان کافی ہوں، ان پر فرضِ عین، اور باقی مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہوگا، یہ دفاعی جہاد کہلاتا ہے، اور یہ بھی مشروع ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع کتاب السیر فصل فی بیان کیفیة فرضیة الجهاد ۱۵/ ۲۷۰۔

اقدامی جہاد

جہاد کی دوسری قسم ''اقدامی جہاد'' ہے، یعنی خود مسلمان کسی کافر ملک پر حملہ کریں، اس صورت میں جمہورؒ کے نزدیک بشرطِ استطاعت یہ جہاد فرضِ کفایہ ہے، اور جتنے مسلمان اس ''اقدامی جہاد'' کے لئے کافی ہوں، صرف اُن پر فرضِ کفایہ ہے، اُن کے علاوہ پر فرضِ کفایہ نہیں ہے۔

اقدامی جہاد میں استطاعت کا مطلب

اقدامی جہاد میں استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ:

(۱) ... مسلمانوں کا کوئی امیر ہو۔

(۲) ... دوسرے یہ کہ ان کی فوجی قوت ہو۔

(۳) ... تیسرے یہ کہ یہ قوت اس قدر ہو کہ ان کفار پر، جن سے وہ لڑنا چاہتے ہیں، یقین یا غالب گمان فتح کا ہو، یہ تین چیزیں استطاعت میں داخل ہیں۔

بعض صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک اقدامی جہاد بشرطِ استطاعت فرضِ عین ہے، نہ کہ فرضِ کفایہ۔(۱)

(۱)

باب جواز الإغارة على الكفار الذين بلغتهم دعوة الإسلام

(جن کافروں تک دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو، اُن سے قتال کے احکام)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قال: نَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، قَالَ :كَتَبْتُ إِلَى نَافِعٍ أَسْأَلُهُ عَنِ الدُّعَاءِ قَبْلَ الْقِتَالِ، قَالَ :فَكَتَبَ إِلَيَّ: إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ، قَدْ أَغَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ، وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ، وَسَبَى سَبْيَهُمْ، وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يَحْيَى :أَحْسِبُهُ قَالَ جُوَيْرِيَةَ أَو قَالَ :الْبَتَّةَ ابْنَةَ الْحَارِثِ، وَحَدَّثَنِي هَذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ،

(۱) تكملة فتح الملهم ج ص

وَكَانَ فِي ذَاكَ الْجَيْشِ. (ص ۸۱ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

کافروں سے قتال کا طریقہ

"کتاب الجہاد والسیر" کے پہلے باب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کفار کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، ان سے اسلام کی دعوت دیے بغیر لڑنا جائز ہے۔

اسلام میں کافروں سے لڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب دشمن سے آمنا سامنا ہو جائے، تو ان کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے کہ: آپ اسلام قبول کرلیں، اگر آپ اسلام قبول کرلیں گے تو آپ ہمارے بھائی ہوں گے، اور ہم آپ کے بھائی ہوں گے، اور جو ہمارے حقوق ہوں گے، وہی حقوق آپ کے بھی ہوں گے۔

اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں، تو ان سے کہا جائے کہ پھر آپ جزیہ دیں، اور ہمارے ماتحت رہیں، اگر وہ اس جزیہ دینے کو قبول کرلیں، تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر وہ نہ اسلام قبول کریں، اور نہ ہی جزیہ دینا قبول کریں، تو پھر تلوار قبول کرنی پڑے گی، یعنی پھر ان سے قتال اور لڑائی کی جائے گی۔

قتال سے پہلے دعوتِ اسلام دینے کے بارے میں تین اقوال

قتال سے پہلے دعوتِ اسلام دینے میں اختلاف ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تین (۱) قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ کافروں کو اسلام کی دعوت دینا مطلقاً واجب ہے، اور یہ قول ضعیف ہے، جو حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً واجب نہیں ہے، یعنی چاہے اسلام کی دعوت پہنچی ہو، یا نہ پہنچی ہو، یہ دوسرا قول پہلے قول سے بھی زیادہ ضعیف، یا باطل ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ جن کافروں تک اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب نہیں، مستحب ہے، اور جن کافروں کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے، اس کے بعد لڑائی جائز ہے، جب کہ وہ اسلام یا جزیہ دینا قبول

(۱) [illegible]

نہ کریں۔

اکثر علماء اور جمہورؒ کا یہی قول ہے، اور یہی قول صحیح ہے، اس باب کی پہلی حدیث اس کی دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''بنو مصطلق'' پر حملے کا ذکر ہے، اور اس میں اُن کو اسلام کی دعوت دینا مذکور نہیں، اسلام کی دعوت دیئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بنو مصطلق (۱)'' پر حملہ کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

ایسے ہی ''کعب بن اشرف''، جس کا واقعہ آگے آرہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا، قتل سے پہلے اس کو بھی اسلام کی دعوت نہیں دی گئی، کیونکہ اس کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

''ابو الحُقیق''، (۲) ایک کافر اور مسلمانوں کا دشمن گزرا ہے، جس کو قتل کیا گیا تھا، اس کو دعوت اسلام دیئے بغیر قتل کیا گیا، کیونکہ دعوت اسلام اسے پہنچ چکی تھی۔

یہ سب قول صحیح کی دلیلیں ہیں، کہ جس کافر کو اسلام کی دعوت پہنچ گئی ہو، اس کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینا مطلقاً واجب نہیں، اور جن کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے، دعوت سے پہلے قتال درست نہیں۔ (۳)

قوله: فكتب إليّ: إنما كان ذلك في أول الإسلام (ص ۸۱ سطر ۱۲ تا ۱۳)

حضرت سلیم بن اخضرؒ، حضرت ابن عونؒ سے روایت فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافعؒ کی خدمت میں لڑائی سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کے بارے میں سوال کرتے

---

(۱) ۵ھ یا ۶ھ میں ہونے والے اس غزوہ کو غزوہ بنی مُصطلق اور غزوہ ''مُریسیع'' بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ غزوہ مقام مُریسیع پر ہوا جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی شاہراہ پر واقع طویل وادی ''قُدید'' کے قریب واقع ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کو جب خبر ملی کہ بنو مصطلق کا سردار ''حارث بن ابی ضرار'' مسلمانوں کے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے تو آپ ﷺ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک لشکر لے کر مقابلے کے لئے تشریف لے گئے اور سات سو سے زائد کافر قیدی بنائے گئے اور بہت سے قتل کئے گئے، ان قیدیوں میں ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں جن کو آپ ﷺ نے بعد میں آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمایا۔ (ماخذہ: عمدة القاري كتاب المغازي باب غزوة بني المصطلق ۵۷۳/۱۸ھ و سيرة ابن هشام غزوة بني المصطلق ۲۸۹/۲)

(۲) ابو الحقیق کا نام ابو رافع عبداللہ بن ابی الحقیق تھا، اس کو سلام بن ابی الحقیق بھی کہتے ہیں، اس کا قلعہ خیبر اور حجاز کے درمیان سرحد پر تھا، اور یہ مال دار یہودیوں میں سے کعب بن اشرف کے ہم خیال لوگوں میں سے تھا، اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتا تھا، اس نے مسلمانوں کے خلاف قبیلہ بنو غطفان کی بڑی امداد کی تھی، قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۶ھ میں اس کو اس کے قلعے میں قتل کیا تھا (ماخذہ: صحیح البخاري كتاب المغازي باب قتل ابي رافع الخ رقم الحديث: ۳۷۳۳ و كشف الباري كتاب المغازي ص ۱۹۸، ۱۹۹)

(۳) فتح القدير كتاب السير باب كيفية القتال ۳۹۴/۱۲، والخراج لابي يوسفؒ فصل في قتال اهل الشرك واهل البغي وكيف يدعون، ۲۰۹/۱

ہوئے لکھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ شروع اسلام میں تھا، شروع اسلام کا مطلب یہ کہ جب اسلام عام نہیں ہوا تھا، اس وقت لڑائی سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری تھا، پھر جب اسلام کی دعوت عام ہوگئی، اور عام کفار تک بھی پہنچ گئی، تو پھر دعوت دینا واجب نہ رہا، بلکہ مستحب ہے۔

بنو مصطلق کون تھے؟

عرب میں "بنو خزاعة" ایک بہت بڑا قبیلہ گزرا ہے، اس کا ایک خاندان "بنو مصطلق" تھا، جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کیا تھا۔[1]

قوله: و هم غارّون (ص ۸۱ سطر ۱۳)

"غارّون" کے معنٰی ہیں: غافل ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر اچانک حملہ کیا تھا، انہیں پہلے سے معلوم نہیں تھا۔[2]

قوله: قال يحيى: أحسبه قال: جويرية، أو البتة: ابنة الحارث. (ص ۸۱ سطر ۱۴)

اس حدیث کے پہلے راوی "یحیی بن یحیی" ہیں، یہ حدیث شریف بیان کرنے میں نہایت ہی محتاط ہیں، یہاں تک کہ احتیاط کرنے میں وہ شکی مزاج مشہور ہوگئے تھے، اور وہ اتنی زیادہ احتیاط اس لئے کرتے تھے کہ کہیں میری طرف سے حدیث شریف بیان کرنے میں کوئی کمی وبیشی نہ ہوجائے، اُن کے استاذ "سُلیم بن اخضرؒ" ہیں، "یحییؒ" فرمارہے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ میرے استاذ "سُلیم بن اخضرؒ" نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت "جويرية" کہا تھا، البتہ مجھے اس بات کا یقین اور اطمینان ہے کہ انہوں نے "ابنة الحارث" کہا تھا۔

یہ انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے کہ "جويرية" کہنے کے بارے میں مجھے گمان ہے، اور "ابنة الحارث" کہنے کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ میرے استاذ نے یہی فرمایا تھا۔

وحدثنا محمد بن المثنى قال: نا ابن ابى عدیّ عن ابن عون بهذا الاسناد مثله و قال: جويرية بنت الحارث و لم يشک. (ص ۸۲ سطر ۱)

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، اس میں حدیث کے راوی نے بغیر کسی شک وشبہ کے

(۱) بنو مصطلق کا کچھ تعارف گذشتہ صفحہ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے۔

(۲) فتح الباری کتاب العتق باب من ملك من العرب رقیقاً الخ ۸/۷ ولسان العرب مادة (غور) ۱۱/۵۔

"جويرية بنت الحارث" کہا ہے۔

(۲)

باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ووصيته إياهم.....

(لشکر کے امیر بنانے اور اسے وصیت اور جہاد کے آداب وغیرہ کے احکام)

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبه ــــ(الی قوله) ــــ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ هَاشِمٍ، ــــوَاللَّفْظُ لَهُ،ــــ قال: ثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ، قال: نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تَمْثُلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ -أَوْ خِلَالٍ -فان أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ، وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ(ﷺ)، فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ، وَلَا ذِمَّةَ

نَبِيِّهِ، وَلَكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ، فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيهِمْ أَمْ لَا (ص ۸۲ سطر ۱ تا ۱۰)

تشریح

قوله: حدثني عبدالله بن هاشم (ص ۸۲ سطر ۲)

"عبدالله بن هاشم" یہ امام مسلمؒ کے خاص الخاص استاذ ہیں، صحاح ستہ میں سوائے امام مسلمؒ کے، اور کسی نے ان سے حدیث روایت نہیں کی، اور امام مسلمؒ نے "مسلم شریف" میں ان سے سترہ (۱۷) حدیثیں لی ہیں۔[۱]

قوله: إذا أمّر أميرا على جيش أو سرية (ص ۸۲ سطر ۳)

"جیش" بڑے لشکر کو کہتے ہیں، اور "سرية" اُس چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں، جو کم از کم چار سو فوجیوں پر مشتمل ہو، اور "سرية" اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے نکلنے اور جہاد میں جانے کو دشمن سے خفیہ رکھتا ہے۔[۲]

قوله: فإن أجابوك فاقبل منهم. (ص ۸۲ سطر ۵)

جب وہ اسلام قبول کرلیں، تو ان کو دعوت دو کہ وہ دار الحرب سے دار الاسلام، دار المهاجرین (مدینہ منورہ) منتقل ہو جائیں۔

اسکے بارے میں یہ بات سمجھ لیں کہ شروع اسلام میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی کافر لڑائی کے وقت اسلام کی دعوت قبول کرلیتا، تو اس کیلئے مستحب تھا کہ وہ دار الحرب کو چھوڑ کر دار الاسلام یعنی مدینہ منورہ منتقل ہو جائے، تاکہ وہاں جس طرح مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے، اور وہاں مسلمانوں کے جو حقوق ہیں، وہی حقوق اسکو بھی حاصل ہو جائیں، مثلاً مالِ غنیمت اور مالِ فيء میں اپنی

---

(۱) تکملة فتح الملهم : ۱۷/۳

(۲) شرح النووی علی صحیح مسلم: ۸۲/۲۔

شرائط کیساتھ حصہ دار بننا وغیرہ۔

اور اگر وہ منتقل نہ ہوں، تو پھر ان کا حکم ان دیہاتیوں کا سا ہوگا، جو دار الاسلام سے دور جنگل اور پہاڑوں میں رہتے ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مستحق ہوں، تو زکوۃ میں سے ان کو حصہ ملے گا، لیکن مالِ غنیمت اور مالِ فئ میں وہ حقدار نہیں ہوں گے، (الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لیں) کیونکہ ان کے دار الحرب میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کو ان پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، اس لئے ان کا حکم "اعراب المسلمین" کا ہوگا۔(۱)

دنیا میں اسلام کے عام ہونے کے بعد اب یہ حکم باقی نہیں رہا، اب اگر کسی جگہ لڑائی میں کفار مسلمان ہو جائیں، تو اب ان کو یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ دار الاسلام کی طرف منتقل ہوں۔

قوله: فإن هم أبوا فسلهم الجزية (ص ۸۲ سطر ۷)

اگر کافر اسلام قبول کرنے سے انکار کریں، تو تم ان سے جزیہ دینے کا مطالبہ کرو۔

جزیہ کی تفصیل

جزیہ سے متعلق دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

(۱) ... جزیہ کن کافروں سے لیا جائے گا، اور کن کافروں سے نہیں لیا جائے گا؟

(۲) ... جزیہ کی مقدار کیا ہے؟

جزیہ لینے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں

جزیہ لینے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... اہل کتاب، جیسے یہود و نصاریٰ

(۲) ... بحکم اہلِ کتاب، جیسے مجوسی (آتش پرست)

(۳) ... کفارِ عرب، مشرکینِ عرب وغیرہ۔

پہلی دو قسموں، یعنی اہلِ کتاب اور بحکمِ اہلِ کتاب، ان کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (التوبة: ۲۹)

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۔

''یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں''

(آسان ترجمہ قرآن ۱/۲/۵۷)

اور تیسری قسم یعنی کفار و مشرکینِ عرب سے جزیہ قبول کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ائمۂ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تمام کفار سے جزیہ وصول کیا جائے گا، سوائے مشرکین اور کفارِ عرب کے، کہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، ان کے لئے اسلام ہے یا تلوار ہے۔ (۱)

مالکیہ کا مذہب

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تمام کفار سے جزیہ قبول کیا جائے گا، سوائے کفارِ قریش کے۔

شوافع اور حنابلہ کا مذہب

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ظاہرِ مذہب یہ ہے کہ صرف اہلِ کتاب اور مجوس سے جزیہ وصول کیا جائے گا، خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے۔ اور کسی سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا ورنہ لڑائی ہوگی۔

احناف و مالکیہ کی دلیل

احناف اور مالکیہ کی دلیل حدیثُ الباب ہے: ''**فإن هم أبوا فسلهم الجزية**'' یہ مطلق ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام کفار و مشرکین سے جزیہ قبول کرنا چاہئے، خواہ وہ عرب ہوں، یا غیر عرب۔

لیکن احناف یہ فرماتے ہیں کہ کفارِ عرب سے مشرکینِ عرب کو، اور مشرکینِ قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے خاص کیا گیا ہے، اس بناء پر حنفیہ کے ہاں مشرکینِ عرب و قریش سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے لئے اسلام ہے، یا تلوار۔ (۲)

---

(۱) المبسوط کتاب السیر ۱۱/۴۸۹۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۲۰، ۲۱۔

جزیہ کی مقدار

جزیہ کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم ایک سال میں ایک دینار امیر و غریب پر مقرر کیا جائے گا، اور زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں، جتنی مقدار باہمی رضامندی سے طے ہو جائے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سونے کا کاروبار کرنے والوں پر فی کس سالانہ چار دینار، اور چاندی کا کاروبار کرنے والوں پر فی کس سالانہ چالیس درہم واجب ہوں گے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مالداروں پر چار (۴) درہم ماہانہ کے حساب سے، سالانہ اڑتالیس (۴۸) درہم واجب ہوں گے۔

اور درمیانے درجے کے مالداروں پر دو (۲) درہم ماہانہ کے حساب سے، چوبیس (۲۴) درہم سالانہ واجب ہوں گے۔

اور جو غریب درجے کے لوگوں پر ماہانہ ایک (۱) درہم کے حساب سے، سالانہ بارہ (۱۲) درہم واجب ہوں گے۔ (۱)

قوله : وإذا حاصرت أهل الحصن فأرادوك أن تجعل لهم ذمة الله

(ص ۸۲ سطر ۸)

کافروں سے معاہدہ کرنے کی دو صورتیں

کافروں کو امان دینا، یا ان سے کوئی عہد و پیمان کرنا، یا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ وغیرہ کرنا، اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ... ایک تو یہ کہ تم اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے واسطے سے کوئی عہد لو، یا کوئی فیصلہ کرو۔

(۲) ... دوسرا یہ کہ اپنی طرف سے کوئی عہد یا فیصلہ کرو۔

اِن دونوں میں بہتر یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے کوئی عہد یا فیصلہ کرلو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حوالہ دیکر نہ کرو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی جائے گی، تو چونکہ وہ تمہاری طرف سے ہوا تھا، اس لئے اس کی مخالفت ہلکی ہوگی۔

---

(۱) العنایہ شرح الهدایة كتاب السير باب الجزية ۹۲/۸ وفتح القدير كتاب السير باب الجزية ۱۷۳/۱۳۔

(۳)

باب فی الأمر بالتیسیر وترک التنفیر

(آسانی والا معاملہ اختیار کرنے اور نفرت والا معاملہ ترک کرنے کا حکم)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قال: نَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ :يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا.

(ص ۸۲ سطر ۱۴ تا ۱۵)

تشریح

قولہ : یسرا و لا تعسرا، و بشرا و لا تنفرا (ص ۸۲ سطر ۱۵)

تبلیغِ دین کا طریقہ

سرکارِ دو عالم جناب رسول ﷺ جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو کسی جگہ کا گورنر، امیر یا عامل مقرر کر کے روانہ فرماتے، تو ان کو کچھ نصیحتیں بھی فرمایا کرتے تھے، جن میں سے چند نصیحتیں اس حدیث میں بیان کی گئی ہیں، کہ لوگوں کو فضائل بتا کر، اجر و ثواب بتا کر، اللہ کی رحمتِ واسعہ بتا کر بشارت دو، اور خطرناک وعیدیں سُنا کر متنفر نہ کرنا، نیز لوگوں کو سہولتیں اور آسانیاں باہم پہنچانا، ان کو رخصتیں بھی بتلانا، تاکہ ان کے لئے دین پر چلنا آسان ہو، اور ان کو صرف عزیمت بتا کر، یا مشکل انداز میں دین کی باتیں بتا کر، ان کو دشواری اور مشقت میں نہ ڈالنا، کیونکہ ''إن الدین یسر''[1] اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج، آیۃ:۷۸)

یمن کے دو حصے ہیں: ایک بالائی حصہ، یعنی ''یمنِ عُلیا''، اور ایک نچلا حصہ، یعنی ''یمنِ سُفلی''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالائی حصہ پر حضرت معاذ بن جبلؓ کو عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا، اور یمن کے نچلے حصے پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو گورنر مقرر کر کے روانہ فرمایا،[2] اور ان دونوں

(۱) صحیح البخاری کتاب الایمان باب الدین یسر رقم الحدیث:۳۸۔

(۲) تکملة فتح الملہم ۳/۲۲۔

سے فرمایا کہ:

یسرا و لا تعسرا، بشرا و لا تنفرا، و تطاوعا،

یعنی ایک دوسرے کا کہا ماننا، اور و لا تختلفا، ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنا، یعنی جو اہم کام کرو، باہمی مشورے سے کرنا، اتفاقِ رائے سے کرنا، اختلافِ رائے اختیار نہ کرنا، اور ایک دوسرے کا کہنا ماننا، یعنی جب اپنے مقابل کی بات مناسب معلوم ہو، اور آدمی یہ سوچے کہ میں اس کی بات کیوں مانوں؟، ایسا نہیں کرنا، جو بھی اچھی بات کرے، چاہے چھوٹا کہے، یا بڑا کہے، اسے مانو، اور جو بُری اور نامناسب بات کہے، اس سے بچو، اور باہمی اختلاف سے بچو، کیونکہ اختلاف سے ہیبت ختم ہو جاتی ہے، اور کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ آج امتِ مسلمہ حضور پاک ﷺ کی اس ہدایت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے جگہ جگہ رسوا اور ذلیل ہے اور اس کی ہیبت ختم ہو چکی ہے۔ ہائے افسوس!!

(۴)

باب تحريم الغدر

(عہد شکنی کی حرمت کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا جَمَعَ اللهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُرْفَعُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ، فَقِيلَ :هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ .(ص۸۳ سطر ۵ تا ۷)

تشریح

قوله: حدثنا أبوبكر بن أبي شيبة (ص۸۳ سطر ۵)

عہد شکنی کرنے والوں کی سزا

اس باب میں عہد کرنے کے بعد عہد توڑنے اور عہد شکنی کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے، عہد شکنی کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ... ایک عہد شکنی کسی آدمی کی دوسرے آدمی سے ہوتی ہو۔

(۲) ... اور دوسری عہد شکنی امیرِ مملکت کی کسی دوسرے شخص یا ملک سے ہو۔

ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اس لئے کہ ایک آدمی کی دوسرے آدمی سے عہد شکنی کا نقصان

صرف ان دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے، جو کہ نسبتاً چھوٹا نقصان ہے۔

اور کسی امیرِ مملکت کا عہد کر کے عہد توڑنا، یہ بڑا نقصان ہے، اس سے پوری مملکت کو نقصان پہنچتا ہے، اور پوری مملکت کا نقصان بڑا نقصان ہے، اور اس کی مذمت میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ عہد شکنی کرنے والوں کی علامت قیامت کے دن یہ ہوگی کہ ان کی دُبر پر کمر کی طرف ایک لمبا سا جھنڈا لگا ہوگا، جس کی وجہ سے دور ہی سے اس کو پہچان لیا جائے گا کہ یہ آدمی دنیا میں عہد شکنی کا مرتکب ہوا تھا، جو آج اس کے لئے ذلت کا باعث ہے، اور یہ مثال اس لئے دی گئی ہے کہ اہلِ عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے جلسوں میں، اپنی تقریبات میں، اپنے اجتماعات میں اگر کسی سے وفاداری کا اظہار کرتے، تو سفید جھنڈا بلند کرتے تھے، اور اگر اس کی مخالفت کا اظہار کرتے، تو کالا جھنڈا بلند کیا کرتے تھے۔ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جو شخص کسی سے عہد کر کے اس کی خلاف ورزی کرے گا، تو آخرت میں اس کی کمر سے ایک جھنڈا لگا ہوگا، جو اس کے عہد شکن ہونے کی علامت ہوگی، جس کی وجہ سے اس کو اجتماعِ عام کے اندر ذلت ورسوائی اٹھانا پڑے گی۔ اس لئے عہد شکنی سے بچنا چاہئے۔

حَدَّثَنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَابْنُ بَشَّارٍ، (الی قوله) عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ: "هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ" (ص ۸۳ سطر ۱۱، ۱۲)

تشریح

قوله: عن أبي وائل عن عبدالله (ص ۸۳ سطر ۳)

"عبداللّٰہ" سے مراد "عبداللّٰہ بن مسعود" رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور "ابو وائل" تابعی ہیں، جو مخضرمین میں سے ہیں۔ [2]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ، يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ. (ص ۸۳ سطر ۱۵، ۱۶)

(۱) تکملة فتح الملہم ۳/۲۶۔

(۲) تکملة فتح الملہم ۳/۲۹۔

قوله: عن الأعمش عن شقيق عن عبد الله (ص ۸۳ سطر ۱۵)

شارحینؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ شعبہ میں حضرت شقیقؒ کی کنیت "ابو وائل" مذکور ہے، اور اعمش کی روایت میں "شقیق" ان کا نام مذکور ہے،[1] گویا پہلی حدیث میں کنیت ذکر کی گئی، اور دوسری حدیث میں نام ذکر کیا گیا اور راوی دراصل ایک ہی ہے۔

(۵)

باب جواز الخداع فی الحرب

(جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کا جواز)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، (الی قوله) قَالَ :سَمِعَ عَمْرٌو، جَابِرًا، يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْحَرْبُ خُدْعَةٌ (ص ۸۳ سطر ۱۹، ۲۰)

تشریح

لفظ "خَدْعَة" کی تشریح اور دھوکہ کا حکم

لفظِ "الخدعة" کو کئی طرح پڑھ سکتے ہیں، خَدْعَةٌ، خُدْعَةٌ، خُدَعَةٌ، خَدَعَةٌ، خِدْعَةٌ لیکن اکثر علماء نے "خَدْعَةٌ" (بفتح الخاء وسکون الدال) پڑھنے کو ترجیح دی ہے، اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے تیسرے لفظ خُدَعَةٌ کو ترجیح دی ہے جو اسمِ فاعل کے مبالغہ کا صیغہ ہے[2] اسکے معنٰی ہیں: دھوکا دینا، مراد یہ ہے کہ جنگ کے انجام کا پتہ نہیں ہوتا اور جنگی اسباب واسلحہ پر بھروسہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ کبھی ابتداء میں فتح ونصرت ہوتی ہے اور آخر میں شکست اور کبھی شروع میں شکست معلوم ہوتی ہے اور آخر میں فتح اس طرح اس میں دھوکہ ہوتا ہے، بہر حال فرمایا: الحرب خدعة، لڑائی دھوکا ہے، یعنی جنگ اور لڑائی میں ہر فریق مدِ مقابل فریق کو دھوکا دیکر کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ کے اندر دشمن کو دھوکا دینا جائز ہے، بشرطیکہ دھوکا دینے سے نہ تو عہد کی خلاف ورزی ہو، اور نہ "امان" پامال ہو، اگر یہ دو باتیں نہ ہوں، تو بلا شبہ دشمن کو لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے۔

دورانِ جنگ دشمن سے جھوٹ بولنا

لڑائی میں دشمن سے جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماءِ کرام کا اس بات میں اتفاق ہے کہ

(۱) تکملة فتح الملهم ۳/ ۲۸۔

(۲) شرح النووی علی صحیح مسلم ۲/ ۸۳

لڑائی کے دوران دشمن کے ساتھ جھوٹ بولنا جائز ہے اور وہ لفظِ خَدْعَۃٌ کو کذب پر محمول کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں حضراتِ فقہاء کرامؒ میں اختلاف ہے حضراتِ شوافع کے نزدیک بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے مگر توریہ افضل ہے۔

کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ تین مواقع ایسے ہیں، جن میں جھوٹ بولنا جائز ہے:

(۱) ... شوہر کا اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے خلافِ واقعہ بات کرنا۔

(۲) ... لڑائی کے اندر دشمن سے جھوٹ بولنا، تاکہ اسکے خلاف کامیابی حاصل کر کے اس کو زیر کیا جاسکے۔

(۳) ... اسی طرح ایسے دو مسلمان بھائی جنکی آپس میں لڑائی ہو، انکے درمیان صلح کروانے کیلئے جھوٹ بولنا۔[۱]

ان تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے، لیکن حضراتِ فقہاءِ حنفیہ فرماتے ہیں کہ ان تین مواقع میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں "توریہ" اور "تعریض" کی گنجائش ہے، حتی الامکان صریح جھوٹ بولنے سے بچا جائے، لیکن اگر صراحۃً جھوٹ بولے بغیر کام نہ چلے، تو اس بارے میں متقدمین حنفیہ کے نزدیک صراحت سے کوئی حکم ثابت نہیں، کیونکہ اکثر جگہ "کنایة، اشارة، تعریض" اور "توریہ" کا ذکر ہے۔

لیکن " اعلاء السنن "میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ نقل فرمایا کہ حدیث میں تین مواقع مستثنیٰ ہیں، اب اگر کسی جگہ "اشارہ، کنایہ، توریہ اور تعریض" وغیرہ سے کام نہ چلے، تو فی نفسہٖ صریح جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے، ہاں! جہاں تک ہو سکے بلاضرورت صریح جھوٹ بولنے سے بچنا چاہئے۔[۲]

(٦)

باب كراهية تمني لقاء العدو، والأمر بالصبر عند اللقاء

(دشمن سے ملنے کی تمنا کرنے کی ممانعت اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کا حکم)

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ

(۱) جامع الترمذي ابوب البر والصلة باب ماجاء في اصلاح ذات البين رقم الحديث: ۱۸۶۲۔

(۲) تكملة فتح الملهم ۳/۳۲،۳۳ واعلاء السنن كتاب السير باب الحرب خدعة ۱۲/۶۷۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا.

(ص ۸۴ سطر ۱، ۲)

تشریح

امامِ مسلمؒ اس باب میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک نقل فرمارہے ہیں کہ "لا تمنّوا لقاء العدو" دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو، لیکن جب دشمن سے مقابلہ پیش آہی جائے، تو پھر جم جاؤ، ثابت قدم رہو اور سینہ سپر ہو کر دشمن سے لڑو۔

لڑائی کی تمنا ممنوع اور شہادت کی آرزو جائز

یہاں ایک اشکال اور اس کا جواب سمجھنے کی ضرورت ہے، آپ ﷺ نے دشمن سے لڑنے کی تمنا کرنے سے منع فرمایا، اور شہادت کی تمنا کرنے کی اجازت دی، عام طور پر شہادت لڑائی میں ہوتی ہے، تو ایک طرف دشمن سے لڑنے کی تمنا کرنے سے منع فرما رہے ہیں، اور دوسری طرف شہادت کی موت کی تمنا کی اجازت دے رہے ہیں؟ ان دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دشمن سے لڑنے کی تمنا کرنے کو اس لئے منع فرمایا کہ دشمن سے لڑنے کی تمنا اس لئے ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ لڑنے والے کو اپنی ذات پر بھروسہ ہوتا ہے، اپنی طاقت وقوت پر اعتماد ہوتا ہے، اپنی ثابت قدمی کا یقین یا اطمینان ہوتا ہے، اور یہ سب تکبر اور بڑائی کی باتیں ہیں، اور بڑائی کا اظہار اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہوتی، لہٰذا اس کی تمنا کرنے سے منع فرمایا۔

نیز اس لئے بھی منع فرمایا کہ اس تمنا میں عُجب، کبر، خود پسندی، بڑائی کا مفسدہ پایا جاتا ہے، نیز دشمن سے لڑائی کے دوران اس بات کا بھی کوئی اطمینان نہیں ہے کہ ہم ثابت قدم رہیں گے، یا نہیں؟ کامیابی ہوگی، یا نہیں ہوگی؟، انجام کا کچھ پتہ نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے "لقاء العدوّ" کی تمنا سے منع فرمایا۔ (1)

اور شہادت کی تمنا آخرت کی چیز ہے، جو آخرت کے بلند درجات میں سے ایک درجہ ہے، جو کہ نہ صرف مطلوب ہے، بلکہ محمود ہے، اور اس میں کوئی مفسدہ نہیں، اس لئے اس کی تمنا درست اور جائز

(1) شرح صحیح مسلم للنووی ۸۴/۲۔

ہے۔[1]

نیز حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے،[2] اس کا مطلب ومقصد مجاہدین کولڑائی میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب دینا ہے، جب دشمن سے تمہاری جنگ اورلڑائی شروع ہوجائے، تواب سمجھ لوکہ تمہاری جنت ان تلواروں کے سائے میں ہے، یعنی تمہارے لئے دشمن سے لڑنا جنت میں جانے کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اورخوشنودی حاصل ہونے کا باعث، اور گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا سامان ہے۔

(۷)

باب استحباب الدعاء بالنصر عند لقاء العدو

(دشمن سے جنگ کے وقت نصرت کی دُعا کرنے کے استحباب کا بیان)

حَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ يَوْمَ أُحُدٍ: اللّٰهُمَّ، إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدُ فِي الْأَرْضِ. (ص ۸۴ سطر ۱۰، ۱۱)

تشریح

قوله : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول يوم أحد: اللّٰهم، إنك إن تشأ لا تعبد في الأرض. (ص ۸۴ سطر ۱۰، ۱۱)

اے اللہ! اگر آپ چاہیں، تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے۔

آپ ﷺ نے یہ جملہ "غزوۂ[3] بدر، غزوۂ احد اورغزوۂ حنین[4]"، تینوں مواقع پر ارشاد فرمایا، اوراس جملہ کوفرمانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لانا تھا وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کومعلوم تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی اور نبی قیامت تک نہیں آئے گا، لہٰذا اگر میں اور وہ مسلمان، جو مجھ پر ایمان لائے ہیں، شہید کردیے گئے، اورکفار کے

(۱) خود حضرت نبی کریم ﷺ اور کئی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شہادت کی تمنا ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: صحيح البخاری كتاب الجهاد باب تمنی الشهادة رقم الحديث ۲۵۸۸، و كتاب الجهاد باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء رقم الحديث: ۲۵۸۰۔

(۲) صحيح البخاری كتاب الجهاد باب الجنة تحت بارقة السيوف رقم الحديث: ۲۶۰۷

(۳) صحيح البخاری كتاب التفسير سورة القمر باب قوله سيهزم الجمع ويولون الدبر، رقم الحديث: ۴۴۹۷.

(۴) مسند احمد مسند انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه رقم الحديث ۱۲۲۰۔

مقابلے میں ان کی مدد نہ ہوئی، تو پھر کوئی اور نبی آکر اسلام کی دعوت نہیں دے گا، اور یہ کفار و مشرکین بدستور غیر اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں گے،(1) اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یا اللہ! اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس دین پر اور آپ کی شریعت پر عمل نہ کیا جائے، تو پھر جیسے آپ کی منشاء، ورنہ آپ اپنے فضل سے ہماری مدد فرمایئے، تا کہ کفر مٹ جائے، اور اسلام پھیل جائے۔

(۸)

باب تحریم قتل النساء و الصبیان فی الحرب

(جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتُولَةً، فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ.. (ص ۸۴ سطر ۱۱، ۱۲)

تشریح

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ کسی غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی، تو سرکارِ دوعالم جنابِ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا کہ جنگ میں دشمن کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔

یہ بات اس زمین پر سب سے پہلے اسلام نے سکھائی ہے، اور یہ چیز اسلام کی خصوصیات اور امتیازی امور میں سے ہے، اس سے پہلے کسی اور مذہب نے ایسا حکم نہیں دیا، جبکہ کافروں کا پہلے اور آج بھی یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ جنگ کے دوران بلا امتیاز اپنے دشمنوں کی عورتوں، بچوں، کمزوروں اور ضعیفوں کو قتل کرتے ہیں، اور نہ صرف قتل کرتے ہیں، بلکہ نہایت ہی بے دردی اور سفاکی سے قتل کرتے ہیں، یہ بات سراسر انسانی شرافت کے خلاف ہے، اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے سب سے پہلے انسان کو انسانیت اور شرافت کا یہ حکم دیا کہ جنگ میں دشمن کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے، اسی لئے تمام علماءِ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ جنگ کے دوران دشمن کی عورتیں، بچے اور بوڑھے، جبکہ وہ لڑنے والے نہ ہوں، یا لڑنے والوں کی مدد کرنے والے نہ ہوں، ان کو قتل کرنا حرام ہے، اور اگر وہ

(1) تکملة فتح الملهم ۳/ ۳۶، ۳۷۔

لڑنے والے ہوں، جیسا کہ قریب البلوغ لڑکا بھی لڑنے کے قابل ہوتا ہے، اور آج کل تو عورتوں کی بھی فوج ہوتی ہے، اور بعض بوڑھے بھی جوانوں سے زیادہ لڑاکو ہوتے ہیں، اور اگر جسمانی طور پر لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے، تو بعض مرتبہ ان کا تجربہ بہت وسیع ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں جمہور علماء کے نزدیک ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے،[۱] گویا اُن کو قتل کرنے کی اصل علت ان کا لڑائی میں حصہ لینا ہے۔ جس کی دلیل ایک دوسری حدیث ہے کہ:

کسی غزوہ میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ ایک جگہ جمع ہیں، آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے، تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ ایک مقتول عورت پر جمع تھے، آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو لڑنے والی نہیں تھی۔ [۲]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ''قتل نہ'' کرنے کی وجہ ''نہ لڑنا'' ہے، اور ''لڑنا'' ''قتل'' کی وجہ ہے، اس لئے علماءِ کرام نے فرمایا کہ جہاں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کا نہ لڑنا پایا جائے گا، وہاں قتل کرنا ناجائز ہوگا، اور جہاں یہ خود لڑنے والے ہوں، یا لڑنے والوں کی مدد کرنے والے ہوں، تو وہاں ان کو بھی دیگر کفار کی طرح قتل کیا جائے گا۔

(۹)

باب جواز قتل النساء والصبیان فی البیات من غیر تعمد

(شب خون میں بلا ارادہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو مارنا جائز ہے)

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ اصلاً تو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں، ضمناً وتبعاً قتل کرنا جائز ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ، قَالَ :سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الذَّرَارِيِّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ؟ يُبَيَّتُونَ فَيُصِيبُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ، فَقَالَ :هُمْ مِنْهُمْ. (ص ۸۴ سطر ۱۴ تا ۱۶)

---

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی ۸۴/۲۔

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی قتل النساء، رقم الحدیث: ۲۲۹۵۔

تشریح

قولہ: سُئِلَ رسول اللہ ﷺ عن الذراری من المشرکین (ص ۸۴ سطر ۱۵)

"بیت یبیت تبییت" جبکہ اس کا مفعول بہ عدو یا قوم ہو تو اس کے معنیٰ آتے ہیں: رات میں حملہ کرنا[1]، اگر کفار و مشرکین پر رات کو حملہ کیا جائے، تو ظاہر ہے کہ عورتوں اور بچوں کو ان سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے، اور یہی حکم بمباری کا بھی ہے، خواہ بمباری دن میں کی جائے یا رات میں اس میں اگر کفار کی عورتیں اور بچے بھی مرجائیں تو کچھ مضائقہ نہیں؛ کیونکہ اس میں بھی عورتوں اور بچوں کو لڑنے والوں سے الگ کرنا ممکن نہیں، ایسی صورت میں اصل نشانہ تو کفار و مشرکین ہیں، اور چونکہ رات میں حملہ کرنے کی وجہ سے، یا دن یا رات میں بمباری کرنے کی وجہ سے ان کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کو الگ کرنا ممکن نہیں، لہٰذا ضمناً ان کا قتل کرنا بھی درست ہے، اس باب کی احادیث سے یہ ثابت اور جائز ہے۔

قولہ: فقال: "ھم منھم" (ص ۸۴ سطر ۱۶)

دنیا میں کفار کی عورتیں، بچے انہی کفار کے حکم میں ہیں، اور ان کا حکم یہ ہے کہ جب وہ لڑنے والے نہ ہوں، تو ان کو اصلاً اور قصداً مارنا جائز نہیں، لیکن اگر ضمناً اور تبعاً ان کو مارنا پڑے، تو درست ہے، یہ اولادِ کفار و مشرکین کا دنیوی حکم ہے، ان کا اخروی حکم کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ مشرکین و کفار کی نابالغ اولاد آخرت میں جنت میں جائے گی۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جہنم میں جائے گی۔

(۳) ... اور تیسرا قول یہ ہے کہ توقف کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ وہ کیا عمل کرتے ہیں؟ جیسا کہ بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: "اللہ اعلم بما کانوا عاملین"[2]

ان میں پہلا قول صحیح اور راجح ہے۔[3]

---

(۱) لسان العرب مادۃ "بیت" ۱۴/۲۔

(۲) صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی أولاد المشرکین رقم الحدیث: ۱۳۹۵ وصحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ رقم الحدیث: ۴۸۰۵۔

(۳) شرح صحیح مسلم للنووی ۸۵/۲۔

(۱۰)

باب جواز قطع أشجار الكفار و تحريقها

(کافروں کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا جائز ہے)

اس باب میں امام مسلمؒ وہ احادیثِ طیبہ بیان فرمارہے ہیں، جن میں بنونضیر کے درختوں کو جلانے اور کاٹنے کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے ان کے باغات کیوں کٹوائے، اور کیوں جلوائے؟ اس کا پورا پسِ منظر سمجھنا ضروری ہے، اس کو سمجھنے سے اِن شاء اللہ تعالیٰ مذکورہ باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

بنوقینقاع کی عہد شکنی

اس پسِ منظر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو وہاں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبیلے آباد تھے:

(۱) ... بنوقریظة (۲) ... بنونضیر

(۳) ... بنوقینقاع

آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد یہودیوں کے ان تینوں قبیلوں نے آنحضرت ﷺ سے باقاعدہ معاہدہ اور عہد وپیمان کیا کہ ہم آپ سے نہیں لڑیں گے، اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، اس عہد وپیمان اور معاہدے کے بعد سب سے پہلے بنوقینقاع نے معاہدے کی خلاف ورزی کی، آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے بعد ۲ھ ماہِ شوال میں ان کا محاصرہ کیا، اور کئی روز کے محاصرے کے بعد یہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ حضور ﷺ جو بھی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائیں، انہیں منظور ہوگا، آپ ﷺ نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا، عبداللہ بن ابی نے آکر درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کے بارے میں میری یہ درخواست منظور فرمالیں کہ ان کو معاف کرکے جلاوطن کردیں، آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی درخواست قبول فرماکر ان کا خون معاف کیا، اور ان کو "اذرعات" [1] کی طرف جلاوطن کردیا۔[2]

---

(۱) "اذرعات" اطرافِ شام میں "بلقاء" اور "عمان" کے قریب ایک شہر کا نام ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: معجم البلدان باب الهمزة والذال وما يليهما، ۱/ ۱۸۱۔

(۲) فتح الباري كتاب المغازي، باب حديث بني النضير، ۱۱/ ۳۵۸۔

بنو نضیر کی عہد شکنی کا واقعہ

اس کے تقریباً چھ ماہ بعد یعنی ربیع الاول ۴ھ میں بنونضیر نے آپ ﷺ سے عہد شکنی کی، جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا، اوران کے باغات اور درختوں کو کٹوایا، اور جلوایا، یہ بھی جلاوطنی پر آمادہ ہوئے۔

اصحابِ سیر نے ان کی عہد شکنی کا واقعہ بھی بیان فرمایا ہے، اس سلسلے میں دو روایتیں ذکر کی ہیں، زیادہ تر اصحابِ سیر و مغازی نے جو روایت لی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ **عمرو بن امیہ ضمری** نے بنو عامر کے دو آدمی قتل کر دیے، اور بنو عامر کا حضور ﷺ سے معاہدہ اور عہد و پیمان تھا کہ آپ ﷺ ان کی مدد کریں گے، اور وہ آپ ﷺ کی مدد کریں گے، اور بنو عامر، بنونضیر کے حلیف بھی تھے، یعنی ان کا بھی آپس میں ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ تھا، جب **عمرو بن امیہ ضمری** نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کیا، تو آنحضرت ﷺ یہودیوں کے قبیلے بنونضیر کے یہاں تشریف لے گئے، اوران سے جا کر فرمایا کہ بنو عامر ہمارے بھی حلیف ہیں، اوران کے ساتھ تمہارا معاہدہ بھی ہے، لہٰذا ان کے دو آدمیوں کے قتل کی دیت دلوانے کا انتظام کرو،... یہودی آپ ﷺ کو ''ابو قاسم'' کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے.. چنانچہ بنونضیر نے کہا کہ اے ابو قاسم! ہم آپ ﷺ کی ضرور مدد کریں گے، اور آپ ﷺ جیسا چاہیں گے، ویسا ہی ہوگا، جس وقت آپ ﷺ ان سے بات چیت فرما رہے تھے، اس وقت آپ ﷺ ایک یہودی کے مکان کے سائے میں تشریف فرما تھے، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ سمیت بہت سے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے ہمراہ موجود تھے، اس موقع پر یہودیوں نے اندر ہی اندر آپ ﷺ کے خلاف ایک ناپاک منصوبہ تیار کیا، اور آپس میں کہا کہ اس وقت آپ ﷺ ایک دیوار کے نیچے بیٹھے ہیں، اس حالت میں بیٹھے ہوئے پھر کبھی نہیں ملیں گے، آپ کو قتل کرنے کا بہت اچھا موقع ہے، لہٰذا کوئی شخص اوپر جائے، اور ایک بڑا سا پتھر آپ ﷺ کے اوپر لڑھکا دے، تاکہ **العیاذ باللہ** ! آپ ﷺ کا خاتمہ ہو جائے، اوراس کو ایک حادثہ قرار دے کر اپنی جان بھی چھوٹ جائے۔

عمرو بن جحاش بن کعب نامی ایک شقیق القلب شخص اس کام کے لئے تیار ہوا کہ، میں یہ کام کروں گا، ابھی وہ منصوبہ بنا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کے اس منصوبے

سے آگاہ فرمادیا، خبر ہوتے ہی آپ ﷺ وہاں سے اٹھے، اور فوراً چل دیے، اور ان کا منصوبہ دھرے کا دھرارہ گیا، صحابۂ کرام ؓ کچھ دیر آپ ﷺ کے انتظار میں رہے کہ شاید آپ ﷺ واپس تشریف لائیں، لیکن جب کافی دیر گزر گئی، اور آپ ﷺ واپس تشریف نہ لائے، تو وہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

راستے میں مدینہ منورہ کی طرف سے ایک آدمی کو آتے ہوئے دیکھا، اس آدمی سے پوچھا کہ کیا تم نے حضور ﷺ کو دیکھا؟ اس نے کہا کہ ہاں! حضور ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہیں، میں نے وہاں آپ ﷺ کو دیکھا ہے، صحابہ کرام ؓ کو یہ سن کر اطمینان ہوا، اور پھر سب جلدی سے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس اس طرح انہوں نے مجھے مارنے کا منصوبہ بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے مجھے اطلاع دے دی، میں وہاں سے اٹھ کر یہاں آ گیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حرکت کر کے بنونضیر نے میرے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو ساتھ لیکر ان کا محاصرہ کرلیا، تھوڑے دن انہوں نے انتظار کیا کہ شاید عبداللہ بن ابی ان کی مدد کو بھی آئے، لیکن وہ نہیں آیا۔

اِدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ ''بویرۃ'' میں ان کے باغات کو کٹوایا اور جلوایا، ''بویرۃ'' ایک جگہ کا نام ہے، جو مدینہ منورہ اور تیماء کے درمیان واقع ہے، باغات کے جلنے کی وجہ سے ان کے اوپر رعب بیٹھ گیا، اور مرعوب ہو کر انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ حضور! آپ ﷺ ہمارا خون معاف فرمادیں، اور ہمیں یہاں سے جلاوطن ہونے کی اجازت مرحمت فرمادیں، اور ساتھ ہی ساتھ ہتھیاروں کے علاوہ دیگر اشیاء منقولہ، جو بھی ہم اپنے ساتھ لے جا سکیں اس کی بھی اجازت مرحمت فرمادیں، آپ ﷺ اس کی بھی اجازت دے دی، چنانچہ انہوں نے خود ہی اپنے مکان کی کھڑکیاں، دروازے توڑ توڑ کر نکالے، اور دیگر قیمتی سامان اونٹوں پر لادا، اور پھر یہ خیبر اور شام کی طرف جلاوطن ہو گئے۔ (۱)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ، وَحَرَّقَ، وَلَهَا يَقُولُ حَسَّانُ:

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۱ تا ۳۲۲۔

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ
حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

وفی ذلک نزلت:﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا﴾الآية . (ص ۸۵ سطر ۴ تا ۶)

تشریح

قوله: و لها يقول حسان (ص ۸۵ سطر ۵)

حضرت حسان بن ثابتؓ آنحضرت ﷺ کے شاعر صحابی ہیں، آپ ﷺ کی طرف سے کفار کی ہجو کے جواب دینے کیساتھ ساتھ آپ ﷺ کا دفاع فرمایا کرتے تھے،[1] انہوں نے بنونضیر کے بارے میں بطورِ تعریض کے یہ شعر کہا ہے۔

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ
حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

هَانَ يَهُونُ هَوناً، کے معنٰی ہیں: آسان ہونا۔[2] سراۃ، سری کی جمع ہے، اس کا معنٰی ہے: سردار۔[3] بنی لؤی سے مراد قریش ہیں۔ شعر میں اس سے مراد آنحضرت ﷺ اور دیگر صحابۂ کرامؓ ہیں، جو قریشی تھے، حریق کا معنٰی ہیں: جلانا، مستطیر کا معنٰی ہیں: پھیلنا، منتشر ہونا۔[4]

اب پورے شعر کا ترجمہ یہ ہوا:

"قریش کے سرداروں پر آسان ہوگیا، مقامِ بویرہ میں (باغات کا) جلانا"

اور اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا (الحشر: ۵)

بنونضیر کے سردار کا نام "حیّ بن اخطب" تھا[5]۔ لِينَة: عجوۃ کھجور کے سوا کھجور کی باقی اقسام کو

---

(۱) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا تھا جس پر کھڑے ہوکر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف سے کفار کا جواب دیا کرتے تھے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ایک سو بیس سال تھی، ساٹھ سال زمانۂ جاہلیت میں گزارے اور ساٹھ سال حالتِ اسلام میں گزارے، آپ کا انتقال ۴۰ھ میں ہوا۔ ماخوذ از اسد الغابة باب الحاء والسين ۱/۲۵۵، ۲۵۶۔

(۲) لسان العرب: مادة "هون" ۱۳/۴۳۸.

(۳) لسان العرب: مادة "صرا" ۱۴/۳۷۷.

(۴) غريب الحديث لابي قتيبة: ۱/۱۹.

(۵) تكملة فتح الملهم ۳/۲۱.

کہتے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تقریباً (۱۲۰) اقسام کی کھجوریں ہوتی تھیں، ان میں سے سب سے اعلیٰ قسم کی کھجور عجوۃ ہے، عجوۃ کے علاوہ باقی تمام اقسام کی کھجور کو "لینة" کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ "لینة" ہر قسم کے پھل کو کہتے ہیں۔[1]

(۱۱)

باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة

امت محمدیہ ﷺ کے لئے غنیمت کا مال حلال ہونا

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قوله) عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ :لَا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ قَدْ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا، وَلَمَّا يَبْنِ، وَلَا آخَرُ قَدْ بَنَى بُنْيَانًا، وَلَمَّا يَرْفَعْ سُقُفَهَا، وَلَا آخَرُ قَدِ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ مُنْتَظِرٌ وِلَادَهَا قَالَ: فَغَزَا فَأَدْنَى لِلْقَرْيَةِ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ :أَنْتِ مَأْمُورَةٌ، وَأَنَا مَأْمُورٌ، اللهُمَّ، احْبِسْهَا عَلَيَّ شَيْئًا، فَحُبِسَتْ عَلَيْهِ حَتَّى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ، قَالَ: فَجَمَعُوا مَا غَنِمُوا، فَأَقْبَلَتِ النَّارُ لِتَأْكُلَهُ، فَأَبَتْ أَنْ تَطْعَمَهُ، فَقَالَ: فِيكُمْ غُلُولٌ، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ، فَبَايَعُوهُ، فَلَصِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ :فِيكُمُ الْغُلُولُ، فَلْتُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ، فَبَايَعَتْهُ "، قَالَ " :فَلَصِقَتْ بِيَدِ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ، فَقَالَ :فِيكُمُ الْغُلُولُ، أَنْتُمْ غَلَلْتُمْ ، قَالَ: فَأَخْرَجُوا لَهُ مِثْلَ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ :فَوَضَعُوهُ فِي الْمَالِ وَهُوَ بِالصَّعِيدِ، فَأَقْبَلَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهُ، فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا، ذَلِكَ بِأَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا، فَطَيَّبَهَا لَنَا. (ص ۸۵ سطر ۷ تا ۱۴)

---

(۱) شرح صحیح مسلم للنوویؒ ۲/۸۵۔

تشریح

امتِ محمدیہ کے لئے مالِ غنیمت حلال ہے

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ جو حدیث لائے ہیں، اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پچھلی اُمتوں میں مجاہدین کے لئے مالِ غنیمت کا استعمال حرام تھا، یہ دینِ اسلام کی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ اللہ جلّ شانہ نے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی امت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال فرمایا، اور قرآن شریف میں اس کی حلت کا اظہار فرمایا:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلاً طَيِّبًا (الأنفال ۶۹)

یہ مالِ غنیمت کے حلال ہونے کی دلیل ہے، پچھلی اُمتوں میں مالِ غنیمت حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کو میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے ایک آگ آتی تھی، وہ اس کو جلا کر ختم کر دیتی تھی، چنانچہ اس بارے میں ایک واقعہ بیان فرمایا۔

قوله: وقال رسول الله ﷺ: غزا نبي من الأنبياء.... الخ (ص ۸۵ سطر ۹)

پہلے زمانے کے انبیاء میں سے کسی نبی نے جہاد فرمایا (اس سے مراد حضرت یوشع بن نون [1] علیہ السلام ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب خلیفہ اور اللہ کے نبی تھے) انہوں نے ایک بستی "أریحا" پر حملہ کیا، حملہ کرنے سے پہلے انہوں نے اعلان کیا کہ جس شخص کی بیوی کی عنقریب رخصتی ہونے والی ہو، یا جس شخص کے مکان کی چھت پڑنے والی ہو، یا جسکی اونٹنیاں عنقریب بچے جننے والی ہوں، وہ جہاد میں شریک نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد ایک اہم عمل اور ایک اہم فریضہ ہے، جس کی ادائیگی میں پوری توجہ درکار ہے، اور جس آدمی کو اپنی بیوی کی رخصتی کا انتظار ہو، یا چھت پڑنے کا انتظار ہو، یا اس بات کے انتظار میں ہو کہ اس کی بکریاں اور اونٹنیاں کب بچے دینے والی ہیں تو اس کا دل انہی چیزوں میں اٹکا رہے گا، اور اس اہم فریضے کی طرف اس کی پوری توجہ اور محنت نہیں ہوگی، جو کہ مطلوب ہے، اس لئے ایسے افراد کو جہاد میں جانے سے منع کیا گیا ہے۔

حضراتِ شارحینؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ جہاد فرضِ کفایہ ہو، اور اگر فرضِ عین ہو، تو پھر چاہے دل کہیں اٹکا ہو، یا نہ ہو، اس کو جہاد میں شریک ہونا ضروری ہے، الّا یہ کہ حاکم کسی مصلحت

---

(۱) فتح الباری لابن حجرؒ کتاب فرض الخمس باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "أحلت لكم الغنائم" ۳۸۲/۹ وشرح النووي على صحيح مسلم ۸۵/۲.

سے اس کو کسی اور کام میں لگا دے، تو یہ الگ بات ہے۔ (۱)

حبسِ شمس کا واقعہ

جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے اس بستی پر حملہ کیا، تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا، اور اس بات کا خطرہ ہونے لگا کہ نماز قضاء ہو جائے گی، انہوں نے دعا فرمائی:

"اللّٰهم، احبسها عليّ شيئا، فحُبست عليه، حتى فتح الله عليه"

یا اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر کے لئے روک لیجئے، تاکہ میں جہاد مکمل کرلوں، اور نماز عصر بھی اپنے وقت میں پڑھ لوں، اللہ پاک نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور سورج ٹھہر گیا، یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، اس کے بعد آپ نے عصر کی نماز وقتِ عصر میں ہی ادا فرمائی۔

حضرت یوشع علیہ السلام کی طرح حبسِ شمس کا معجزہ دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام سے بھی ظاہر ہوا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور سرکارِ دو عالم ﷺ۔ آنحضرت ﷺ سے تین موقعوں پر حبسِ شمس اور سورج کا دوبارہ نکلنا منقول ہے:

(۱) ... ایک واقعہ وہ ہے جس میں آپ ﷺ حضرت علیؓ کے گھٹنے یا ران پر سرِ مبارک رکھ کر سو گئے، حتّٰی کہ سورج ڈوب گیا، حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا، آپ ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ! سورج کو دوبارہ نکال دیجئے، چنانچہ آپ ﷺ کی دعا سے سورج دوبارہ نکل آیا، آپ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر سورج دوبارہ غروب ہو گیا۔ (۲)

(۲) ... دوسرا واقعہ غزوۂ خندق کا ہے جس میں کفار نے آپ ﷺ کو عصر کی نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، اس موقع پر بھی آپ ﷺ کی دعا سے سورج دوبارہ نکل آیا، اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ (۳)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۲/۴۶

(۲) اس واقعہ کی پوری تفصیل سیرۃ المصطفیٰ ﷺ میں اس طرح مذکور ہے: اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ خیبر کے قریب مقام صہباء میں تھے، اور سرِ مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا، اور ہنوز حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، حضور نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی، عرض کیا نہیں، حضور اسی وقت دست بدعا ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ علی تیرے رسول کی اطاعت میں تھا، آفتاب کو واپس بھیج دے تاکہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے، اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا، اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں..... (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱/۳۳۲، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ)

(۳) شرح صحیح مسلم للنووی ۲/۸۵۔

(۳) ... تیسرا واقعہ شب معراج سے واپسی کا ہے، معراج سے واپس ہونے کے بعد جہاں آپ ﷺ نے اور بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، وہیں یہ بھی فرمایا کہ میں نے فلاں قافلہ فلاں جگہ پر دیکھا تھا، اور وہ سورج نکلنے تک مکہ مکرمہ پہنچ جائے گا، جب قافلے کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی، تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ! ابھی سورج نہ نکلے، جب قافلہ پہنچ جائے، تب طلوع ہو، اللہ پاک نے آپ ﷺ دعا قبول فرمائی، اور پھر ایسا ہی ہوا، ان تین مواقع پر آپ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا۔ (۱)

حبسِ شمس کی حقیقت

سورج کے ٹھہرنے یا رُک جانے کی اصل حقیقت کیا ہے؟، شارحینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ یہ اپنی منزلوں میں واپس چلا گیا، جیسے چاند کی منزلیں ہیں، سورج کی بھی منزلیں ہیں، وہ صبح سے شام تک اپنی منزلیں طے کرتا ہوا آگے جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ سورج ٹھہر جائے، تو وہ اپنی منزلوں پر واپس آ گیا۔

(۲) ... حبسِ شمس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ سورج اپنی منزلوں میں واپس نہیں آیا، بلکہ جس منزل پر تھا، حکم آنے کے بعد اُسی منزل پر ٹھہر گیا، نہ آگے کی منزل کی طرف بڑھا، اور نہ ہی پیچھے کی منزل کی طرف واپس آیا۔

(۳) ... حبسِ شمس کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہونے کے بعد سورج نے اپنی رفتار آہستہ کر لی، یعنی اپنی معمول کی رفتار سے کم رفتار میں چلنے لگا۔ (۲)

قوله: فقال: فيكم الغلول..... الخ (ص ۸۵ سطر ۱۲)

اس باب میں ایک بات یہ بیان فرمائی کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا حرام ہے، پچھلی اُمتوں کے لئے بھی یہ بات حرام تھی، اور اس آخری اُمت کے لئے بھی حرام ہے، البتہ مالِ غنیمت میں سے خُمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے الگ کر کے باقی چار حصے مجاہدین کیلئے حلال کئے گئے ہیں، لیکن مالِ

(۱) شرح صحیح مسلم للنوویؒ ۲/۸۵۔

(۲) شرح صحیح مسلم للنوویؒ۔ بحوالہ بالا و الدیباج علی صحیح مسلمؒ للسیوطیؒ ۴/۳۲۸ تحت حدیث الباب۔

غنیمت میں سے حاکم کی اجازت کے بغیر کوئی چیز لیکر اپنے لئے خاص کر لینا، یہ مالِ غنیمت میں خیانت ہے، جو کہ حرام د ناجائز ہے، البتہ دورانِ جہاد کھانے پینے کی چیزیں استعمال کرنا جائز ہے، جسکی تفصیل آگے آرہی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۲)

باب الأنفال

(مالِ غنیمت کے احکام)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قال: نَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :أَخَذَ أَبِي مِنَ الْخُمْسِ سَيْفًا، فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:هَبْ لِي هَذَا ، فَأَبَى، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ". (ص ۸۵ سطر ۱۴ تا ۱۶)

تشریح

اس باب کی پہلی حدیث میں حضرت مصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے "خُمس" میں سے ایک تلوار لے لی، یہاں "خمس" سے مراد مطلق مالِ غنیمت ہے، ان کے والد نے سعید بن عاص نامی شخص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی، اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: "هب لي هذا!" حضور! یہ تلوار مجھے عطا فرما دیجئے،

قوله: "فأبى" (ص ۸۵ سطر ۱۵)

آپ ﷺ نے عطا فرمانے سے انکار فرما دیا، آپ ﷺ کے منع فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک آپ ﷺ کو مالِ غنیمت کے بارے میں تصرّف کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا تھا، پھر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (الأنفال: ۱)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ کو مالِ غنیمت میں تصرّف کرنے کا اختیار مل گیا، چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے مصعب بن سعد کے والد حضرت سعد کو بلایا، اوران سے فرمایا: جب تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی، وہ نہ میری تھی، اور نہ تمہاری تھی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب وہ تلوار میری ہوگئی، لہٰذا میں تم

کو دیتا ہوں۔ (۱)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى (الى قوله) مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: نَزَلَتْ فِيَّ أَرْبَعُ آيَاتٍ أَصَبْتُ سَيْفًا، فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، نَفِّلْنِيهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ،نَفِّلْنِيهِ فَقَالَ :ضَعْهُ ، فَقَامَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، نَفِّلْنِيهِ، أَوُجْعَلُ كَمَنْ لَا غَنَاءَ لَهُ؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ضَعْهُ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُ ، قَالَ :فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ:"يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ". (ص ۸۵ سطر ۱۶ ص ۸۶ سطر ۱)

تشریح

حضرت سعدؓ کی سعادت

یہ اس باب کی دوسری حدیث ہے، اس میں حضرت مصعب بن سعد کے والد حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں قرآن مجید میں چار آیات نازل ہوئی ہیں، یعنی میں چار آیتوں کے نازل ہونے کا ذریعہ بنا ہوں، ان میں سے ایک آیت کا ذکر اس حدیث میں ہے، باقی تین آیات اسکے علاوہ ہیں:

جن میں سے ایک آیت وہ ہے، جس میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا ذکر ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (۲)

دوسری آیت وہ ہے، جس میں حرمتِ خمر کا ذکر ہے: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (۳)

تیسری آیت: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ، (۴)

یہ چار آیات ہیں، جن کے نزول کا ذریعہ حضرت مصعب بن سعد کے والد بنے ہیں، جو ان کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے۔

---

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی ۲/۸۵ و سنن ابی داؤد و کتاب الجهاد باب فی النفل رقم الحدیث :۲۷۴۳۔

(۲) سورة العنكبوت:۸

(۳) سورة المائدة :۹۰

(۴) سورة الانعام : ۵۴.

قوله: يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ....الخ (ص ۸۶ سطر ۱)

یہاں پر دو باتیں سمجھنے کی ہیں: ایک تو یہ کہ اس آیت میں "انفال" سے کیا مراد ہے؟ اور دوسری یہ کہ "انفال" کہاں سے ادا کیا جائے گا؟

"انفال" کے معنٰی، اور پانچ اقوال

"انفال"، نفل کی جمع ہے، بعض حضرات نفَل (بفتح الفاء) فرماتے ہیں، اور بعض نفْل (بسکون الفاء) فرماتے ہیں، [1] "انفال" کی تفسیر کے سلسلے میں حضراتِ مفسرینؒ کے پانچ [2] اقوال ہیں:

(۱) ... پہلا قول

پہلا قول یہ ہے کہ "انفال" سے مراد مطلق مالِ غنیمت ہے، اس صورت میں آیت:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ [3] (الاية)

کی رو سے سارا مالِ غنیمت حضور ﷺ کے لئے ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیماً وتکریماً ہے، اصل ملکیت حضور ﷺ کی جتلانا مقصود ہے، اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہوگی، اور اس کے لئے دوسری آیت

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَاغَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ [4]

ناسخ ہوگی، کہ مالِ غنیمت کا خمس اللہ اور اسکے رسول ﷺ کیلئے ہے، باقی چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں۔

(۲) ... دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ "انفال" سے مراد مالِ غنیمت کا خمس ہے، اس صورت میں یہ آیت محکم ہوگی، کیونکہ پھر "انفال" کے معنٰی وہی ہونگے جو "وَاعْلَمُوْا اَنَّمَاغَنِمْتُمْ..... الاية" میں بیان کئے گئے ہیں، گویا "انفال" اور "خمس" دونوں ایک ہی ہوں گے۔

---

(۱) النهاية في غريب الأثر باب النون مع الفاء ۵: ۹۰۲
(۲) تكملة فتح الملهم ۳: ۳۰۳ و ۳۰۵
(۳) سورة الانفال ۱
(۴) سورة الانفال ۴۱

(۳) ... تیسرا قول

تیسرا قول یہ ہے کہ "انفال" سے مراد "مالِ فیئ" ہے، اور "مالِ فیئ" اس مال کو کہتے ہیں، جو جہاد میں دشمن سے لڑے بغیر حاصل ہو۔

"مالِ غنیمت" اور "مالِ فیئ" میں فرق

جہاد میں دشمن سے لڑنے کے بعد جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ مالِ غنیمت ہے، اور جو مال بغیر لڑے حاصل ہو جائے، جیسا کہ وہ مال جو بطورِ صلح کے مل جائے، یا کافر لڑائی کئے بغیر چھوڑ کر بھاگ جائیں، اسے "مالِ فیئ" کہتے ہیں، "مالِ فیئ" میں حضور ﷺ کو تصرّف پورا اختیار حاصل ہے، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے نائبین کو یہ اختیار حاصل ہے، اس میں مجاہدین کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں ان کی محنت شامل نہیں ہوئی، اور نہ ہی ان کو لڑائی کی نوبت آئی، لہٰذا وہ مال حضور ﷺ، اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے نائبین کے تصرّف واختیار میں ہوگا، عام طور پر "مالِ فیئ" بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے، اور وہاں سے عامۃ المسلمین کے مفید کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے۔ (۱)

(۴) ... چوتھا قول

چوتھا قول یہ ہے کہ "انفال" سے وہ مال مراد ہے، جس کو لشکر کا امیر بطورِ انعام کسی مجاہد کو دے، جیسے امیر یہ اعلان کر دے کہ "من قتل قتیلا فله سلبه" جو آدمی جس کو قتل کرے گا، اس مقتول کا سامان اسی مجاہد کو ملے گا، یعنی اس مقتول کا گھوڑا، اس کی سواری، سواری پر موجود ساز وسامان، ہتھیار، اسی طرح مقتول کے جسم پر موجود ساز وسامان اور کپڑے وغیرہ۔

"من قتل قتیلا فله سلبه" کے بارے میں حنفیہ کا مسلک

اگر امیرِ لشکر نے مالِ غنیمت جمع کرنے سے پہلے مذکورہ بالا اعلان کیا، تو مالِ غنیمت جمع کرنے کے بعد سب سے پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے گا، اس کے بعد باقی چار حصّوں کی مجاہدین میں تقسیم سے پہلے اس اعلان پر عمل کیا جائے گا، اور پھر باقی بچ جانے والا مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

اور اگر امیر نے مالِ غنیمت جمع ہونے کے بعد اس کا اعلان کیا، تو پھر یہ "نفل" خمس میں سے ادا کیا جائے گا، باقی چار حصّوں میں سے نہیں، کیونکہ مالِ غنیمت جمع ہونے کے بعد ان چار حصّوں میں

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳/۴۵ ولسان العرب: مادة "غنم" ۱۲/۴۴۵۔

مجاہدین کا حق ثابت اور وابستہ ہو چکا ہے۔[1]

(۵) ... پانچواں قول

پانچواں قول یہ ہے کہ "انفال" سے مراد "انفال السرایا" ہے، "سرایا" "سریة" کی جمع ہے، اس تشریح پہلے گزر چکی ہے کہ "سریة" اس چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں کہ جس میں کم از کم چار سو فوجی ہوں۔[2]

"انفال السرایا" کی تشریح

اس کی تشریح یہ ہے کہ لشکر کے امیر نے کسی چھوٹے فوجی دستے کو دشمن پر حملہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا، اور ان کا ایک امیر بھی مقرر کر دیا، اس "سریة" کو فتح ہوگئی، اور مالِ غنیمت حاصل ہوا، امیرِ لشکر نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم کو فتح حاصل ہوگئی، اور مالِ غنیمت مل گیا، تو خمس نکالنے کے بعد ایک چوتھائی حصہ تمہیں دیا جائے گا، اور باقی عام مالِ غنیمت میں شامل کیا جائے گا۔

یا یہ اعلان کیا کہ تمہیں حاصل ہونے والے کل مال میں سے پہلے ایک چوتھائی تمہیں دیا جائے گا، اور پھر باقی مال میں سے خمس نکال کر بقیہ مال عام مالِ غنیمت میں جمع کر دیا جائے گا، اس کو کہتے ہیں "انفال السرایا" اس کی تفصیل آگے حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آرہی ہے۔

"نفل" کہاں سے دیا جائے گا؟

دوسری بات یہ کہ "نفل" کہاں سے دیا جائے گا؟ اس میں حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ کے اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) ... پہلا قول یہ ہے کہ مطلق مالِ غنیمت سے ادا کیا جائے گا۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ چار بٹہ پانچ میں سے ادا کیا جائے گا، یعنی خُمس نکالنے کے بعد جو چار حصے باقی بچیں گے، ان میں سے دیا جائے گا۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ خُمس کے خُمس سے ادا کیا جائے گا، یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے، اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، پھر ان میں سے

---

(۱) فتح القدیر کتاب السیر فصل فی التنفیل ۱۳/۴۸۔

(۲) شرح النووی: ۲/۸۲۔

ایک حصے سے "نفل" ادا کیا جائے گا، یہ تیسرا قول ان کے نزدیک زیادہ صحیح اور راجح ہے۔[1]

حنفیہ کے نزدیک تفصیل وہی ہے، جو ابھی گزری کہ اگر امیرِ لشکر نے مالِ غنیمت جمع کرنے سے پہلے "نفل" دینے کا اعلان کیا، تو مالِ غنیمت جمع کرنے کے بعد سب سے پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے گا، اس کے بعد باقی چار حصوں کی مجاہدین میں تقسیم سے پہلے اس اعلان پر عمل کیا جائے گا، اور پھر باقی بچ جانے والا مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

اور اگر امیر نے مالِ غنیمت جمع ہونے کے بعد اس کا اعلان کیا، تو پھر یہ "نفل" خمس میں سے ہی دیا جائے گا، باقی چار حصوں میں سے نہیں دیا جائے گا، کیونکہ مالِ غنیمت جمع ہونے کے بعد ان چار حصوں میں مجاہدین کا حق ثابت اور وابستہ ہو چکا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ :قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَأَنَا فِيهِمْ قِبَلَ نَجْدٍ، فَغَنِمُوا إِبِلًا كَثِيرَةً، فَكَانَتْ سُهْمَانُهُمُ اثْنَا عَشَرَ بَعِيرًا، أَوْ أَحَدَ عَشَرَ بَعِيرًا، وَنُفِّلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا .(ص ۸۶ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

اس باب میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بار بار آئی ہے، اس میں مالِ غنیمت میں سے ان کو گیارہ گیارہ، یا بارہ بارہ اونٹ ملے، اور بطورِ "نفل" کے ایک ایک اونٹ ملا، اور یہ "نفل السرية" تھا، یعنی ایک ایک اونٹ بطورِ "نفل" ملنا، ان کے "سرية" میں شرکت کرنے کی وجہ سے تھا، یعنی بڑے لشکر سے چند افراد کو ایک چھوٹے سے دستے کی شکل میں "مقامِ نجد" کی طرف روانہ کیا، وہاں ان کو فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں بہت سے اونٹ مالِ غنیمت میں آئے، امیرِ لشکر کے اعلان کے مطابق ایک ایک اونٹ ان کو بطورِ "نفل" کے دیا، اور پھر باقی اونٹ اجتماعی مالِ غنیمت میں شامل کیے گئے، پھر وہاں سے ہر ایک مجاہد کو گیارہ گیارہ، یا بارہ بارہ اونٹ ملے، اس طرح سے ان کے پاس اگر بارہ تھے، تو تیرہ ہو گئے، اور اگر گیارہ تھے، تو بارہ ہو گئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قال (الى قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى نَجْدٍ، فَخَرَجْتُ فِيهَا، فَأَصَبْنَا

---

(۱) تکملة فتح الملهم: ج۳/۵۵،۵۴۔

إِبِلًا وَغَنَمًا، فَبَلَغَتْ سُهْمَانُنَا اثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا، اثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا، وَنَفَّلَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا بَعِيرًا. (ص ۸۶ سطر ۵ تا ۷)

تشریح

قوله: نفلنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعيرا بعيرا (ص ۸۶ سطر ۶، ۷)

اشکال

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ پہلی حدیث میں "نُفِّلوا" کا لفظ آیا، جس سے ظاہری طور پر پتہ چلتا ہے کہ امیرِ لشکر نے ان کے لئے بطورِ "نفل" ایک ایک اونٹ مقرر کیا، اور آگے حدیث میں "نفلنا رسول الله ﷺ" کا لفظ آیا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو بطورِ "نفل" ایک ایک اونٹ عطا فرمایا تھا، ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جب امیرِ لشکر نے مجاہدین کے لئے ایک ایک اونٹ بطورِ "نفل" مقرر کر دیا، تو آپ ﷺ نے اس کو باقی رکھا، اور اس کو تبدیل نہیں فرمایا، چنانچہ اسی حدیث میں ہے کہ "فلم يغيره رسول الله ﷺ" جب آپ ﷺ نے امیرِ لشکر کے فعل کی تصدیق کر دی، تو گویا یہ آپ ﷺ ہی کا حکم ہو گیا، لہٰذا "نفل" کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہو گیا۔[1] اور مذکورہ اشکال باقی نہ رہا۔

حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، (الى قوله) عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: نَفَّلَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَلًا سِوَى نَصِيبِنَا مِنَ الْخُمُسِ، فَأَصَابَنِي شَارِفٌ، وَالشَّارِفُ :الْمُسِنُّ الْكَبِيرُ. (ص ۸۶ سطر ۱۰ تا ۱۱)

تشریح

قوله: والشارف : المسن الكبير (ص ۸۶ سطر ۱۱)

شارف، بڑی عمر کی بوڑھی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ

---

(۱) تکملة فتح الملهم: ج ۳/۵۳

السَّرَایَا، لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً، سِوَی قَسْمِ عَامَّةِ الْجَیْشِ، وَالْخُمُسُ فِي ذٰلِکَ وَاجِبٌ کُلِّهِ. (ص ۸۶ سطر ۱۳ تا ۱۵)

تشریح

قوله: والخمس في ذلک واجب کله. (ص ۸۶ سطر ۱۴، ۱۵)

اس میں ''کلّه'' تاکید ہے، ''في ذلک'' کی، اس لئے مجرور ہے[1]، مطلب اس کا یہ ہے کہ خُمس، پورے مالِ غنیمت میں واجب ہوتا ہے، (جبکہ امیرِ لشکر نے مالِ غنیمت جمع ہونے سے پہلے ''نفل'' کا اعلان نہ کیا ہو، اگر مالِ غنیمت کے جمع ہونے سے پہلے امیرِ لشکر نے ''نفل'' کا اعلان کیا تھا، تو پھر پہلے ''نفل'' کی ادائیگی ہوگی، اس کے بعد بچ جانے والے مال سے خُمس نکالا جائے گا۔)

(۱۳)

باب استحقاق القاتل سلب القتيل

(قاتل کا مقتول کے سامان کے مستحق ہونے کے احکام)

من قتل قتيلا... الخ کا ارشاد بطورِ حقِ شرع ہے، یا بطورِ انعام؟

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ جو احادیثِ طیبہ بیان فرمارہے ہیں، ان سے یہ ثابت فرمائیں گے کہ ''من قتل قتيلا فله سلبه'' کا حقدار کون ہے؟ یعنی اگر کسی امیرِ لشکر نے ''من قتل قتيلا فله سلبه'' کا اعلان کردیا، تو اتنی بات تو طے ہے کہ مقتول کا ساز و سامان قاتل کو ملے گا، لیکن اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مقتول کا ساز و سامان قاتل کو ملنا، بطورِ انعام کے ہے، یا بطورِ استحقاقِ شرع کے ہے، اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام ثورؒ اور حضرت امام ابو اسحاقؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بطورِ استحقاقِ شرع کے ملے گا، یعنی قاتل، مقتول کے ساز و سامان (سلب) کا شرعاً حقدار ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اس کا حقدار ہوگا، خواہ امیرِ لشکر نے اس کا اعلان بھی نہ کیا ہو۔

اور ائمۂ ثلاثہؒ یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قاتل کو مقتول کا سلب بطورِ انعام کے ملے گا، بطورِ حقِ شرع کے نہیں ملے گا، لہٰذا اس کا

---

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم، ج۲ ص۸۶

اعلان ہوگا تو ملے گا، اور اعلان نہ ہونے کی صورت میں نہ ملے گا۔

اختلاف کی وجہ

ان دونوں جماعتِ اکابرینؒ کا اختلاف حضور ﷺ کی مختلف شانوں کی وجہ سے ہے، آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں تین شانیں جمع ہیں:

(۱) ... آپ ﷺ اللہ کے رسول بھی ہیں۔

(۲) ... آپ ﷺ مسلمانوں کے مفتی بھی ہیں۔

(۳) ... آپ ﷺ امام المسلمین، امیرِ لشکر اور امیرِ مملکت بھی ہیں۔

اس کے بعد سمجھیں کہ بعض باتیں آپ ﷺ بطورِ امام المسلمین ہونے کے بیان فرماتے ہیں۔ اور بعض باتیں بطورِ مفتی ہونے کے بیان فرماتے ہیں۔ اور بعض باتیں بطورِ رسول اور پیغمبر ہونے کے بیان فرماتے ہیں، اب "من قتل قتیلا فله سلبه" کا جملہ ان تین شانوں میں سے کس میں داخل ہے؟

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بحیثیتِ رسول کے ہے، اور بحیثیتِ رسول کے جو کچھ بھی آپ ﷺ فرمائیں گے، وہ شریعت ہوگی، لہٰذا مقتول کے سلب کا قاتل کے لئے ہونا قاتل کا حق شرعی ہوگا، لہٰذا قیامت تک یہی حکم رہے گا۔

اور ائمۂ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا "من قتل قتیلا فلبه سلبه" فرمانا بحیثیتِ امام المسلمین کے ہے، نہ کہ بحیثیتِ رسول اور پیغمبر کے، لہٰذا قاتل کے لئے مقتول کا سلب بطورِ انعام کے ہوگا، قاتل کا اس پر کوئی شرعی حق نہیں ہوگا۔ (۱)

حنفیہ کے تین دلائل

حنفیہ اس سلسلے میں تین دلیلیں دیتے ہیں:

پہلی دلیل

آپ ﷺ کا "من قتل قتیلا فلبه سلبه" فرمانا، بحیثیتِ امام المسلمین کے ہے، نہ کہ بحیثیتِ رسول اور پیغمبر ہونے کے۔ جس میں سے پہلی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن شقیقؒ سے

---

(۱) تکملة فتح الملهم، ج ۳/ ۶۱،۶۳

مروی ہے، جو "عن رجل من بلقین" کہہ کر روایت فرماتے ہیں کہ میں وادیٔ قریٰ میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا کہ حضور! "لمن المغنم؟" مالِ غنیمت کس کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خُمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں۔

میں نے کہا کہ اس میں کسی اور کا بھی کوئی حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، چاہے تم اپنے برابر سے تیر بھی اٹھاؤ، تب بھی اس میں تمہارے دوسرے بھائیوں کا اتنا ہی حق ہے، جتنا کہ تمہارا حق ہے۔(1)

اگر آپ ﷺ کا قول "من قتل قتیلا فله سلبه" کے تحت مقتول کا سلب شرعی حق ہوتا، تو آپ ﷺ وضاحت فرمادیتے کہ جس طرح چار حصے مجاہدین کا حق ہیں، اسی طرح سلب بھی مجاہدین کا حق ہے، لیکن آپ ﷺ نے سوال کرنے کے باوجود اس کو بیان نہیں فرمایا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "من قتل قتیلا فله سلبه" کے تحت ملنے والا سلب شرعی حق نہیں ہے۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل حضرت عوف بن مالکؓ کی حدیث ہے، جو آگے آرہی ہے، اس حدیث میں ہے کہ ایک مجاہد نے قومِ حمیر کے ایک کافر کو قتل کیا، اس کافر کا سامان نہایت قیمتی اور بہت زیادہ تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ امیرِ لشکر تھے، انہوں نے مقتول کا "سلب" قاتل کو دینے سے انکار کیا، حضرت مالک بن عوفؓ نے جب اعتراض کیا کہ آپ کیوں نہیں دے رہے؟ جبکہ "من قتل قتیلا فله سلبه" کے تحت مجھے اس کے لینے کا حق ہے، تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا کہ یہ بہت زیادہ ہے، اس لئے غنیمت میں شامل ہوگا۔

آخر کار معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے صورتحال معلوم کرنے کے بعد وہ سلب حضرت خالد بن ولیدؓ سے لیکر اس حمیری مجاہد کو دلوادیا، جب ان مجاہد کو اتنا سارا مال مل گیا، اور وہ اسے لیکر حضرت خالد بن ولیدؓ کے قریب سے گزرے، تو انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے بارے میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیے، جن کا حضور ﷺ کو علم ہوگیا، آپ ﷺ نے حضرت خالد بن

(1) مجمع الزوائد باب فیما بنی علیه السلام، رقم الحدیث: ۱۳۳۰ و مسند ابی یعلی الموصلی حدیث رجل من بلقین، رقم الحدیث: ۷۰۴۲۔

ولیدؓ کو حکم دیا کہ اس سے "سلب" واپس لے لو، کہ اچھا اچھا ان کا اور خراب خراب ہمارا۔

دیکھئے! اگر یہ حقِ شرع ہوتا، تو آپ ﷺ نہ واپس لیتے، اور نہ واپس دلواتے، معلوم ہوا کہ یہ بطورِ انعام کے تھا، اور بطورِ انعام کے دی ہوئی چیز واپس لی جاسکتی ہے۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل بھی وہ حدیث ہے جو عنقریب اِسی باب میں آرہی ہے کہ غزوۂ بدر میں ابوجہل کو حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے دو بیٹوں نے قتل کیا، ایک روایت کے مطابق دونوں کا نام معاذ تھا، اور دوسری روایت کے مطابق ایک کا نام معوذ، اور دوسرے کا نام معاذ تھا، لیکن آپ ﷺ نے ابوجہل کا "سلب" معاذ بن عمرو بن جموحؓ کو دیا، دوسرے بھائی کو نہیں دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنگ ختم ہونے کے بعد حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب ابوجہل کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، تو دیکھا کہ وہ زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے، اور مرنے کے قریب ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سرتن سے جدا کردیا، تو آپ ﷺ نے ابوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے فرمائی، حالانکہ وہ تو قتل میں شریک ہی نہیں تھے، معلوم ہوا کہ مقتول کے "سلب" کا قاتل کو ملنا بطورِ انعام کے ہے، حاکم اپنی صوابدید سے قاتل کے علاوہ کسی اور کو بھی دے سکتا ہے۔

اور ایک دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ[1]

اگر ان احادیث سے یہ ثابت ہو کہ "من قتل قتیلا فله سلبه" کے تحت مقتول کے "سلب" کا قاتل کو ملنا، بطورِ حق شرع کے ہے، تو اس طرح اخبارِ آحاد سے آیت مذکورہ بالا میں کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی لازم آئے گی، جو کہ جائز نہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان "من قتل قتیلا فله سلبه" یہ بحیثیت امام المسلمین کے ہے، نہ کہ بحیثیتِ شارع کے، لہٰذا جب امیر کی طرف سے اعلان ہوگا، تو قاتل کو مقتول کا "سلب" ملے گا، اعلان نہیں ہوگا، تو نہیں ملے گا۔

(۱) سورۃ الانفال آیت ۴۱۔

حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قوله) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ :خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ، فَلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ، قَالَ :فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَاسْتَدَرْتُ إِلَيْهِ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ، فَضَرَبْتُهُ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ، وَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِي ضَمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ، ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ، فَأَرْسَلَنِي، فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَقَالَ :مَا لِلنَّاسِ؟ فَقُلْتُ :أَمْرُ اللهِ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا وَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ، فَلَهُ سَلَبُهُ ، قَالَ :فَقُمْتُ، فَقُلْتُ :مَنْ يَشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ، ثُمَّ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَقَالَ :فَقُمْتُ، فَقُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ، ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ الثَّالِثَةَ، فَقُمْتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ؟ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: صَدَقَ يَا رَسُولَ اللهِ، سَلَبُ ذٰلِكَ الْقَتِيلِ عِنْدِي، فَأَرْضِهِ مِنْ حَقِّهِ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ :لَا هَا اللهِ، إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أُسْدِ اللهِ، يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَعَنْ رَسُولِهِ فَيُعْطِيكَ سَلَبَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ، فَأَعْطِهِ إِيَّاهُ ، فَأَعْطَانِي، قَالَ :فَبِعْتُ الدِّرْعَ، فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلِمَةَ، فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ، وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :كَلَّا لَا يُعْطِيهِ، أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدَعُ أَسَدًا مِنْ أُسْدِ اللهِ .(ص ۸۶ سطر ۱۷ تا ص ۸۷ سطر ۶)

تشریح

قوله: كانت للمسلمين جولة.(ص ۸۶ سطر ۱۹)

”جولة“ چلنے کی اس حالت کو کہتے ہیں کہ جس میں آدمی کبھی دائیں کبھی بائیں ہوکر چلے، اس سے مراد شکست وہزیمت ہے، لیکن یاد رکھیے! غزوۂ حنین میں شکست وہزیمت پورے لشکر اسلام کو نہیں ہوئی تھی (۱)، مکہ مکرمہ سے دو ہزار کے قریب نومسلم بھی اس جنگ میں شریک تھے، جنہوں نے ابھی تک کسی اسلامی

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم، ج۲ ص ۸۷

جہاد میں شرکت نہیں کی تھی، اور لڑائی کے فن اور حضور ﷺ کی جہاد کے بارے میں بیشتر تعلیمات سے بے خبر تھے، جبکہ مسلمانوں کے مقابلے میں ''قومِ ہوازن'' بڑی جنگجو اور مستحکم قوم تھی، جس کو تیراندازی اور دیگر فنونِ حرب میں خاصی مہارت تھی، لہٰذا جب دشمن نے تیروں کی بارش کی، تو انکے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرامؓ اپنی جگہ سے نہیں ہلے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس جزوی شکست کو فتح میں تبدیل فرمادیا۔

حضرت ابوقتادہؓ کا واقعہ

قوله: فرأيت رجلا من المشركين قد علا رجلا من المسلمين الخ
(ص۸۶ سطر ۱۹)

حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مشرک کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان کو قتل کرنے کے لئے اس پر چڑھا ہوا ہے، تو میں پیچھے سے اس کے طرف گھوما، اور اس کے کندھے کے پٹھے پر تلوار ماری ''حبل'' رسّی کو کہتے ہیں، اور ''عاتق'' کندھے کو کہتے ہیں ''حبل عاتقه'' سے مراد کندھے کا پٹھا ہے۔ (۱)

قوله : '' واقبل عليّ فضمّني ضمّة وجدت منها ريح الموت''
(ص۸۷ سطر ۱)

فرماتے ہیں کہ وہ مشرک اس مسلمان کو چھوڑ کر میری طرف آیا، اور اس نے مجھے اتنی زور سے بھینچا کہ جس سے مجھے موت اپنے سامنے محسوس ہوئی، لیکن اتنے میں وہ مر گیا، اور میری جان چھوٹ گئی، حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا کہ لوگوں کو کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ اللہ کا حکم ایسے ہی تھا۔

قوله: وجلس رسول الله ﷺ ، فقال : من قتل قتيلا،له عليه بيّنة، فله سلبه. **(ص۸۷ سطر ۲)**

حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کافر کو قتل کیا، اور اس کے پاس اس قتل کے گواہ بھی ہیں، تو مقتول کا ''سلب'' اس کے لئے ہے، چونکہ حضرت ابوقتادہؓ نے اس کافر کو قتل کیا تھا، لہٰذا آپ نے تین مرتبہ لوگوں سے پوچھا: **من يشهد لي؟** میں نے فلاں کو قتل کیا، اس

---

(۱) شرح النووی: ج۲/۸۷، وتکملۃ فتح الملہم: ج۳/۵۹

پر میرا گواہ کون ہے؟، لیکن لوگوں کی طرف سے کوئی بھی ان کی گواہی کے لئے نہیں آیا، یہ صورتحال دیکھ کر آپ ﷺ نے حضرت ابوقتادہؓ سے دریافت فرمایا کہ اے ابوقتادہ! تمہارا کیا معاملہ ہے؟ جس پر ابوقتادہؓ نے سارا معاملہ حضور ﷺ سے بیان فرمادیا۔

قولہ: فقال رجل من القوم (ص۸۷ سطر۴)

"رجل من القوم" سے مراد "عبداللّٰه بن أنيس" ہیں، یا "اسود بن خزاعی" ہیں، بہرحال دونوں قول ہیں[1]، ان دونوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! ابوقتادہؓ سچ کہتے ہیں، انہوں نے فلاں مشرک کو قتل کیا، اور اس مشرک کا "سلب" میرے پاس ہے، لیکن آپ ﷺ ان کو ان کے حق سے راضی فرمادیجئے، اور یہ "سلب" میرے پاس رہنے دیجئے۔

قولہ: وقال ابوبکر الصديق: لا ها الله إذاً. (ص۸۷ سطر۴)

ان کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! آپ ﷺ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حمایت میں لڑنے والے بہادروں میں سے کسی بہادر کا "انعام" کسی اور کو دینے کا ارادہ نہیں فرمائیں گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر نے سچا کہا، اور پھر آپ نے وہ "سلب" ابوقتادہؓ کو دے دیا۔

قولہ: فبعت الدرع الخ (ص۸۷ سطر۵)

حضرت ابوقتادہؓ کی برادری بنوسلمہ تھی[2] "سلب" میں ملنے والی ایک ذرع بیچ کر انہوں نے اپنی برادری میں ایک باغ خریدا، مخرف (بفتح الميم والراء) باغ کو کہتے ہیں،[3] اندازہ لگایئے کہ وہ ذرع کس قدر قیمتی تھی! فرماتے ہیں: " فانه لأول مال تأثلته في الاسلام" کہ اسلام لانے کے بعد وہ میرا سب سے پہلا باغ تھا۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم: ج۳/۵۹

(۲) حضرت ابوقتادہ بن ربعی الانصاری رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام حارث تھا اور کئی حضرات نے فرمایا کہ آپ کا نام نعمان تھا، اس کے علاوہ بھی آپ کے کئی نام ذکر کئے گئے ہیں، آپ کی ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "خیر فرساننا" (بہترین شہسوار) کا لقب عطا فرمایا، آپ کی وفات علامہ واقدیؒ کے مطابق (۷۰) سال کی عمر میں ۵۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: الاصابة في معرفة الصحابة، حرف القاف، القسم الاول ۳/۳۸۵، ۳۸۶۔

(۳) الديباج على صحيح مسلم للسيوطي ۴/۳۵۴ تحت حديث الباب۔ والفائق في غريب الحديث والاثر مادة "الخاء مع الراء" ۱/۱۱۶

قوله: وفي حديث الليث: فقال ابوبكر: كلا! لايعطيه أصيبغ من قريش

(ص۸۷ سطر ۵)

''اضیبع'' یہ ''ضبع'' کی خلافِ قیاس تصغیر ہے[۱]، اور ''ضبع'' کا معنیٰ ہے: لومڑی، حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ مقتول کا ''سلب'' قریش کی ایک چھوٹی سی لومڑی کو دیں، اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو محروم کردیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ '' اصیبغ'' سے ہے، یہ '' صبغة'' کی تصغیر ہے، اور ''صبغة'' کے دو معنیٰ آتے ہیں: ایک معنیٰ پرندہ، اور دوسرے معنیٰ کمزور گھاس[۲]، مطلب یہ ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سلبِ مقتول ایک پرندے کی طرح کمزور، اورخشک گھاس کی طرح ضعیف آدمی کو دے دیا جائے، اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو محروم رکھا جائے، لہٰذا جس نے بہادری کے ساتھ اس مشرک کو قتل کیا ہے، اس کا سلب اسی کو ملنا چاہئے۔

حضرت معاذ ومعوذ رضی اللہ عنہما کا ابوجہل کو قتل کرنے کا واقعہ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ قَالَ :بَيْنَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ، نَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي، فَإِذَا أَنَا بَيْنَ غُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ حَدِيثَةٍ أَسْنَانُهُمَا، (الى قوله) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا، قَالَ :فَتَعَجَّبْتُ لِذَلِكَ، فَغَمَزَنِي الْآخَرُ، فَقَالَ :مِثْلَهَا، قَالَ :فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَزُولُ فِي النَّاسِ، فَقُلْتُ :أَلَا تَرَيَانِ؟ هَذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي تَسْأَلَانِ عَنْهُ، قَالَ :فَابْتَدَرَاهُ فَضَرَبَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا حَتَّى قَتَلَاهُ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَاهُ، فَقَالَ :أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟ فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا :أَنَا قَتَلْتُ، فَقَالَ :هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟ قَالَا :لَا، فَنَظَرَ فِي السَّيْفَيْنِ، فَقَالَ :كِلَاكُمَا قَتَلَهُ، وَقَضَى بِسَلَبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ، وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ، وَمُعَاذُ بْنُ

---

(۱) الديباج على صحيح مسلم للسيوطي ۳۵۴/۴ تحت حديث الباب۔

(۲) النهاية في غريب الأثر مادة "صبغ" باب الصاد مع الباء: ۱۰/۳۔

عَفْرَاءَ. (ص۸۷ سطر ٦ الیٰ ص۸۸ سطر ۳)

تشریح

قوله: لا يفارق سوادي سواده الخ (ص۸۷ سطر ۱۰)

"سوادی سواده" کے معنیٰ ہیں: **شخصي شخصه**(۱)، ان دونوں لڑکوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ انہوں نے ابوجہل کو ایک جگہ دیکھ کر ان دونوں کو بتایا۔

قوله: فابتدراه (ص۸۸ سطر ۱)

یہ دونوں اسکی طرف لپکے، اور جاتے ہی اپنی تلواروں سے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم میں سے کس نے ابوجہل کو قتل کیا؟ ہر ایک نے کہا کہ اس نے قتل کیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "**هل مسحتما سيفيكما**" کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کرلیں؟، انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے ان کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا: "**كلاكما قتله**" تم دونوں نے قتل کیا، آپ ﷺ کا یہ فرمانا ان کی دلجوئی کے لئے تھا، ورنہ ان دونوں میں سے اصل قاتل حضرت **معاذ بن عمرو بن جموح**ؓ تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے ابوجہل کا "سلب" ان کو دلوایا۔(۲)

قوله: والرجلان معاذ بن عمرو بن الجموح، ومعاذ بن عفراء.

(ص۸۸ سطر ۲، ۳)

غزوۂ بدر میں ابوجہل کو قتل کرنے والے دو لڑکوں میں سے ایک کا نام "**معاذ بن عمرو بن جموح**(۳)" اور دوسرے کا نام "**معاذ بن عفراء**(۴)" تھا، دراصل حضرت عفراء رضی اللہ تعالیٰ

---

(۱) شرح النووي على صحيح مسلم ج۲ ص۸۸

(۲) شرح النووي على صحيح مسلم ج۲ ص۸۸

(۳) حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری صحابی ہیں، بیعتِ عقبہ میں شامل تھے اور غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں بھی شریک تھے، ان کے والد حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی غزوہ احد میں شریک تھے اور اسی غزوہ میں ان کی شہادت ہوئی، البتہ حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا (ماخذہ: الاستيعاب في معرفة الأصحاب ۱/۴۴۴)

(۴) حضرت معاذ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انصاری صحابی ہیں یہ حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، ان دونوں کی والدہ کا نام عفراء بنت عبید بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، علامہ واقدیؒ نے فرمایا کہ معاذ بن حارثؓ ان حضرات انصار میں سے تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ جا کر سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔ (ماخذہ: الاستيعاب في معرفة الأصحاب ۱/۴۴۴)

عنہا[1] نے دو نکاح کیے تھے، ایک نکاح "حارث" سے ہوا تھا، ان سے ایک بیٹا معاذ ہے، اور ایک نکاح "عمرو بن جموح" سے ہوا، ان سے بھی ان کے ہاں بیٹا ہوا، اس کے نام کے بارے میں دو قول ہیں: بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام بھی "معاذ" تھا، بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ اس کا نام "معوّذ" تھا، تو ابوجہل کے اصل قاتل یہ دوسرے صاحبزادے یعنی "معاذ بن عمرو بن جموحؓ" تھے۔[2]

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الی قوله) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ حِمْيَرَ رَجُلًا مِنَ الْعَدُوِّ، فَأَرَادَ سَلَبَهُ، فَمَنَعَهُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَكَانَ وَالِيًا عَلَيْهِمْ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ، فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ لِخَالِدٍ :مَا مَنَعَكَ أَنْ تُعْطِيَهُ سَلَبَهُ؟ قَالَ :اسْتَكْثَرْتُهُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ :ادْفَعْهُ إِلَيْهِ ، فَمَرَّ خَالِدٌ بِعَوْفٍ، فَجَرَّ بِرِدَائِهِ، ثُمَّ قَالَ :هَلْ أَنْجَزْتُ لَكَ مَا ذَكَرْتُ لَكَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتُغْضِبَ، فَقَالَ :لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ. لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ، هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي أُمَرَائِي؟ إِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُهُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتُرْعِيَ إِبِلًا، أَوْ غَنَمًا، فَرَعَاهَا، ثُمَّ تَحَيَّنَ سَقْيَهَا، فَأَوْرَدَهَا حَوْضًا، فَشَرَعَتْ فِيهِ فَشَرِبَتْ صَفْوَهُ، وَتَرَكَتْ كَدْرَهُ، فَصَفْوُهُ لَكُمْ، وَكَدْرُهُ عَلَيْهِمْ. (ص ۸۸ سطر ۳ تا ۷)

تشریح

قوله: فَصَفْوُهُ لَكُمْ، وَكَدْرُهُ عَلَيْهِم. (ص ۸۸ سطر ۷)

"صفو" کے معنی ہیں: خالص[3] اور صاف، اور "کدر" کے معنی ہیں: خراب اور گدلا،[4] ماقبل میں حنفیہ کی دلیل کے طور پر اس حدیث کا ذکر ہو گیا ہے۔

---

(۱) حضرت عفراء بنت عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہا انصاری صحابیہ ہیں، ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے سات حضرات نے غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی، حضرت عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ۱۴ھ میں ہوا۔ (ماخذہ: الاصابة ٤: ٣٠٠ و المنتظم: ۱/۲۸۳)

(۲) عمدة القارى كتاب الجهاد باب من لم يخمس الأسلاب ١٦٠/ ٣١٨ و ٣١٩ ومرقاة المفاتيح كتاب الجهاد باب قسمة الغنائم والعقول فيها ١٢ / ٢٢٢.

(۳) شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۸

(۴) تاج العروس مادہ "کدر" ج ۱ ص ۳۴۴۶

غزوہ مُوتہ کا واقعہ

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ مَنْ خَرَجَ مَعَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فِي غَزْوَةِ مُؤْتَةَ، وَرَافَقَنِي مَدَدِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْحَدِيثِ :قَالَ عَوْفٌ :فَقُلْتُ :يَا خَالِدُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالسَّلَبِ لِلْقَاتِلِ، قَالَ :بَلَى، وَلَكِنِّي اسْتَكْثَرْتُهُ. (ص ۸۸ سطر ۷ تا ۱۰)

تشریح

قوله: قال: خرجت مع من خرج مع زيد بن حارثة في غزوة مؤتة،الخ

(ص۸۸سطر ۸ تا ۹)

غزوۂ مُوتہ ۸ھ میں ہوا، اور آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو تین ہزار کے لشکر پر امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا، جبکہ مقابلے میں ایک لاکھ دشمن تھے، اس غزوہ میں یکے بعد دیگرے کئی امراء مقرر کیے گئے، حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہو گئے، آخر میں حضرت خالد بن ولیدؓ امیر لشکر مقرر ہوئے، اس غزوہ میں ان کی آٹھ تلواریں ٹوٹیں، اور دشمن کی صفوں کی صفیں آپؓ نے لپیٹ کر رکھ دیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

اردن میں "مُوتہ" کا مقام آج بھی موجود ہے، جہاں الحمدللہ! ایک "جامعة مُوتة" بھی قائم ہے، اور "غزوۂ مُوتہ" میں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ کے مزارت بھی وہاں پر ہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) حَدَّثَنِي أَبِي سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ، فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ، فَأَنَاخَهُ، ثُمَّ انْتَزَعَ طَلَقًا مِنْ حَقَبِهِ، فَقَيَّدَ بِهِ الْجَمَلَ، ثُمَّ تَقَدَّمَ يَتَغَدَّى مَعَ الْقَوْمِ،

(۱) تکملہ فتح الملہم ج ۳/ ۶۸، ۶۹

وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِينَا ضَعْفَةٌ وَرِقَّةٌ فِي الظَّهْرِ، وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ، إِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ، فَأَتَى جَمَلَهُ، فَأَطْلَقَ قَيْدَهُ ثُمَّ أَنَاخَهُ، وَقَعَدَ عَلَيْهِ، فَأَثَارَهُ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ، فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ وَرْقَاءَ، قَالَ سَلَمَةُ: وَخَرَجْتُ أَشْتَدُّ فَكُنْتُ عِنْدَ وَرِكِ النَّاقَةِ، ثُمَّ تَقَدَّمْتُ حَتَّى كُنْتُ عِنْدَ وَرِكِ الْجَمَلِ، ثُمَّ تَقَدَّمْتُ حَتَّى أَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَأَنَخْتُهُ، فَلَمَّا وَضَعَ رُكْبَتَهُ فِي الْأَرْضِ اخْتَرَطْتُ سَيْفِي، فَضَرَبْتُ رَأْسَ الرَّجُلِ، فَنَدَرَ، ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ أَقُودُهُ عَلَيْهِ رَحْلُهُ وَسِلَاحُهُ، فَاسْتَقْبَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ، فَقَالَ: مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ؟ قَالُوا: ابْنُ الْأَكْوَعِ، قَالَ: لَهُ سَلَبُهُ أَجْمَعُ-(ص۸۸ سطر ۱۰ تا ص ۸۹ سطر ۲)

تشریح

قوله: حدثنی أبی سلمة بن الأكوع،الخ (ص۸۸ سطر ۱۱)

حضرت سلمة بن اکوعؓ صحابہ کرامؓ میں سے وہ صحابی ہیں، جو "دوڑنے کے امام" تھے، ان کے برابر کوئی دوڑنے والا نہیں تھا، دوڑ کر گھوڑوں سے آگے نکل جاتے تھے [۱]، اس حدیث میں "قبیلۂ ہوازن" سے جنگ کے دوران ان کا ایک قصہ ذکر ہوا ہے، جس سے کئی طرح احکام ثابت ہوتے ہیں، جن کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آجائے گی، پہلے اس حدیث اور اس کے مشکل الفاظ کی تشریح سمجھ لیں۔

حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح

"نتضحی" یہ ضَحاء سے ہے، جس کے معنی چاشت کے وقت کے ہیں، اور "نتضحی" کے معنی ہیں: ہم ناشتہ کررہے تھے [۲]۔ "طلقا" چمڑے کی رسی کو کہتے ہیں۔ [۳] "حقب" اس رسی

(۱) حضرت سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت نبی کریم ﷺ کے دست [illegible] پر بیعت کی تھی غزوہ ذی قرد میں حضرت نبی کریم ﷺ نے آپ کو "خیر رجالتنا" کا لقب عطا فرمایا، آپ نے کئی غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ [illegible] آپ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا، آپ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: اسد الغابة: ۲/۴۶۱، الاصابة فی معرفة [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible] ۴۲۹

کو کہتے ہیں، جو اونٹ کے پیٹ پر باندھی جاتی ہے[1]، ایک آدمی سرخ اونٹ پر آیا، اور اس نے اونٹ کو بٹھا کر اس کے پیٹ پر رسی باندھی۔ ''وفینا ضَعْفَةٌ و رِقَّةٌ فی الظُّهر'' اور ہمارے پاس سواریوں کی کچھ کمی تھی، اور خود ہماری حالت بھی کمزور تھی۔ ''یشتد'' ''یعدو'' کے معنٰی میں ہے، اچانک وہ آدمی دوڑنے لگا، اور دوڑ کر اپنے اونٹ کے پاس گیا۔ ''فأثاره، فاشتدّ به الجمل''، اونٹ کو بٹھا کر اس پر بیٹھ گیا، اور پھر وہ اونٹ اس کو لیکر دوڑنے لگا۔ ''ناقة ورقاء'' خاکی رنگ کی اونٹنی، اصل میں '' ورقاء'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں، جس میں سیاہ اور سفید دونوں رنگ ہوں، اور سیاہ وسفید مل کر لگ بھگ خاکی رنگ ہی بن جاتا ہے،[2] ایک صاحب خاکی رنگ کی اونٹنی پر اس سرخ اونٹ والے کے پیچھے نکلے۔

حضرت سلمة بن اکوعؓ فرماتے ہیں: میں نے دوڑنا شروع کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے پہلے تو میں نے اپنے خاکی رنگ کی اونٹنی والے ساتھی کو پیچھے چھوڑا، پھر آن کی آن میں اس سرخ اونٹ والے آدمی کو جا پکڑا، یہاں تک کہ میں نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو نیچے بٹھایا۔

''اخترطت سیفی'' میں نے اپنی تلوار کھینچی[3]، اور اس آدمی کے سر پر دے ماری۔

''فندر'' تلوار کے وار سے وہ نیچے گر گیا، اور مر گیا، میں اس اونٹ کو لیکر اس مقتول کے ہتھیار اور ساز وسامان کے ساتھ واپس آ گیا، لوگوں نے حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس کو ابن الاکوع نے قتل کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''له سلبه أجمع'' اس مقتول کا سارا سلب ابن الاکوع کے لئے ہے۔

جاسوس کا حکم اور جاسوس کی تین قسمیں

دراصل یہ شخص جاسوس بن کر آیا تھا، اس حدیث سے جاسوس کا حکم معلوم ہوا کہ اس کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے۔

جاسوس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... حربی جاسوس

(۲) ... ذمی جاسوس

---

(۱) لسان العرب تحت "حقب": ۱/۳۲۴

(۲) لسان العرب تحت مادہ "ورق": ۱۰/۳۷۴

(۳) شرح النووی علی صحیح مسلم: ج۲ص۸۹

(۳) ... مسلمان جاسوس

اگر جاسوس حربی ہے، تو ایسی صورت میں بالاجماع اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

اور اگر جاسوس ذمّی ہے، تو اس میں اختلاف ہے، حضرت امام مالک اور حضرت امام اوزاعی رحمهما الله فرماتے ہیں کہ اس کا عقدِ ذمّہ ختم ہو جائے گا، اور حاکم کو اختیار ہوگا، چاہے اسے قتل کر دے، چاہے اسے غلام بنالے، جبکہ دیگر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اسکا عقدِ ذمّہ ختم نہیں ہوگا، البتہ اسکو سزا دی جائیگی۔

اور اگر جاسوس مسلمان ہے، تو پھر حضراتِ جمہورؒ یہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے تعزیراً جو سزا مناسب ہو، وہ دی جائے گی، اور آج کل عقدِ ذمّہ میں صراحۃً تو یہ بات مذکور نہیں ہوتی کہ تم جاسوسی وغیرہ نہیں کروگے، لیکن دلالۃً یہ بات سمجھی جاتی ہے۔ (۱)

(۱۴)

باب التنفيل، وفداء المسلمين بالأسارى

(انعام دے کر مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے احکام)

غزوۂ بنی فزارۃ

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کافر قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے چھڑانے کے فدیہ میں دینا جائز ہے، یہاں غزوۂ بنی فزارۃ کا واقعہ بیان کیا ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ اپنے احباب کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملکِ شام تشریف لے جا رہے تھے، جب وہ "وادیٔ قریٰ" پہنچے، تو وہاں بنو فزارۃ کے کچھ لوگوں نے ان کو مارا، اور اتنا مارا کہ دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مر گئے ہیں، چنانچہ وہ انہیں مردہ سمجھ کر ان کا سارا مال واسباب لیکر بھاگ گئے، لیکن یہ زندہ تھے، اور شدید زخمی حالت میں تھے، چنانچہ حضرت زید بن حارثہؓ واپس مدینہ منورہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ کو سارا واقعہ سنایا، آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کا امیر مقرر کیا، اور بنو فزارۃ پر حملہ کرنے کے لئے ان کو روانہ کیا، حضرت زید بن حارثہؓ بھی ان کیساتھ تھے، رمضان ۶ھ میں یہ واقعہ پیش آیا، بعض حضرات

(۱) اكمال المعلم شرح صحيح مسلم تحت هذا الحديث ۲/۳۵، وشرح النووي على صحيح مسلم ۲/۸۸، ۸۹

اس کو غزوہ زید بن حارثہؓ کا نام بھی دیتے ہیں، کیونکہ حضرت زید بن حارثہؓ کی وجہ سے ہی یہ غزوہ ہوا، اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے امیر بھی حضرت زید بن حارثہؓ ہی تھے، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ امیر لشکر حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی تھے، اور حضرت زید بن حارثہؓ انکو راستہ بتانے والے تھے۔

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ :غَزَوْنَا فَزَارَةَ وَعَلَيْنَا أَبُو بَكْرٍ، أَمَّرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا كَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمَاءِ سَاعَةٌ، أَمَرَنَا أَبُو بَكْرٍ فَعَرَّسْنَا، ثُمَّ شَنَّ الْغَارَةَ، فَوَرَدَ الْمَاءَ، فَقَتَلَ مَنْ قَتَلَ عَلَيْهِ، وَسَبَى، وَأَنْظُرُ إِلَى عُنُقٍ مِنَ النَّاسِ فِيهِمُ الذَّرَارِيُّ، فَخَشِيتُ أَنْ يَسْبِقُونِي إِلَى الْجَبَلِ، فَرَمَيْتُ بِسَهْمٍ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْجَبَلِ، فَلَمَّا رَأَوُا السَّهْمَ وَقَفُوا، فَجِئْتُ بِهِمْ أَسُوقُهُمْ وَفِيهِمِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ عَلَيْهَا قَشْعٌ مِنْ أَدَمٍ -قَالَ :الْقَشْعُ :النِّطَعُ -مَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا مِنْ أَحْسَنِ الْعَرَبِ، فَسُقْتُهُمْ حَتَّى أَتَيْتُ بِهِمْ أَبَا بَكْرٍ، فَنَفَّلَنِي أَبُو بَكْرٍ ابْنَتَهَا، فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا، فَلَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ، فَقَالَ :يَا سَلَمَةُ، هَبْ لِي الْمَرْأَةَ، فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، وَاللهِ لَقَدْ أَعْجَبَتْنِي وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا، ثُمَّ لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَدِ فِي السُّوقِ، فَقَالَ لِي :يَا سَلَمَةُ، هَبْ لِي الْمَرْأَةَ لِلَّهِ أَبُوكَ، فَقُلْتُ :هِيَ لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَوَاللهِ مَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا، فَبَعَثَ بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ، فَفَدَى بِهَا نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا أُسِرُوا بِمَكَّةَ.(ص ۸۹ سطر ۲ تا ۹)

تشریح

حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح

قوله: فلما كان بيننا و بين الماء ساعة (ص ۸۹ سطر ۴)

"ماء" کے ایک معنٰی ہیں: پانی، اس وقت اس سے مراد وہ پانی ہوگا، جہاں بنو فزارة آباد تھے۔ اور "ماء" کے دوسرے معنٰی چھوٹی بستی اور چھوٹی آبادی کے آتے ہیں، اس صورت میں اس

سے مراد وہ جگہ ہے، جہاں بنو فزارۃ آباد تھے۔[۱] "ثم شنّ الغارة"، شنّ یَشُن شناً کے معنٰی ہیں: بہانا، اس سے مراد حملہ کرنا ہے۔[۲]

قوله: عنق من الناس (ص ۸۹ سطر ۷)

"عُنُق" کے معنٰی جماعت کے ہیں۔[۳]

قوله: "وفيهم امرأة من بني فزارة" (ص ۸۹ سطر ۵)

ان میں بنو فزارۃ کی ایک عورت تھی، جس پر چمڑے کی پوستین تھی۔ 'القشع' پوستین، چمڑے کی واسکٹ۔

اور اس کے ساتھ اس کی ایک خوبصورت لڑکی تھی، میں ان سب کو لیکر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں لے آیا، انہوں نے وہ لڑکی مجھے انعام میں دے دی، اس کے بعد ہم مدینہ آ گئے۔

قوله: "وما كشفت لها ثوبا" (ص ۸۹ سطر ۷)

میں نے اس سے کوئی نفع نہیں اٹھایا۔

حضور ﷺ کی مجھ سے بازار میں ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے سلمہ! یہ عورت مجھ کو دے دو، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو مجھے پسند ہے، اگرچہ ابھی تک میں نے اس سے کوئی نفع نہیں اٹھایا، دوسرے دن پھر بازار میں آپ ﷺ سے ملاقات ہوگئی، آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

قوله: "ياسلمة هب لي المرأة لله ابوك" (ص ۸۹ سطر ۷)

"اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے دے دو، اللہ ہی کے لئے تیرا باپ ہے"

پھر میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! وہ آپ ﷺ کیلئے ہے، اللہ کی قسم! میں نے اس سے کچھ نفع نہیں اٹھایا۔

قوله: ففدى بها ناسا من المسلمين (ص ۸۹ سطر ۷)

آپ ﷺ نے اس لڑکی کو مکہ مکرمہ بھیج کر اس کے بدلے میں مسلمان قیدیوں کو آزاد کروالیا۔

---

(۱) اکمال العلم للقاضي عياض: ۲/ ۳۵

(۲) اکمال العلم: ٦/ ٣٥ وغريب الحديث للحربي: ۲/ ۸۷۲

(۳) المفهم شرح صحيح مسلم تحت هذا الحديث: ۱۱/ ۷۹

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امیر لشکر مالِ غنیمت کو تقسیم بھی کر دے، اور اسی طرح " نفل " کی تقسیم بھی ہو جائے، پھر مسلمانوں کے مفادِ عامّہ میں ان کی ضرورت پڑے، تو مالِ غنیمت یا "نفل " کے طور پر دی ہوئی چیز واپس بھی لے سکتا ہے، اور واپس لیکر بطورِ فدیہ بھی استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے دیگر مصالح میں بھی خرچ کر سکتا ہے۔ [1]

(۱۵)

باب حکم الفیىء

(فیٔ کے احکام کا بیان)

اس باب میں امامِ مسلمؒ وہ احادیث بیان فرما رہے ہیں، جن سے "مالِ فیء" کا حکم معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے پہلے " فیء " کے لفظی اور اصطلاحی معنیٰ سمجھ لیں۔

"فیء" کے لفظی اور اصطلاحی معنیٰ

'فیء" کے لفظی معنیٰ ہیں: الرجوع، لوٹنا۔ اور "مالِ فیء" کو "مالِ فیء" اس لئے کہتے ہیں کہ یہ واپس اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں لوٹ جاتا ہے، اور پھر من جانب اللہ دوسروں کو ملتا ہے۔

اور اصطلاح میں " مالِ فیء" اس مال کو کہتے ہیں، جو جہاد میں کافروں سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو جائے، [2] جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اموالِ بنی نضیر اسی طرح حاصل ہوئے تھے، کہ انہوں نے عہد شکنی کی، آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا، اور پھر انہوں نے مرعوب ہو کر جان کی امان کے ساتھ جلاوطنی کی درخواست کی، جسکو آپ ﷺ نے منظور فرما لیا، تو وہ اپنے ساتھ اپنا منقولہ مال لے گئے، لیکن ان کی عمارتیں، جائیدادیں، باغات اور دیگر ساز و سامان وغیرہ وہیں پر رہا، یہ سب "مالِ فیء" تھا۔

بنو نضیر جو مال و اسباب چھوڑ گئے تھے، ان میں سے ایک تو مالِ غیر منقولہ تھا، مثلاً ان کے مکانات، قلعے اور باغات وغیرہ، یہ آپ ﷺ کی ملکیت میں آ گیا، اور جو کچھ مال و دولت وہ ساتھ لے جا سکے، وہ ان کا ہو گیا، اس کے بعد وہ ہتھیار جن کو لے جانے کی انہیں اجازت نہیں تھی، یا جو منقولہ اشیاء وہ

---

(۱) اکمال المعلم للقاضی عیاضؒ: ۶/۳۶

(۲) لسان العرب تحت مادۃ "فیأ": ۱/۱۲۳

نہ لے جا سکے، وہ آپ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرمادیں۔

"مالِ فیء" کا حکم

"مالِ فیء" کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہؒ اور جمہور علماءؒ یہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی زندگی میں "مالِ فیء" حضور ﷺ کی ملکیت شمار ہوتا تھا، جس میں سے آپ ﷺ ایک سال کا گھر کا خرچ اپنے گھر والوں کو دے دیا کرتے تھے، اور باقی مال عام مسلمانوں کی ضرورتوں اور ان کے دیگر رفاہی کاموں میں خرچ فرمایا کرتے تھے، مثلاً مجاہدین کی جہاد کی تیاری میں، مجاہدین کے لئے وظیفہ وغیرہ دینے میں، "مالِ فیء"، مالِ غنیمت کی طرح مجاہدین کا حق نہیں ہوتا تھا۔

آپ ﷺ کے بعد "مالِ فیء" بیت المال میں جمع ہوتا ہے، اور پوری مملکت میں عام مسلمانوں کی ضرورتوں میں اس کو خرچ کیا جاتا ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا حکم مالِ غنیمت کی طرح ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "مالِ فیء" میں سے خمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہوگا، اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جائیں گے، اور ان سے بچ رہنے والا مال عام مسلمانوں کی حوائج وضروریات میں خرچ کیا جائے گا۔[1]

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، (الی قوله) عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ :هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا، وَأَقَمْتُمْ فِيهَا، فَسَهْمُكُمْ فِيهَا، وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ، ثُمَّ هِيَ لَكُمْ .(۸۹ سطر ۹ تا ۱۲)

تشریح

قوله: أيما قرية أتيتموها (۸۹ سطر ۱۱)

جمہور کا مسلک راجح ہے، اس باب کی پہلی حدیث سے بھی یہی ثابت ہے، چنانچہ فرمایا کہ جس بستی میں تم آؤ، اور تم وہاں قیام کرو، (اور لڑائی کی نوبت نہ آئے)، تو تمہارا حصہ اس میں ہے، اور یہ حصہ بطورِ مالِ غنیمت کے نہیں، بلکہ بطورِ عطاء کے ہے، یہ مال، "مالِ فیء" ہوگا، اور "مالِ فیء" سے سارے

(۱) بدائع الصنائع ۱۵/۳۲۸ کتاب السیر فصل فی بیان حکم الغنائم وما یتصل بها۔

مسلمانوں کو بطورِ عطاء کے، یا بطورِ عطیہ کے دیا جاتا ہے، اسی طرح تمہارا حصہ بھی بطورِ عطیہ کے ہوگا۔

قوله: ايما قرية عصت اللّٰه و رسوله الخ (ص ۸۹ سطر ۱۲)

اور جس بستی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، جس کے بعد ظاہر ہے کہ اس سے لڑائی کی نوبت بھی آئے گی، اس کا خمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہوگا "ثم هي لكم" باقی حصہ تمہارے لئے ہوگا۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ، (الى قوله) أَنَّ مَالِكَ بْنَ أَوْسٍ، حَدَّثَهُ، قَالَ :أَرْسَلَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَجِئْتُهُ حِينَ تَعَالَى النَّهَارُ، قَالَ :فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِهِ جَالِسًا عَلَى سَرِيرٍ مُفْضِيًا إِلَى رُمَالِهِ، مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ، فَقَالَ لِي :يَا مَالُ، إِنَّهُ قَدْ دَفَّ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْ قَوْمِكَ، وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ، فَخُذْهُ فَاقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ، قَالَ :قُلْتُ :لَوْ أَمَرْتَ بِهَذَا غَيْرِي، قَالَ :خُذْهُ يَا مَالُ، قَالَ :فَجَاءَ يَرْفَا، فَقَالَ :هَلْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي عُثْمَانَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَالزُّبَيْرِ، وَسَعْدٍ؟ فَقَالَ عُمَرُ :نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ :هَلْ لَكَ فِي عَبَّاسٍ، وَعَلِيٍّ؟ قَالَ :نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمَا، فَقَالَ عَبَّاسٌ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الْكَاذِبِ الْآثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ، فَقَالَ الْقَوْمُ :أَجَلْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَاقْضِ بَيْنَهُمْ وَأَرِحْهُمْ، فَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ :يُخَيَّلُ إِلَيَّ أَنَّهُمْ قَدْ كَانُوا قَدَّمُوهُمْ لِذَلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ :اتَّئِدَا، أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ ، قَالُوا :نَعَمْ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ، وَعَلِيٍّ، فَقَالَ :أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ، قَالَا: نَعَمْ، فَقَالَ عُمَرُ :إِنَّ اللهَ جَلَّ وَعَزَّ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِخَاصَّةٍ، لَمْ يُخَصِّصْ بِهَا أَحَدًا غَيْرَهُ، قَالَ : "مَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ" مَا أَدْرِى هَلْ قَرَأَ الْآيَةَ الَّتِي قَبْلَهَا أَمْ لَا -قَالَ: فَقَسَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَكُمْ أَمْوَالَ بَنِي النَّضِيرِ، فَوَاللهِ، مَا اسْتَأْثَرَ عَلَيْكُمْ، وَلَا أَخَذَهَا دُونَكُمْ، حَتَّى بَقِيَ هَذَا الْمَالُ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْهُ نَفَقَةَ سَنَةٍ، ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ أُسْوَةَ الْمَالِ، ثُمَّ قَالَ :أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِى بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ ذَلِكَ؟ قَالُوا :نَعَمْ، ثُمَّ نَشَدَ عَبَّاسًا، وَعَلِيًّا، بِمِثْلِ مَا نَشَدَ بِهِ الْقَوْمَ، أَتَعْلَمَانِ ذَلِكَ؟ قَالَا :نَعَمْ، قَالَ :فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ :أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِيرَاثَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ، وَيَطْلُبُ هَذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ، فَرَأَيْتُمَاهُ كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ وَأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ، فَرَأَيْتُمَانِي كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللهُ يَعْلَمُ إِنِّي لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، فَوَلِيتُهَا ثُمَّ جِئْتَنِي أَنْتَ وَهَذَا وَأَنْتُمَا جَمِيعٌ وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ، فَقُلْتُمَا :ادْفَعْهَا إِلَيْنَا، فَقُلْتُ :إِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ أَنْ تَعْمَلَا فِيهَا بِالَّذِى كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْتُمَاهَا بِذَلِكَ، قَالَ :أَكَذَلِكَ؟ قَالَا : نَعَمْ، قَالَ :ثُمَّ جِئْتُمَانِي لِأَقْضِيَ بَيْنَكُمَا، وَلَا وَاللهِ لَا أَقْضِي بَيْنَكُمَا بِغَيْرِ ذَلِكَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَرُدَّاهَا إِلَيَّ. (ص۹۰ سطر ۱ تا ص۹۱ سطر۷)

تشریح

حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح

"تعالی النهار" دن چڑھے[1]۔ "سریر:" چار پائی، مسہری، تخت، یہاں مراد چار پائی ہے۔ "مفضيا إلى رماله" عام طور پر چار پائی پر بیٹھنے سے پہلے کوئی چادر وغیرہ بچھاتے ہیں، لیکن اس وقت حضرت عمرؓ اس چار پائی پر بغیر کسی چادر وغیرہ کے تشریف فرما تھے[2]۔ "رُماله" کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی چار پائی۔ "متكئا على وسادة من أدم" چمڑے کے ایک تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ "یامالُ" اصل میں "یامالک" تھا، ترخیم کر کے "یامالُ" کہا۔[3] "دف يدف دفاً" کے معنیٰ ہیں: جلدی چلنا[4]۔ "اهل ابيات من قومک" آپ کی قوم کے کچھ لوگ۔ "رضخ" تھوڑا مال، جس کی مقدار بیان نہ کی گئی ہو۔[5] "فجاء يرفا" یرفا حضرت عمرؓ کے غلام کا نام ہے۔[6]

"باغِ فدک" کے بارے میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا واقعہ

قوله: اقض بيني وبين هذاالكاذب (ص ۹۰ سطر ۵)

حضرت عباسؓ کا حضرت علیؓ کو جھوٹا، گنہگار، دھوکا باز اور خائن کہنا حقیقۃً مراد نہیں، بلکہ انہوں نے بطورِ ڈانٹ ڈپٹ کے حضرت علیؓ کو یہ الفاظ کہے تھے، جیسا کہ کبھی کبھار باپ اپنے بیٹے کو ڈانٹتے ڈپٹتے وقت کچھ ایسے کلمات کہہ دیا کرتا ہے، جن کی حقیقت مراد نہیں ہوتی، جیسے باپ کہہ دیتا ہے: او! نالائق، گدھے، اس سے حقیقت میں نالائق یا گدھا مراد نہیں ہوتا، بلکہ ڈانٹنا مقصود ہوتا ہے، حضرت عباسؓ مثل باپ کے ہیں، اور حضرت علیؓ مثل بیٹے کے ہیں، اور حضرت عباسؓ کا یہ فرمانا بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہے، اس کی حقیقت مراد نہیں ہے، اور یہ پوری حدیث اس کا قرینہ ہے، کیونکہ اگر حقیقت مراد ہوتی، تو اس طرح کہنا ناجائز ہوتا، جبکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے بزرگ صحابہ وہاں موجود تھے، جو کسی منکر پر نکیر کرنے کے سلسلے میں کسی کی

---

(۱) المفهم شرح صحيح مسلم: ۸۴/۱۱ تحت حديث الباب۔

(۲) شرح النووي على صحيح مسلم تحت هذا الحديث: ج۲ ص۹۰

(۳) بحوالہ بالا

(۴) بحوالہ بالا

(۵) المفهم للقرطبيؒ ۸۴/۱۱

(۶) المفهم للقرطبي: ۸٤/۱۱۔ وشرح النوويؒ: ج۲ ص۹۰

پروا نہیں کرتے تھے، ان حضرات کا اپنی موجودگی میں ان کلمات کو حقیقی معنٰی میں مراد لیکر کہنے والے کو منع نہ کرنا، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

آگے خود حضرت عمر فاروقؓ ان دونوں کی طرف سے حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تم نے حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں ان سے مطالبہ کرنے، اور ان کے تمہاری منشاء کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کے بعد حضرت صدیق اکبر کو جھوٹا، گنہگار، دھوکہ باز اور خائن سمجھا تھا، پھر اپنے بارے میں فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد تم میرے پاس آئے ہو، اور مجھے بھی ایسا ہی جھوٹا، گنہگار، دھوکہ باز اور خائن سمجھا، ان سب باتوں سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے حقیقی معنی مراد نہیں تھے، بلکہ بطور ڈانٹ ڈپٹ اور اظہارِ ناراضگی کے تھے۔ (۱)

"اموالِ صفایا" کی تشریح اور اس کی تین اقسام

اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں تین قسم کے اموال آپ علیہ السلام کی ملکیت تھے، ان کو "صفایا" کہتے تھے، "صفایا" جمع ہے "صفیّة" کی، جس کے معنٰی ہیں: خالص، یہ تین قسم کے اموال خالصتاً آپ ﷺ کی ملکیت سمجھے جاتے تھے، اس لئے ان کو "صفایا" کہا جاتا تھا۔

(۱) ... ان میں سے ایک "اموالِ بنی نضیر" تھے۔

(۲) ... دوسرے "اموالِ خیبر"۔

(۳) ... اور تیسرے "اموالِ فدک"۔

"اموالِ بنی نضیر"

اموالِ بنی نضیر کی تفصیل آچکی ہے کہ ان کے منقولہ اور غیر منقولہ جتنا بھی ساز و سامان تھا، وہ سب آپ علیہ السلام کی ملکیت تھا، بنو نضیر کا ایک یہودی، جس کا نام مخیریق تھا، وہ غزوۂ احد میں مسلمان ہوگیا تھا، اس کے بنو نضیر میں سات باغ تھے، اس نے مرتے وقت وصیّت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد وہ سب حضور ﷺ کو دے دینا، تو یہ سات باغات بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھے۔

---

(۱) المفهم للقرطبي: ۸۴/۱۱، وشرح النوويؒ على صحيح مسلم: ج۲ ص ۹۰

"اموالِ خیبر"

"خیبر" میں بعض قلعے صلح کی وجہ سے فتح ہوئے تھے، جیسے "وطیح" اور "سلالم" دو قلعے ایسے تھے، جو صلح کے طور پر فتح ہوئے تھے، یہ بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھے، اور باقی حصہ چونکہ لڑائی کی وجہ سے فتح ہوا تھا، اس لئے اس کا خمس بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھا، وہاں کی آمدنی آپ ﷺ کے پاس آتی تھی، جو آپ ﷺ اپنی اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے عزیز و اقارب کی حوائج اور ضروریات میں خرچ فرمایا کرتے تھے، اور اسی طرح عام مسلمانوں میں بھی تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔

"اموالِ فدک"

"خیبر" کے بعد ایک علاقہ ہے، جس کا نام "فدک" ہے، "خیبر" فتح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اس کی طرف پیش قدمی کی، جس کے بعد آدھا حصہ صلح سے، اور باقی آدھا حصہ لڑائی سے فتح ہوا، تو "فدک" کا نصف حصہ بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھا۔

یہ تین اموال تھے، جو خالصتاً آپ ﷺ کی ملکیت میں تھے، اور اسی وجہ سے "صفایا" کہلاتے تھے، جب تک آپ ﷺ حیات تھے، اس وقت تک یہ اموال آپ ﷺ کے زیرِ انتظام تھے، ان کی آمدنی کو آپ ﷺ اپنی صوابدید سے اپنی اور اپنے گھر والوں، اور دیگر عام مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

حیاتِ انبیاء علیہم السلام کی ایک دلیل

قوله: لانورث، ما ترکناه صدقة، الخ (ص ۹۰ سطر ۶، ۷)

"لانورث" کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں: معروف پڑھنے کی صورت میں معنیٰ ہوگا:

"ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے"

مجہول پڑھنے کی صورت میں معنیٰ ہوگا:

"ہمیں مورث نہیں بنایا جاتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوگا"

---

(۱) عمدة القاری کتاب الخمس باب فرض الخمس: ج ۱۲ ص ۲۱۲۔

لہٰذا آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی میراث نہ تو تقسیم ہوئی، اور نہ ہی تقسیم ہوسکتی تھی، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام وفات پانے کے بعد زندہ ہوتے ہیں، اور زندوں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، یہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کی ایک مستقل دلیل ہے۔

''حضور ﷺ کے صدقات'' کی انتظامی تقسیم

آپ ﷺ کے انتقال کے بعد ان تمام اموال کو ''حضور ﷺ کے صدقات'' کہا جاتا ہے، آپ ﷺ کے بعد حضرت صدیقِ اکبرؓ ان اموال کے متولی ہوئے، اس کے بعد حضرت عمرؓ متولی مقرر ہوئے، اور جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ ان اموال کی آمدنی خرچ فرماتے تھے، ان کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسی طرح خرچ فرماتے رہے، حضرت عمرؓ کی زندگی میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ آپ ان اموال کا انتظام ہمارے سپرد کردیں، اور جس طرح حضور ﷺ ان کی آمدنی خرچ فرمایا کرتے تھے، ہم بھی اسی طرح خرچ کریں گے، یہ حضرات اہلِ بیت میں سے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے اوپر سے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ان اموال کے انتظام کو ان حضرات کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

لیکن حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان موافقت نہ ہوئی، اور اس کے انتظام میں باہم اختلاف ہوا، چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! آپ ان صدقات کو دو حصوں میں تقسیم فرمادیں، اور ایک ایک حصہ کا انتظام دونوں کو لگ الگ دے دیں، تاکہ ہر ایک اپنے اپنے حصے کا انتظام اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق کرسکے، اس گفتگو کا اصل مقصد تو یہی تھا، یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ آپ ہمیں ان حصّوں کا مالک بنادیں، بلکہ انتظاماً دو حصّوں میں تقسیم فرمانا چاہتے تھے، مالک بننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ''لانورث، ما ترکناہ صدقۃ'' سب کو معلوم تھا۔

لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے سے انکار فرمادیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ اندیشہ اور خطرہ لاحق ہوا کہ آج تو یہ تقسیم انتظامی بنیاد پر کی جارہی ہے، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس تقسیم کو تملیکا سمجھا جانے لگے گا، اور یہ بات سمجھی جانے لگی گی کہ گویا حضرت عمرؓ نے آدھے صدقات کا مالک حضرت عباسؓ کو بنادیا، اور آدھے صدقات کا مالک حضرت علیؓ کو بنادیا، حالانکہ ان صدقات میں تملیک جائز ہی

نہیں ہے، اس لئے آپ نے صاف صاف انکار فرمادیا، اور فرمایا کہ اگر تم دونوں مل جل کر ان صدقات کا انتظام وانصرام سنبھال سکتے ہو، تو کرو، ورنہ یہ مجھے واپس کردو، میں خود ہی سنبھال لوں گا۔ (۱)

(۱۶)

باب قول النبی ﷺ: لانورث، ماترکنا فھو صدقة

(نبی ﷺ کا فرمان: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے، اور اس کا حکم)

بعض نسخوں میں اس جگہ یہ باب نہیں ہے، بہرحال! اس باب کے شروع میں امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔

ازواجِ مطہراتؓ کی طرف سے مطالبۂ میراث کا ارادہ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ :إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَيَسْأَلْنَهُ مِيرَاثَهُنَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ عَائِشَةُ لَهُنَّ :أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ. (ص ۹۱ سطر ۹ تا ۱۱)

تشریح

قوله: عن عائشة أنها قالت:إن ازواج النبی ﷺ حین توفی رسول الله ﷺ (ص ۹۱ سطر ۹، ۱۰)

یہ اس باب کی پہلی روایت ہے، جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ازواجِ مطہراتؓ نے ارادہ کیا کہ حضور ﷺ کی میراث کے بارے میں بات چیت کرنے کے لئے حضرت عثمان بن عفانؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں بھیجیں۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۱) المفهم للقرطبي: ۱۱/۸۷۔ وشرح النووي على صحيح مسلم: ج۲ ص ۹۰

بِالْمَدِينَةِ، وَفَدَكٍ، وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَالِ ، وَإِنِّي وَاللهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى فَاطِمَةَ شَيْئًا، فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فِي ذَلِكَ، قَالَ :فَهَجَرَتْهُ، فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى تُوُفِّيَتْ، وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ لَيْلًا، وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ، وَصَلَّى عَلَيْهَا عَلِيٌّ، وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وِجْهَةٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ، فَلَمَّا تُوُفِّيَتِ اسْتَنْكَرَ عَلِيٌّ وُجُوهَ النَّاسِ، فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ بَايَعَ تِلْكَ الْأَشْهُرَ، فَأَرْسَلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنِ ائْتِنَا وَلَا يَأْتِنَا مَعَكَ أَحَدٌ، كَرَاهِيَةَ مَحْضَرِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ :وَاللهِ، لَا تَدْخُلُ عَلَيْهِمْ وَحْدَكَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :وَمَا عَسَاهُمْ أَنْ يَفْعَلُوا بِي؟ إِنِّي وَاللهِ لَآتِيَنَّهُمْ، فَدَخَلَ عَلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ، فَتَشَهَّدَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، ثُمَّ قَالَ :إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ، وَمَا أَعْطَاكَ اللهُ، وَلَمْ نَنْفَسْ عَلَيْكَ خَيْرًا سَاقَهُ اللهُ إِلَيْكَ، وَلَكِنَّكَ اسْتَبْدَدْتَ عَلَيْنَا بِالْأَمْرِ، وَكُنَّا نَحْنُ نَرَى لَنَا حَقًّا لِقَرَابَتِنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَزَلْ يُكَلِّمُ أَبَا بَكْرٍ حَتَّى فَاضَتْ عَيْنَا أَبِي بَكْرٍ، فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، قَالَ :وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي، وَأَمَّا الَّذِي شَجَرَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَمْوَالِ، فَإِنِّي لَمْ آلُ فِيهَا عَنِ الْحَقِّ، وَلَمْ أَتْرُكْ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ

فِيهَا إِلَّا صَنَعْتُهُ، فَقَالَ عَلِيٌّ لِأَبِي بَكْرٍ :مَوْعِدُكَ الْعَشِيَّةُ لِلْبَيْعَةِ، فَلَمَّا صَلَّى أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الظُّهْرِ، رَقِيَ عَلَى الْمِنبَرِ، فَتَشَهَّدَ وَذَكَرَ شَأْنَ عَلِيٍّ وَتَخَلُّفَهُ عَنِ الْبَيْعَةِ، وَعُذْرَهُ بِالَّذِي اعْتَذَرَ إِلَيْهِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَتَشَهَّدَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَعَظَّمَ حَقَّ أَبِي بَكْرٍ، وَأَنَّهُ لَمْ يَحْمِلْهُ عَلَى الَّذِي صَنَعَ نَفَاسَةً عَلَى أَبِي بَكْرٍ، وَلَا إِنْكَارًا لِلَّذِي فَضَّلَهُ اللهُ بِهِ، وَلَكِنَّا كُنَّا نَرَى لَنَا فِي الْأَمْرِ نَصِيبًا، فَاسْتُبِدَّ عَلَيْنَا بِهِ، فَوَجَدْنَا فِي أَنْفُسِنَا، فَسُرَّ بِذَلِكَ الْمُسْلِمُونَ، وَقَالُوا: أَصَبْتَ، فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ إِلَى عَلِيٍّ قَرِيبًا حِينَ رَاجَعَ الْأَمْرَ الْمَعْرُوفَ. (ص ۹۱ سطر ۱۱ تا ص ۹۲ سطر ۳)

تشریح

قوله: أن فاطمة بنت رسول الله ﷺ (ص ۹۱ سطر ۱۱)

یہ اس باب کی دوسری روایت ہے، جس میں حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ ﷺ کا واقعہ ذکر کیا ہے، انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ سے آنحضرت ﷺ کی میراث کے بارے میں سوال کیا۔

ان دونوں روایات میں سے پہلی روایت میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے آپ ﷺ کا قول:

"لانورث، ماترکنا، فهو صدقة" مذکور ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں حضرت صدیق اکبرؓ کا بھی یہی جواب ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:" لانورث، ماترکنا صدقة، انما یاکل آل محمد ﷺ فی هذا المال" بہرحال! حضرت صدیق اکبرؓ نے میراث بطورِ تملیک ان کو نہیں دی۔

ان احادیث سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ ازواجِ مطہراتؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کی میراث کے حوالے سے حضرت عثمان بن عفانؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا، جس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے انہیں یاد دلایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

"لانورث، ماترکنا فھو صدقة"

''ہمیں (انبیاء کرام) کو مورث نہیں بنایا جاتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے''

اس روایت میں تو اتنی بات ہے، لیکن ابوداؤد شریف کی روایت میں اس کی تفصیل ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ازواجِ مطہرات کے اس ارادے پر فرمایا:

"الا تتقين الله؟ ألم تسمعن رسول الله ﷺ يقول: "لانورث ما تركنا فهو صدقة، و انما هذا المال لآل محمد لنائبتهم ولضيفهم فاذات مت فهو الى ولي الأمر من بعدى". (۱)

''کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم (انبیاء کرام) مورث نہیں بنائے جاتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، اور وہ مال اہل بیت کی ضرورتوں اور ان کے مہمانوں کے لئے ہے، پھر جب میں انتقال کر جاؤں، تو وہ میرے خلیفہ کے زیرِ انتظام ہوگا''

اس پر حضرات ازواجِ مطہرات نے اپنا ارادہ ترک کر دیا، اور ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ نے واقعی یہ فرمایا تھا، اور واقعی بحیثیتِ وارث ہونے، یا یا بطور میراث اس کے لینے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد "لانورث، ماترکنا فھو صدقة" کے مطابق آپ ﷺ کا چھوڑا ہوا مال ''مالِ میراث'' نہیں تھا، بلکہ وہ صدقہ تھا، جس میں آپ ﷺ کے قرابت داروں کا بھی حق تھا، اور عام مسلمانوں کا بھی حق تھا۔

آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بھی یہی خصوصیت ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

"انامعشر الانبياء، لانورث، ماتركنا فهو صدقة" (۲)

''ہم انبیاء کرامؑ کی جماعت ہیں، ہم کسی کے مورث نہیں بنائے جاتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ سب صدقہ ہے''

---

(۱) سنن ابی داؤد ۳/۱۴۵، باب فی صفایا رسول ﷺ من الأموال

(۲) السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۶۲۷۵، ۹۸/۶ و المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۴۵۷۸ (من اسمه عبدان)

اسی لئے انبیاء کرامؑ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کا مال ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تقسیمِ میراث کا حکم مطلق ذکر فرمایا ہے، اس میں نبی وغیر نبی کی کوئی تفریق نہیں ہے، تو پھر یہ تفریق کیوں کی گئی؟

شارحینؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ انبیاء کرامؑ اور حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ خصوصیت ہے کہ ان کی وراثت تقسیم نہیں ہوگی، اور وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، بلکہ خصوصیت کی بناء پر وہ اس حکم میں داخل ہی نہیں ہیں، جیسا کہ چار سے زیادہ نکاح کی اجازت آپ ﷺ کے اور دیگر انبیاءِ علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے، امتیوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے، اسی طرح تقسیمِ میراث کا حکم امت کیلئے ہے، انبیاءِ کرام کیلئے نہیں ہے۔ (۱)

اس خصوصیت کی دو حکمتیں

شارحینؒ نے اس خصوصیت کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں: ایک حکمت یہ ہے کہ کوئی وارث مال کی وجہ سے اپنے مورث کی موت کی تمنا نہ کرے۔ اور دوسری حکمت یہ ہے کہ نبی اپنی قوم اور امت میں ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ باپ اپنی اولاد میں، باپ کا انتقال ہو جائے، تو اس کی ساری اولاد کو اس کی میراث میں سے حصہ ملتا ہے، ایسے ہی نبی کے انتقال کے بعد اس کے مال سے ساری امت کو نفع اٹھانے کی اجازت ہے۔ (۲)

حضرت بی بی فاطمہؓ کا مطالبۂ میراث اور حضرت صدیق اکبرؓ کا جواب

قوله: مما أفاء الله عليه بالمدينة و فَدَک و ما بقى من خمس خيبر.

(ص ۹۱ سطر ۱۳)

حضور ﷺ کے ان تین اموال کے بارے میں حضرت فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ان اموال میں سے جو میرا حصہ بنتا ہے، وہ دے دیں، ان میں سے مدینہ منورہ

(۱) روح المعانی تفسیر سورۃ النساء: ۲/۴۲۸

(۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانورث ما ترکنا صدقة: ج۱۲/ص۹ وشرح النووی علی صحیح مسلم تحت هذا الحدیث۔

کے اموال سے مراد وہی بنو نضیر کے اموال غیر منقولہ ہیں، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، اور مقامِ فدک، مدینہ منوّرہ سے تین مراحل کے فاصلے پر، خیبر سے آگے دو دن کی مسافت پر واقع ہے، یہاں بھی یہودی آباد تھے، خیبر کے بعد جب آپ ﷺ نے مقامِ فدک کا رخ فرمایا، تو اہلِ فدک نے آپ ﷺ سے آدھا فدک دینے پر صلح کرلی[1]، اور خیبر کے دو قلعے "وطیح" اور "سلالم" یہ صلحاً فتح ہوئے تھے، لہٰذا یہ بھی آپ ﷺ کی ملکیت میں تھے، باقی خیبر عنوۃً یعنی لڑائی سے فتح ہوا تھا، اس میں خمس آپ ﷺ کے لئے تھا، اس لئے حضرت بی بی فاطمہؓ نے ان تین اموال کا ذکر فرمایا۔[2] حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو یہی جواب دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: "لانورث، ماترکنا صدقة" البتہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مزید فرمایا کہ:

قوله : "إنمايا كل آل محمد ﷺ في هذا المال" (ص ۹۱ سطر ۱۴)

"آپ ﷺ کے گھر والے اس میں سے کھائیں گے"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے بطورِ مالک بنا کر دینے سے انکار کیا، ورنہ آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے مال کی آمدنی تو پہلے بھی آپ ﷺ کے اہل وعیال اور آپ ﷺ کے قرابت داروں پر خرچ ہوتی تھی، خود حضور ﷺ بھی ایسے ہی خرچ فرماتے تھے، اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا، اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا ہوا تھا، البتہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کہنے پر ان اموالِ رسول اللہ ﷺ کا کچھ حصہ مشترک طور پر ان دونوں حضرات کی تولیت میں دے دیا تھا، جس کا ذکر تفصیل سے آچکا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے اہلِ بیت کو تملیکاً دینے سے انکار کیا، ان اموال سے نفع اٹھانے سے انکار نہیں کیا، حضرت صدیق اکبرؓ کا قول: "انمایا کل آل محمد فی هذاالمال" اس کی واضح دلیل ہے۔

قوله : فابى ابوبكر أن يدفع إلى فاطمة شيئا (ص ۹۱ سطر ۱۴)

"حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو کچھ بھی دینے سے انکار کیا"، اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) ... ایک یہ کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو بطورِ میراث کچھ بھی دینے سے

---

[1] إکمال المعلم لقاضی عیاض تحت هذا الحدیث: ۶/۴۴

[2] إکمال المعلم لقاضی عیاض تحت هذا الحدیث: ۶/۴۴

انکار کردیا تھا۔

(۲) ... دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت بی بی فاطمہؓ کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی میراث تو تقسیم نہیں ہوسکتی، تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بطورِ تولیت کچھ حصہ دینے کی درخواست کی، اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے وہی فرمایا، جو پیچھے حضرت عائشہؓ کی ابوداؤد شریف کی روایت میں گزر چکا ہے یعنی:

"فاذا مت فهو إلى ولي الأمر من بعدی"

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں انتقال کر جاؤں، تو میرے بعد میرے خلفاء اس کے متولی ہوں گے''

اس لئے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی تولیت کسی کو منتقل کریں، یا نہ کریں، اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے انکار پر حضرت بی بی فاطمہؓ خاموش ہوگئیں۔

قوله: فوجدت فاطمة على أبی بكر فی ذلك (۹۱ سطر ۱۵،۱۶)

''اس مسئلے میں حضرت بی بی فاطمہؓ نے اپنے دل میں حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف سے کچھ بات محسوس کی''

اس کے بعد حدیث میں یہ ہے کہ پھر آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے قطع تعلق کرلیا، اور مرتے دم تک ان سے کوئی بات نہ کی۔ یہ امام زہریؒ کا ادراج ہے جو معتبر نہیں اور بخاری شریف میں یہ ہے **فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم** اس کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ''لامع الدراری'' میں فرماتے ہیں کہ: یہ جملہ راوی کا اپنا گمان ہے، اس حدیث کی راویہ حضرت عائشہؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کے بارے میں یہ جملہ نہیں کہا بلکہ کسی اور راوی کا اپنا گمان اور خیال ہے کہ جب حضرت بی بی فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے انکار کے بعد خاموش ہوگئیں، تو وہ سمجھے کہ شاید ناراض ہوگئیں۔

حضرت بی بی فاطمہؓ کے حضرت صدیق اکبرؓ سے ناراض ہونے کی تحقیق

قوله: قال: فهجرته، فلم تكلمه حتى توفيت، وعاشت بعد رسول ﷺ ستة

أشهر (ص ۹۱ سطر ۱۶)

''پھر حضرت بی بی فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو چھوڑ دیا، اور مرتے دم تک ان سے کوئی بات نہیں کی، اور وہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں''

شارحین فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی حضرت عائشہؓ کی روایت میں نہیں ہے، بلکہ یہ بھی راوی کا ادراج ہے، اور یہ تمام جملے مدرَج ہیں، اور یہ سارا ادراج حضرت امام زہریؒ کا ہے، اور حضرت امام زہریؒ مدرِج ہونے میں مشہور ہیں، ادراج ان کی عادت ہے، چنانچہ دورانِ کلام اگر کوئی آیت آجائے، تو بغیر لفظ ''أی'' کے اس کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، کہیں کوئی جملہ قابلِ تشریح نظر آتا ہے، تو اس کے تشریح والے جملہ کو حدیث سے الگ کیے بغیر درمیان ہی میں اس کی تشریح شروع کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے پڑھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ بھی حدیث ہے، حالانکہ وہ ان کا اپنا کلام ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ متعدد روایتوں میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت موجود ہے، ان میں سے کسی بھی روایت میں حضرت بی بی فاطمہؓ کے ناراض ہونے کا، یا حضرت صدیق اکبرؓ سے ترکِ تعلق کا، اور ان سے بات چیت نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، جب تمام روایات جمع کی جاتی ہیں، تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ کہاں راوی کا اضافہ ہے، اور کہاں نہیں ہے؟

واقعہ کی تحقیق

حضرت مولانا شیخ محمد نافعؒ نے اپنی اردو کتاب ''رحماء بینهم'' میں اس مسئلے کی پوری تحقیق فرمائی ہے، اور اس میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث چھتیس (۳۶) طرق سے مروی ہے، جن میں گیارہ سندیں ایسی ہیں، جن میں امام زہریؒ کا واسطہ نہیں ہے، اور وہ سب روایات ان تمام باتوں سے خالی ہیں، اور پندرہ سندیں حضرت امام زہریؒ سے منقول ہیں، یعنی ان کا واسطہ درمیان میں ہے، پھر ان پندرہ میں سے نو سندوں میں بھی امام زہریؒ کے موجود ہوتے ہوئے اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور باقی سولہ روایتوں میں ان باتوں کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ امام زہریؒ کا ادراج ہے۔ (1)

البتہ ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر جو خلاصہ اور نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی

---

(1) [illegible]

فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے آنحضرت ﷺ کی میراث کے بارے میں سوال کیا، اور حضرت صدیق اکبرؓ نے وہی جواب دیا، جو یہاں مذکور ہے، پھر انہوں نے تولیت کے سلسلے میں عرض کیا، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ فرما گئے ہیں کہ میرے بعد میرے ان اموال کا متولی میرا خلیفہ ہوگا، لہٰذا میں اس کام کو انجام دے ہی رہا ہوں، اس پر حضرت فاطمہؓ خاموش ہوگئیں۔

اس جواب کو سن کر ان کی طبیعت میں کچھ نہ کچھ کدورت پیدا ہوگئی، جو کہ ایک فطری اور طبعی بات ہے، وہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے، جس کو حضرت صدیق اکبرؓ بھی سمجھ گئے، اور وہ اس موقع کی تلاش میں رہے کہ کوئی موقع ملے، تو میں حضرت بی بی فاطمہؓ کے دل سے اس کدورت کو بھی دور کرلوں، جب حضرت بی بی فاطمہؓ بیمار ہوئیں، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے دو کام کیے، ایک تو اپنی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو ان کی تیمارداری کے لئے مقرر فرمایا، وہ ان کی خدمت کرتی رہیں، یہاں تک کہ حضرت بی بی فاطمہؓ کے انتقال کے بعد غسل بھی انہوں نے ہی دیا، اگر حضرت بی بی فاطمہؓ واقعی ناراض ہوتیں، تو حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ سے کیسے خدمت لیتیں؟

دوسرا کام یہ کیا کہ خود حضرت بی بی فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گھر کے دروازے پر پہنچ کر حضرت علیؓ سے اجازت چاہی، حضرت علیؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کے پاس جا کر کہا کہ حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے ہیں، اور آپ سے بات چیت کرنے کی اجازت چاہتے ہیں، انہوں نے اجازت دے دی، حضرت صدیق اکبرؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں نے اپنا مال بھی، اپنی اولاد بھی، اپنا گھر بھی، اپنا خاندان بھی، اپنی برادری بھی، سب کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل بیت کی خوشنودی کے لئے چھوڑ دیا، میرے نزدیک آپ کی رضامندی قابل ترجیح ہے، میں آپ کو ناراض دیکھنا نہیں چاہتا، اس وقت حضرت بی بی فاطمہؓ کے دل سے وہ کدورت بھی ختم ہوگئی، جو مجتہدین کے آپس کے اختلاف رائے سے طبعی طور پر پیدا ہو جاتی ہے، اور حضرت بی بی فاطمہؓ ان سے راضی ہوگئیں۔

لہٰذا اس روایت میں ان حضرات کے بارے میں جو جملے مذکور ہیں، وہ امام زہریؒ کا ادراج ہے، جو قابلِ اعتبار نہیں۔ (۱)

(۱) تکملۃ فتح الملہم: ج۳/ص۹۲،۹۳

قوله: فلما توفيت دفنها زوجها علي بن ابي طالب ليلا (۹۱ سطر ۱۶، ۱۷)

جہاں تک ان کو رات میں دفن کرنے کی بات ہے، تو حضرت بی بی فاطمہؓ کی وصیت تھی کہ مجھے رات میں دفن کیا جائے، تاکہ اندھیرے میں پردہ رہے، آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے جنازے کے لئے مسہری بھی پردے والی بنوائی تھی، اس مسہری کو حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے بطور نمونہ بنایا تھا، جس کو آپؓ نے پسند فرمایا، اور پھر یہ بھی وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ رات میں اٹھانا، تاکہ مجھ پر پردہ پوری طرح قائم رہے۔

قوله: ولم يؤذن بها أبا بكر (ص ۹۱ سطر ۱۷)

اور حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو خبر بھی نہیں دی، اور حضرت علیؓ نے خود ہی نمازِ جنازہ پڑھ لی، یہ بھی راوی یعنی امام زہریؒ کا ادراج ہے، کیونکہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ جب حضرت بی بی فاطمہؓ کا وصال ہوگیا، تو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ نمازِ جنازہ پڑھنے کے لئے تشریف لائے، اور حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ آپ جنازہ پڑھائیے، کیونکہ یہ آپ کی اہلیہ تھیں، لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نہیں! آپ ہی پڑھائیے، کیونکہ آپؓ حضور ﷺ کے خلیفہ ہیں، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ آگے بڑھے، اور آپ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اس لئے یہ جملے مدرج ہیں۔

قوله: ولم يكن بايع تلك الأشهر (ص ۹۱ سطر ۱۸)

ان مہینوں میں حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت نہیں کی، اس روایت میں "الاشهر" کا لفظ ہے، جبکہ دوسری روایتوں میں "ستة اشهر" کا لفظ ہے، کہ چھ مہینے تک حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت نہیں کی، یہ کلام بھی مدرج ہے، کیونکہ دیگر روایات میں صاف صاف موجود ہے کہ ثقیفة بنوساعدة میں، جہاں حضور ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کرامؓ موجود تھے، اور اس بات کا مشورہ کر رہے تھے کہ حضور ﷺ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ آپس میں مشورہ ہو رہا تھا کہ حضرت زید بن ثابتؓ اٹھے اور انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرلو، چنانچہ جتنے حضرات وہاں پر موجود تھے، انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور آپؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔

اس مجلس میں حضرت علیؓ موجود نہیں تھے، اس کے بعد آپؓ منبر پر بیٹھے، خطبہ دیا، اور فرمایا کہ بھئی! علی کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ کو بلایا گیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے تاخیر کی وجہ دریافت کی، اور فرمایا کہ اگر آپؓ بیعت نہیں کریں گے، تو مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے فرمانے کے کچھ دیر بعد ہی حضرت علیؓ نے بیعت کر لی تھی، چھ مہینے کا ذکر راوی کا ادراج ہے۔

قوله: فأرسل إلى أبي بكر أن ائتنا ولا يأتنا معك أحد، كراهية محضر عمر بن الخطابؓ (ص ۹۱ سطر ۱۸)

حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ اکیلے ہی ہمارے پاس آئیں، آپ کے ساتھ اور کوئی نہ ہو، یہ اس لئے کہا کہ وہ حضرت عمرؓ کی حاضری کو ناپسند فرما رہے تھے، مسلم شریف کے ایک شارح ہیں، علامہ أبي رحمة الله عليه۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی راوی کا اپنا خیال ہے، کہ حضرت علیؓ نے یہ جو کہا کہ اکیلے آنا، کوئی اور ساتھ نہ آئے، شاید اس لئے کہا تھا کہ کہیں حضرت عمرؓ بھی ساتھ نہ آجائیں، وہ ذرا سخت مزاج ہیں۔[1]

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، (الی قوله) أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقْسِمَ لَهَا مِيرَاثَهَا، مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، قَالَ: وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْبَرَ، وَفَدَكٍ، وَصَدَقَتِهِ بِالْمَدِينَةِ، فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذَلِكَ، وَقَالَ: لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِ، إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ، إِنِّي أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۱ و اکمال العلم: ج ۸ ص ۷۸ تحت هذا الحدیث۔

أَنْ أَزِيغَ، فَأَمَّا صَدَقَتُهُ بِالْمَدِينَةِ، فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلَى عَلِيٍّ، وَعَبَّاسٍ، فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا عَلِيٌّ، وَأَمَّا خَيْبَرُ وَفَدَكُ، فَأَمْسَكَهُمَا عُمَرُ، وَقَالَ :هُمَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتَا لِحُقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ، وَنَوَائِبِهِ، وَأَمْرُهُمَا إِلَى مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ، قَالَ :فَهُمَا عَلَى ذَلِكَ إِلَى الْيَوْمِ.(ص ۹۲ سطر ۷ تا ۱۲)

تشریح

قوله: فدفعها عمر إلى عليّ، وعباس، فغلبه عليها عليّ (ص۹۲ سطر ۱۲، ۱۳)

مدینہ منورہ میں جو اموالِ بنی نضیر حضور ﷺ کی ملکیت تھے، ان کو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے زیرِ انتظام دے دیا تھا، اور ان دونوں کو ان اموال کا متولّی بنا دیا تھا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، ان اموال کے بارے میں حضرت علیؓ حضرت عباسؓ پر غالب آگئے، غالب آنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے حق میں دستبرداری کر لی تھی، اور پھر حضرت علیؓ اکیلے ان اموال کے متولّی ہوگئے [1]، آپؓ کے بعد آپؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور آپؓ کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ ان اموال کی تولیت منتقل ہوتی رہی، یہ بطورِ وراثت نہیں تھی، البتہ خیبر اور فدک کے اموال حضرت عمرؓ نے اپنی تولیت میں رکھے، اور آپؓ ہی ان کا انتظام کرتے رہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَئُونَةِ عَامِلِي، فَهُوَ صَدَقَةٌ. (ص ۹۲ سطر ۱۴، ۱۵)

تشریح

قوله: عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: لا يقتسم ورثتي دينارا (ص ۹۲ سطر ۱۴، ۱۵)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ورثاء میرے مال کو تقسیم نہ کریں، میری ازواج کے نفقہ کے بعد اور میرے عاملوں کے خرچے کے بعد میں جو کچھ چھوڑ جاؤں گا، وہ صدقہ ہوگا۔

ازواجِ مطہرات آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں، اور آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ کرنے کے

---

(۱) حاشیہ مقرمی تحت هذا الحدیث: ٩٢/١١

بعد بھی آپ ﷺ کا ان سے نکاح ختم نہیں ہوا، اس لئے ان کا خرچہ جس طرح آپ ﷺ اپنی زندگی میں دیتے تھے، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اموال سے ان کا خرچہ حضراتِ خلفاءِ راشدین دیا کرتے تھے۔

"مؤنة عاملی" سے مراد آپ ﷺ کے خلیفہ کا وظیفہ ہے یہی قول قابلِ اعتماد ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے صدقات کا خادم مراد ہے۔(۱)

(۱۷)

باب کیفیة قسمة الغنیمة بین الحاضرین

(حاضرین (مجاہدین) کے درمیان مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے کے طریقہ کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَمَ فِي النَّفَلِ، لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ، وَلِلرَّجُلِ سَهْمًا.

(ص ۹۲ سطر ۱۷، ۱۸)

تشریح

قوله: أن رسول الله ﷺ قسم فی النفل. (ص ۹۲ سطر ۱۸)

جمہور کے نزدیک یہاں " نفل" سے مراد مالِ غنیمت ہے، کیونکہ " نفل" کے لغوی معنیٰ زیادتی اور عطیہ کے ہیں، مالِ غنیمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجاہدین کے لئے عطیہ ہوتا ہے، اس اعتبار سے یہاں مالِ غنیمت کو " نفل" کہا گیا ہے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ

اس باب میں امام مسلمؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ مجاہدین میں مالِ غنیمت کس طرح تقسیم ہوگا؟ گذشتہ اوراق میں یہ بات تو واضح ہوگئی کہ کافروں سے لڑائی کے بعد جو مال ہاتھ میں آتا ہے، اسے مالِ غنیمت کہتے ہیں، اور مالِ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہوتا ہے، باقی چار حصے مجاہدین کے لئے ہوتے ہیں، جو مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں، اب مجاہدین میں مال

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم تحت هذا الحدیث: ج ۲ ص ۹۲

غنیمت کس طریقے سے تقسیم کیا جائے، کیونکہ مجاہدین میں دو قسم کے مجاہد ہوتے ہیں، کچھ پیدل ہوتے ہیں، کچھ سوار ہوتے ہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

جمہور علماء، ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کا مسلک

جمہور علماء، ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ یہ فرماتے ہیں کہ پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملے گا، اور گھڑ سوار مجاہد کو تین حصے ملیں گے، ایک حصہ مجاہد کا، دو حصے اس کے گھوڑے کے، ان کی دلیل یہ حدیث الباب ہے، اس میں فرمایا گیا "للفرس سهمين، وللرجل سهما" دو حصے گھوڑے کے، اور ایک حصہ پیدل کا، یہاں پر فارس یعنی گھڑ سوار کا حصہ بیان نہیں ہوا، وہ دوسری روایتوں میں بیان ہوا ہے، لہٰذا گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوں گے، ایک اس کا اپنا حصہ، اور دو گھوڑے کے حصے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " للفرس سهمان وللراجل سهم" گھوڑے سوار کے لئے دو حصے ہیں، ایک اسکا اپنا حصہ، اور ایک اس کے گھوڑے کا حصہ، اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہے، حضرت امام صاحبؒ کی دلیل "دار قطنی" کی وہ روایت ہے، جو دو سندوں سے مروی ہے، اور صحیح ہے، اس میں ہے کہ:

عن ابن عمر "أن رسول الله ﷺ جعل للفارس سهمين و للراجل سهما"[1]

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھڑ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے ایک حصہ مقرر فرمایا"

نیز آپ ﷺ نے اہلِ حدیبیة پر خیبر کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تھا، اور اہلِ حدیبیة پندرہ سو تھے، اس میں تین سو گھڑ سوار تھے، اور بارہ سو پیدل تھے، اور آپ ﷺ نے ان کے لئے اٹھارہ حصے مقرر فرمائے، جس میں چھ حصے تین سو گھڑ سواروں کے لئے ہوئے، یہ اٹھارہ میں چھ حصے تقسیم ہو گئے، اور بارہ سو پیدل مجاہدین کے لئے ایک ایک حصہ مقرر فرمایا، تو کل حصے اٹھارہ ہوئے، اور سند کے

---

[1] سنن دار قطنی ۵/۱۸۳ کتاب السیر رقم الحدیث: ۴۲۱۶ والسنن الکبری للبیہقیؒ رقم الحدیث: ۱۳۲۴۷، ج ۹ ص ۳۲۵، کتاب قسم الغنیمة باب ما جاء فی سهم الراجل۔

اعتبار سے یہ واقعہ بھی درست ہے، اگر گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوتے، تو آپ ﷺ بجائے اٹھارہ حصوں کے اکیس (۲۱) حصے بناتے، کیونکہ پھر ان تین سو گھڑ سواروں کو مجموعی طور پر نو (۹) حصے ملتے۔

امام صاحبؒ کی طرف سے حضرات ائمۂ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں "نفل" اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے، اس سے مالِ غنیمت مراد نہیں ہے، چنانچہ یہاں پر آپ علیہ السلام نے فرس کو دو حصے بطورِ نفل کے دیے ہیں، مالِ غنیمت میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے نہیں دیئے۔[1]

(۱۸)

باب الإمداد بالملائكة فى غزوة بدر، وإباحة الغنائم

(غزوۂ بدر میں فرشتوں کے ذریعہ امداد اور غنیمت کے مال کے مباح ہونے کے احکام)

مقامِ بدر

"بدر" دراصل ایک جگہ کا نام ہے، جو مکہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کے درمیان پرانے راستے پر واقع ہے، مدینہ منوّرہ سے اس کا فاصلہ چار مراحل ہے، جو تقریباً چونسٹھ (۶۴) میل بنتا ہے، یہاں بنو غفار کا ایک شخص رہتا تھا، اس کا نام "بدر" تھا، اس کا ایک کنواں اس کے نام سے موسوم تھا، جس کو "بئرِ بدر" کہتے تھے، اور پھر یہ اس بستی کا نام ہوگیا، جو وہاں پر موجود تھی، اور اس میدان کو بھی بدر کہتے ہیں، جہاں غزوۂ بدر ہوا تھا، وہ میدان آج بھی موجود ہے، اور وہ مقام بھی موجود ہے، جہاں شہدائے بدر آرام فرما ہیں، اور وہ کنواں بھی موجود ہے، جس میں قریش کے وہ ستّر سردار ڈالے گئے تھے، جو اس جنگ میں مارے گئے تھے، اور آپ ﷺ نے ان کو اس کنواں میں ڈلوایا تھا، آج کل یہ سعودی عرب کا ایک بہت بڑا صنعتی شہر ہے۔

یہاں اسلام کا سب سے پہلا اور مشہور غزوہ "غزوۂ بدر" ہوا ہے، جو سترہ رمضان المبارک بروزِ

---

(۱) مزید دلائل اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: البحر الرائق کتاب السير فصل كيفية القسمة: ۵/۹۵ وبدائع الصنائع كتاب السير فصل فی بیان حكم الغنائم وما يتصل بها: ۱۵/۳۹۰

جمعۃ المبارک ۲ھ کو ہوا، اس غزوہ میں کتنے صحابہ شریک ہوئے؟ اس میں بہت سے اقوال ہیں، تین سو پانچ سے لیکر، تین سو تریسٹھ صحابہ کرامؓ کے شریک ہونے تک کے اقوال ہیں، لیکن ان میں تین سو تیرہ (۳۱۳) کا قول مشہور ہے، اور حدیث الباب میں تین سو انیس (۳۱۹) کا ذکر ہے۔

غزوۂ بدر کیوں ہوا؟

شارحِ مسلم، علامۃ اُبیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کفارِ مکہ نے حضور ﷺ، مہاجرین اور انصارِ مدینہ کو مٹانے کے لئے تیاریاں شروع کردی تھیں، وہ چاہتے تھے کہ مسلمان مزید نہ پھیلیں، اور جلد از جلد ان کا خاتمہ ہوجائے، لہٰذا انہوں نے اس کے لئے جنگی تیاریاں شروع کیں، اس کے لئے مال کی ضرورت تھی، انہوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔) ان کی سربراہی میں ایک تجارتی قافلہ ملکِ شام بھیجا جائے، وہاں سے مال لاکر بیچا جائے، اصل رقم تو مالکوں میں واپس کردی جائے، اور نفع مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں استعمال کیا جائے، یہ تجویز کفارِ مکہ کو پسند آئی، اور ہر ایک نے اس میں اپنا اپنا پیسہ دیا، شاید ہی کوئی کافر، امیر وغریب ایسا ہو کہ اُس نے اس جنگ میں حصہ نہ لیا ہو، چنانچہ ابوسفیان یہ مال لیکر ملکِ شام گئے، اور وہاں سے بہت سا مالِ تجارت لیکر واپس ہوئے، واپسی میں جب وہ حجاز کے پاس پہنچے، تو انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں چھان بین کی کہ وہ کس حال میں ہیں؟ اور ان کے کیا ارادے ہیں؟ کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ شاید ان کی طرف سے ان کے قافلے پر حملہ کیا جائے۔

دوسری طرف واقعۃً آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ مشورہ ہورہا تھا کہ اس قافلے پر حملہ کرکے اس کا مال اپنے قبضے میں لینا چاہئے، ورنہ یہ مال مکہ مکرمہ جاکر ہمارے ہی خلاف استعمال ہوگا، آپ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کو لیکر اس قافلے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے، ابوسفیان کو جب اس ارادہ کا علم ہوا تو اس نے **ضمضام** نامی شخص کو اجرت دیکر مکہ مکرمہ روانہ کیا، چنانچہ اس شخص نے مکہ مکرمہ پہنچ کر بآوازِ بلند اہلِ مکہ کو یہ اطلاع دی کہ محمد اور ان کے ساتھی ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو، تو فوراً مدد کو پہنچو، ورنہ تمہاری جمع پونجی سب ختم ہوجائے گی، جب اس نے بآوازِ بلند "**الغوث، الغوث**" کہہ کر پکارا، تو تمام کافر صورتحال معلوم ہونے کے بعد قافلے کی مدد کو تیار

ہو گئے، اس موقع پر ابولہب اگرچہ خود نہیں جا سکا، لیکن اس نے اپنا نمائندہ بھیجا، چنانچہ کفار کے کم وبیش ایک ہزار جنگجو مع ان کے بڑے بڑے سرداروں کے ابوسفیان کے قافلے کی مدد کیلئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے، اِدھر ابوسفیان نے ہوشیاری کی کہ اس نے اپنے قافلے کو حملے سے بچانے کے لئے راستہ بدل دیا، اور بجائے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرنے کے جدّہ والا راستہ اختیار کیا، جو سمندر کے ساتھ ہے، مسلمانوں کو اس کا علم نہیں ہو سکا، اس طرح ابوسفیان اپنے قافلے کو بچا کر لے گیا، اور ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں اطلاع بھجوادی کہ میں اپنے قافلے کو بچانے میں کامیاب ہو چکا ہوں، لہٰذا اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن ابوجہل نے قسم کھائی کہ میں اب واپس نہیں جاؤں گا، "بدر" میں ہر سال بازار لگتا تھا، اور عرب کے لوگ جوق در جوق اس میں شریک ہوتے تھے، وہاں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتے تھے، شراب نوشی کرتے، گانے بجانے کا شغل کرتے تھے، اس طرح سے ان کا ایک میلہ وہاں لگتا تھا، اور تین دن تک یہ ہنگامہ رہتا تھا، ابوجہل نے قسم کھائی کہ اب تو میدانِ بدر میں جا کر ہمیں تین دن گزارنے ہیں، دراصل اس کی موت نے اس کو وہاں کھینچا تھا، اور مسلمانوں کو جہاد کی دولت نصیب ہونی تھی۔

چنانچہ ۶ ررمضان المبارک کو سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کو لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے، اور بدر کے مقام پر پہنچ گئے، اس کے بعد جنگ ہوئی، جس میں ستر سردارانِ قریش مقتول ہوئے، ستر کو قیدی بنایا گیا، اور مسلمانوں کو اللہ پاک نے فتح عطا فرمائی۔ (۱)

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الى قوله) قَالَ: سَمِعْتُ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ :لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ، وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَتِسْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا، فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَةَ، ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ، فَجَعَلَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ :اللهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اللهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِي، اللهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ ، فَمَا زَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ، مَادًّا يَدَيْهِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، حَتَّى سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ، فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ

(۱) اکمال المعلم للأبی: ج۸ص۳۲،۳۳ تحت هذا الباب۔

فَأَخَذَ رِدَاءَ هُ، فَأَلْقَاهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ، ثُمَّ الْتَزَمَهُ مِنْ وَرَائِهِ، وَقَالَ :يَا نَبِيَّ اللهِ، كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ، فَإِنَّهُ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ "إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ" فَأَمَدَّهُ اللهُ بِالْمَلَائِكَةِ، (الی قوله) قَالَ أَبُو زُمَيْلٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَلَمَّا أَسَرُوا الْأُسَارَى، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ :مَا تَرَوْنَ فِي هَؤُلَاءِ الْأُسَارَى؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :يَا نَبِيَّ اللهِ، هُمْ بَنُو الْعَمِّ وَالْعَشِيرَةِ، أَرَى أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُمْ فِدْيَةً فَتَكُونُ لَنَا قُوَّةً عَلَى الْكُفَّارِ، فَعَسَى اللهُ أَنْ يَهْدِيَهُمْ لِلْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا تَرَى يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ قُلْتُ :لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَرَى الَّذِي رَأَى أَبُو بَكْرٍ، وَلَكِنِّي أَرَى أَنْ تُمَكِّنَّا فَنَضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ، فَتُمَكِّنَ عَلِيًّا مِنْ عَقِيلٍ فَيَضْرِبَ عُنُقَهُ، وَتُمَكِّنِّي مِنْ فُلَانٍ نَسِيبًا لِعُمَرَ، فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَإِنَّ هَؤُلَاءِ أَئِمَّةُ الْكُفْرِ وَصَنَادِيدُهَا، فَهَوِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ، وَلَمْ يَهْوَ مَا قُلْتُ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ جِئْتُ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ قَاعِدَيْنِ يَبْكِيَانِ، قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنِي مِنْ أَيِّ شَيْءٍ تَبْكِي أَنْتَ وَصَاحِبُكَ؟ فَإِنْ وَجَدْتُ بُكَاءً بَكَيْتُ، وَإِنْ لَمْ أَجِدْ بُكَاءً تَبَاكَيْتُ لِبُكَائِكُمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمِ الْفِدَاءَ، لَقَدْ عُرِضَ عَلَيَّ عَذَابُهُمْ أَدْنَى مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ -شَجَرَةٍ قَرِيبَةٍ مِنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ" إِلَى قَوْلِهِ "فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا" فَأَحَلَّ اللهُ الْغَنِيمَةَ لَهُمْ. (ص ۹۳ سطر ۱ تا ۱۵)

تشریح

قوله: اللّٰهم إن تهلک هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض. (ص ۹۳ سطر ۴)

میدانِ بدر میں آپ ﷺ نے مذکورہ بالا دعا فرمائی۔

لفظ "**تهلک**" مجرد سے بھی ہوسکتا ہے، اس وقت "**هذه العصابة**" اس کا فاعل ہوگا۔

اور بابِ افعال سے بھی ہوسکتا ہے، اس وقت "**هذه العصابة**" اس کا مفعول ہوگا، [1] یہ دعا آپ ﷺ نے اس لئے مانگی کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ہوں، اگر اللہ پاک کی مدد نہ آئی، اور میں اور یہ مسلمان شہید ہوگئے، تو کفار و مشرکین بدستور بتوں اور غیر اللہ کی پرستش میں مشغول رہیں گے، کوئی دوسرا نبی بھی آکر اسلام کی دعوت نہیں دے گا، پھر اسلام ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا، اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی جائے [2]، اس لئے اس کا واسطہ دیا، تا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے، اور اس کی مدد شاملِ حال ہوجائے۔

قوله: فما زال يهتف بربه (ص ۹۳ سطر ۴)

"**هتف يهتِف هتفا**" کے معنٰی آتے ہیں: چلاّنا، آواز بلند کرنا [3]، جسے کہتے ہیں: گڑگڑا کر دعا کرنا، یعنی آپ ﷺ نے گڑگڑا کر اور مچل مچل کر دعا شروع فرمادی، اور نہایت ہی والہانہ انداز میں دعا فرمائی۔

گڑگڑا کر دعا مانگنے کی وجہ

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر اس قدر گڑگڑا کر اور مچل کر دعا کیوں فرمائی؟ شارحینؒ نے اس کی تین وجوہات ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ... ایک تو اس لئے تا کہ صحابہ کرامؓ کے دل میں دعا کی قبولیت کی امید راسخ ہوجائے، اور ان کا دل مضبوط اور قوی ہوجائے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ مستجابُ الدعوات ہیں، اور پھر اس قدر گڑگڑا کر آپ ﷺ دعا فرما رہے ہیں، یقیناً آپ ﷺ کی دعا مقبول ہے، اور ہماری

---

(۱) الدیباج علی صحیح مسلم ج۴ ص۳۶۸۔

(۲) المفهم للقرطبیؒ تحت هذا الحدیث: ۹۳/۱۱۔

(۳) لسان العرب حرف الفاء، ماده هتف: ۳۴۴/۹۔

فتح یقینی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے اس گڑگڑا کر دعا فرمانے کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوا کہ دعا قبول ہوگئی، اسی لئے انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ "**یا نبی اللّٰہ! کفاک مناشدتک ربک**" حضور! آپ ﷺ کا اپنے رب سے مانگنا کافی ہوگیا، "**مناشدۃ**" کہتے ہیں: مانگنے کو۔ [1]

(۲) ... دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے واسطے سے امت کو یہ معلوم ہوجائے کہ جب کوئی اہم موقع آئے، تو بہت ہی گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے، گویا **تعلیماً للامّۃ** آپ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا۔ [2]

(۳) ... تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ... جهاد بالسيف (۲) ... جهاد بالدعاء

آپ ﷺ نے دونوں کو جمع فرمایا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ ایسے مواقع پر صرف **جهاد بالسیف** ہی کافی نہیں ہے، بلکہ دعا بھی ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے **الدعاء سلاح المؤمن**، [3] اور اسی طرح صرف دعا بھی کافی نہیں، جہاد بھی ضروری ہے۔

قوله: فإنه سينجز لك ما وعدك. (ص۹۳ سطر ۵،۶)

یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو آکر تسلی دی اور عرض کیا کہ حضور! آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے دو وعدے فرمائے تھے یا تو آپ ﷺ کو قافلہ مل جائے گا، یا جنگ میں فتح ہوجائے گی۔

شارحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا دعا فرمانا اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت مقامِ خوف پر فائز تھے، اس لئے گڑگڑا کر دعا فرما رہے تھے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقامِ رجاء پر فائز تھے، اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی امید کے

---

[1] شرح النووی علی صحیح مسلم: ج۲ ص۹۰ ولسان العرب باب الدال مادة "نشد": ۴۲۱/۳۔

[2] المفهم للقرطبي: ۹۵/۱۱۔

[3] مستدرك الحاكم كتاب الدعاء رقم الحديث: ۱۷۶۶

مقام پر قائم تھے، اور دونوں مقام اپنی جگہ برحق ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ! حضرت صدیق اکبرؓ کا درجہ حضور ﷺ سے بڑھ گیا۔

مشکل الفاظ کے معانی

"مُرْدِفِيْنَ" کے معنیٰ ہیں: متتابعین، یکے بعد دیگرے[1]۔ "**فامده الله تعالیٰ بالملائكة**" اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے آپ ﷺ کی مدد فرمائی۔ "**حيزوم**" یہ فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے۔ "**خطم انفه**" اس کی ناک زخمی ہوگئی، "**ذلک من مددالسماء الثالثة**" مدد کے معنیٰ ہیں: ملائکہ، اور یہ تیسرے آسمان کے فرشتوں میں سے تھے، "**صناديد**" جمع ہے "**صنديد**" کی، سردار۔[2]

کافر قیدیوں کا معاملہ

مسلمانوں کو فتح ہوجانے کے بعد آپ ﷺ نے کفار کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ حضور! یہ آپ ﷺ کے قبیلے کے آدمی ہیں، اور سردار بھی ہیں، آپ ﷺ ان سے فدیہ لے لیں، اور ان کو چھوڑ دیں، ہوسکتا ہے یہ مسلمان ہوجائیں۔

حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! یہ بڑے پکے کافر ہیں، ان کی گردنیں اُڑانی چاہئیں، تاکہ کفر کی طاقت اچھی طرح ٹوٹ جائے، حضرت عمرؓ طبیعت کے سخت اور جری تھے، انہوں نے اس کے مطابق رائے دی، حضرت صدیق اکبرؓ نرم دل اور نرم طبیعت کے حامل تھے، لہٰذا انہوں نے اسی کے مطابق رائے دی، دونوں کی نیت خیر کی تھی، کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ یہ چاہتے تھے کہ یہ مسلمان ہوجائیں، اور حضرت عمرؓ چاہ رہے تھے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے، اور یہ دونوں کام خیر کے ہیں۔

ڈانٹ کی وجہ

آپ ﷺ کا رجحان حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے کی طرف ہوا، لہٰذا آپ ﷺ نے اسے اختیار فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کچھ ڈانٹ ہوئی، یہاں یہ اشکال ہے کہ ڈانٹ کیوں پڑی؟

کیونکہ دونوں آراء اپنی جگہ درست تھیں، اور اس سے پہلے قرآن کریم میں فدیہ لینے کی ممانعت

---

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم ج۲ص۹۳ ولسان العرب حرف الفاء مادة "ردف" ۹/۱۱۴۔

(۲) الدیباج علی مسلم تحت هذا الحدیث: ج۳/ص۱۵۴ ولسان العرب حرف الدال، مادة "صند" ۳/۲۶۰

نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ فدیہ لینے کا جواز آچکا تھا، کیوں کہ غزوۂ بدر سے ایک سال پہلے ایک سریۃ ہو چکا تھا، اور اس میں فدیہ لینے کا واقعہ پیش آچکا تھا، اگر کافروں سے فدیہ لینا ممنوع ہوتا، تو اس موقع پر ممانعت ہو چکی ہوتی، لیکن ممانعت نہیں ہوئی، اس کے باوجود غزوۂ بدر کے بعد قیدیوں سے فدیہ لینے پر یہ ڈانٹ کیوں پڑی؟ جس کے نتیجے میں اس حدیث کے مطابق حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں رونے لگے، حضرت عمرؓ تشریف لائے، اور رونے کی وجہ دریافت فرمائی، فرمایا کہ ہم نے جو فدیہ لیا ہے، اور قتل نہیں کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے غصّے کا اظہار فرمایا ہے۔

شارحینؒ نے اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) ... ایک وجہ یہ ہے کہ اگرچہ واقعۃً کوئی ناجائز کام نہیں کیا گیا، اور دونوں پہلو جائز تھے، مگر ایک پہلو اعلیٰ تھا، اور ایک پہلو ادنیٰ تھا، اور موقع نہایت اہم اور واقعہ بہت عظیم تھا، ایسے موقع پر اعلیٰ کو اختیار کرنا چاہئے تھا، نہ کہ ادنیٰ کو، اعلیٰ وہ تھا، جو حضرت عمرؓ کی رائے تھی، کیونکہ اس پر عمل کرنے سے کفر کی طاقت کا ٹوٹنا یقینی تھا، جبکہ فدیہ لیکر چھوڑنے میں ان کے مسلمان ہو جانے کی امید موہوم تھی، تو اس موقع پر اعلیٰ کو اختیار نہ کرنے پر تنبیہ ہوئی، کیونکہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کرنے پر تنبیہ بڑے لوگوں کی ہو جاتی ہے۔[۱]

(۲) ... دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک رائے اولیٰ تھی، اور دوسری رائے خلاف اولیٰ تھی، حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے خلاف اولیٰ تھی، اور حضرت عمرؓ کی رائے اولیٰ تھی، اور مقرّب اور معظّم لوگوں کی معمولی سی باتوں پر اور خلاف اولیٰ بات پر بھی تنبیہ ہو جاتی ہے۔

(۱۹)

باب ربط الأسير و حبسه، و جواز المنّ عليه

(قیدیوں کو باندھنے، گرفتار کرنے اور ان پر احسان کرنے کے جواز کے احکام)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قال نا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ :بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ،

(۱) المفهم للقرطبي: ۹۹/۱۱ و اكمال المعلم للقاضي عياض: ج۶ ص۴۹

فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ :ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟ فَقَالَ :عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ، إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ، (الى قوله) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ ، فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ :أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، يَا مُحَمَّدُ، وَاللهِ، مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ كُلِّهَا إِلَيَّ، وَاللهِ، مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ، فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ كُلِّهِ إِلَيَّ، وَاللهِ، مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ، فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ، وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِي وَأَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرَى؟ فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَعْتَمِرَ، فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ :أَصَبَوْتَ، فَقَالَ :لَا، وَلَكِنِّي أَسْلَمْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا وَاللهِ، لَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص۹۳ سطر ۱۵ تا ص۹۴ سطر۸)

تشریح

اس باب میں ''ثمامة بن اثال سيّد أهل اليمامة'' کا واقعہ مذکور ہے ''يمامة'' ایک جگہ کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ اور یمن کے درمیان واقع تھی، جہاں قبیلۂ ''بنو حنيفة'' آباد تھا، جو بڑا مشہور و معروف قبیلہ ہے، اسی قبیلے سے ''مسيلمة كذاب'' کا تعلق تھا، اس قبیلے کے سردار ''ثمامة بن اثال'' تھے' حضور ﷺ نے ''نجد'' کی طرف (جہاں 'يمامة' بھی پڑتا ہے) ایک لشکر روانہ فرمایا، اس لشکر نے ''يمامة'' کے رئیس ''ثمامة بن اثال'' کو گرفتار کرلیا، اور مسجدِ نبوی میں لا کر ایک ستون سے باندھ

دیا، اس کا واقعہ حدیث میں آرہا ہے، جس میں کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن یہاں دو مسئلے سمجھنے کے ہیں۔

(۱) ... کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، یا نہیں؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، یا نہیں؟

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجدِ حرام میں، اور حرم میں کافر کا داخل ہونا ناجائز ہے، باقی تمام مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، اس میں مسجدِ نبوی بھی داخل ہے، چنانچہ اسی وجہ "ثمامة بن اثال" کو حالتِ کفر میں وہاں داخل کیا گیا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کافر کا مطلقاً مسجد میں داخل ہونا منع ہے، چاہے مسجدِ حرام ہو، مسجدِ نبوی ہو، اور چاہے کوئی اور مسجد ہو، اور وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مذکورہ حدیث قرآن کریم کی آیت:

"اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" (۱)

سے پہلے کی ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب کافروں کو نجس قرار دیا گیا ہے، لہٰذا وہ کسی بھی مسجد میں نہیں جاسکتے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف اہلِ کتاب مسجد میں داخل ہوسکتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر کفار داخل نہیں ہوسکتے۔ (۲)

(۲) ... اسلام لانے کے لئے غسل کرنا واجب ہے، یا نہیں؟

اس کے بعد حضرت ثمامة کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو، چنانچہ آزاد ہونے کے بعد وہ ایک باغ میں گئے، غسل کیا، کپڑے پہنے، اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا، اب اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اسلام لانے کیلئے غسل کرنا واجب ہے، یا نہیں؟

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمهما الله فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے لئے غسل کرنا واجب ہے، کیونکہ حالتِ کفر میں ناپاکی کی حالت بھی رہی ہوگی، لہٰذا اسلام قبول کرنے

---

(۱) سورة التوبة: ۲۸

(۲) اكمال المعلم للقاضي عياضؒ تحت هذا الحديث: ج۶/۵۰ والمفهم: ج۱۱/۱۰۱ اس آیتِ مبارکہ اور حدیثِ باب کی کئی توجیہات حضرات احناف نے بیان کی ہیں ان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: البحر الرائق كتاب الكراهية: فصل في البيع الخ ۲۲/ ۱۹۰ والعناية في شرح الهداية كتاب الكراهية مسائل متفرقة: ۱۴/۲۹۲۔

کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کافر جنبی ہو، تو غسل کرنا واجب ہے، جنبی نہ ہو، تو واجب نہیں۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے مطلقاً غسل کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، کیونکہ ہزاروں آدمی حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام لائے، اگر غسل واجب ہوتا، اور ہر ایک غسل کرتا، تو ان کا غسل کرنا تواتر کے ساتھ منقول ہوتا، جیسے ان کا مسلمان ہونا تواتر سے منقول ہے، لیکن ایسا کہیں منقول نہیں ہے، جب منقول نہیں ہے، تو معلوم ہوا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔(۱)

مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح

''سارية'' ستون کو کہتے ہیں۔(۲) ''ان تقتل تقتل ذا دم'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ قتل کریں گے، تو وہ مستحقِ قتل ہے، اس کو قتل کر کے آپ ﷺ کوئی ناحق ظلم نہیں کریں گے۔(۳) ''وان تنعم تنعم علی شاکر'' اور اگر آپ ﷺ اس پر رحم فرمائیں گے، تو وہ آپ ﷺ کا شکر گزار ہوگا۔

(۲۰)

باب إجلاء اليهود من الحجاز

(یہود کو حجازِ مقدس سے جلاوطن کر دینے کے احکام)

''کتابُ الجهاد'' کے شروع میں بتلایا گیا تھا کہ مدینہ منوّرہ میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے:

(۱) ... بنونضیر (۲) ... بنوقینقاع

(۳) ... بنوقریظہ

بنو نضیر کا واقعہ آپ کے سامنے آگیا، اس باب میں بنو قینقاع کا واقعہ بیان ہوا ہے،

(۱) تكملة فتح الملهم: ج۳ ص۱۲۱

(۲) الصحاح في اللغة تحت مادة "سرى": ۱/۳۱۵

(۳) شرح النووي على صحيح مسلم تحت هذا الحديث: ۲/۹۴ وتكملة فتح الملهم: ج۳/۱۲۰

اور اس سے اگلے باب میں بنو قریظة کا ذکر آرہا ہے۔

بنو قینقاع کا واقعہ

آپ ﷺ "حجاز" کو یہودیوں سے پاک فرمانا چاہتے تھے، چنانچہ یہودیوں کی عہد شکنی کے نتیجے میں ۷ھ تک آپ ﷺ نے مدینہ سے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا۔

مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے:

(۱) ... اوس　　　(۲) ... خزرج

قبیلۂ "خزرج" کا سردار "عبداللہ بن ابی ابن سلول" تھا، یہ یہودیوں کے قبیلے بنو قینقاع کے حلیف تھا، اور قبیلة اوس کے سردار حضرت "سعدبن معاذؓ" تھے، جن کا واقعہ اگلے باب میں آرہا ہے، یہ بنو قریظة کے حلیف تھے، غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بنو قینقاع کو اسلام کی دعوت دی، اس کے جواب میں انہوں نے دو حرکتیں کیں، ایک تو جواب نہایت ہی دلخراش دیا، اور دوسرے ایک شرمناک حرکت کی۔

جواب یہ دیا کہ "بدر" میں عرب کے ان پڑھ اور جاہل لوگوں سے آپ ﷺ کا مقابلہ ہوا، جن کو لڑنا نہیں آتا تھا، اس لئے آپ ﷺ ان سے جیت کر (العیاذ باللہ!) مغرور نہ ہوں، ہم سے لڑو گے، تو پتہ چل جائے گا کہ ہم کون ہیں؟ یہ جواب دیکر انہوں نے معاہدے کی صریح خلاف ورزی کی۔

شرمناک حرکت یہ کی کہ محلۂ بنی قینقاع میں ایک بازار تھا، جس میں ایک یہودی سنار تھا، اسی کی دوکان کے سامنے ایک عرب عورت اپنا مالِ تجارت لے کر بیٹھ گئی، وہ پوری طرح باپردہ تھی، یہودی اپنی فطری شرارت پر اُتر آیا، اور اس نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح اس عورت کے چہرے سے پردہ ہٹے، تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ عورت کیسی ہے؟

چنانچہ اس نے اس عورت کے برقعہ کا کپڑا کسی طرح سے اس کی کمر پر باندھ دیا، جس کا اس عورت کو پتہ نہ چل سکا، اب وہ اٹھنے لگی، تو اس کی شرمگاہ سے پردہ ہٹ گیا، جس پر وہ یہودی اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے کہ لو! چہرہ تو نہ کھولا، لیکن شرمگاہ کھل گئی، اور وہ اس پر اتنا ہنسے کہ ایک دوسرے پر گرنے لگے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے، یہ منظر دیکھ کر ایک مسلمان سے رہا نہ گیا، اور اس نے اس سنار یہودی کو قتل کر دیا، یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔

آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی، یہ ان کی جانب سے معاہدے کی صریح خلاف

ورزی تھی، جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے ان پر چڑھائی کی، یہ لوگ اپنے قلعے میں محصور ہو گئے، آپ ﷺ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا، پندرہ دن کے بعد انہوں نے اپنے حلیف انصاری قبیلہ خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول سے کہا کہ آپ جا کر حضور ﷺ سے ہمارے لئے بات کریں، جو حضور ﷺ فیصلہ فرمائیں گے، ہمیں منظور ہوگا، آپ ﷺ نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا، تو عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ حضور! آپ ﷺ ان کا خون معاف فرمادیں، اور ان کو جلاوطن ہونے کی اجازت دے دیں، آپ ﷺ نے اجازت دے دی، اس طرح سے ان لوگوں کو مدینہ منورہ سے مقامِ ''اذرعات'' کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔[1]

حَدَّثَنِی زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ :أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا.(۹۴ سطر ۱۹ تا ۲۱)

تشریح

قوله : لأخرجن اليهود، والنصارى من جزيرة العرب (ص ۹۳ سطر ۲۱)

حضرت عمر بن خطاب ؓ کی اس روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں ضرور یہود و نصاری کو جزیرۂ عرب سے نکال دوں گا''

اور پھر وقتاً فوقتاً جلاوطنی کے واقعات پیش آئے، حتیٰ کہ ۷ ھ میں آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو مکمل طور پر یہودیوں سے پاک فرمادیا۔

(۲۱)

باب جواز قتال من نقض العهد...

(عہد شکنی کرنے والے سے جنگ کرنے کے جواز کے احکام)

اس باب میں یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ کے ہلاک کرنے کا ذکر ہے، غزوۂ خندق میں

(۱) تکملة فتح الملهم: ج۳/ ۱۲۴

بنو قریظۃ نے کفار مکہ کا ساتھ دیا، اور حضور ﷺ کے ساتھ جوان کا معاہدہ تھا، کہ نہ حضور ﷺ سے لڑیں گے، اور نہ ہی حضور ﷺ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، اسکی صراحۃً خلاف ورزی کی، اس لئے غزوۂ خندق سے فارغ ہوتے ہی حضرت جبرئیل امین آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے، اورعرض کیا کہ آپ ﷺ نے ابھی سے اپنے ہتھیار اُتار دیئے، ابھی تو ایک اورمہم باقی ہے، اور وہ بنو قریظۃ ہیں، چنانچہ آپ ﷺ بنو قریظۃ کی طرف تشریف لے گئے، اور وہاں جا کران کا محاصرہ کرلیا، اس محاصرے کے دوران انہوں نے اپنے حلیف انصاری قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کوحَکم مقرر کیا، اور کہا کہ جوفیصلہ وہ کریں گے، وہ ہمیں منظور ہوگا، ان کا خیال یہ تھا کہ جس طرح بنو نضیر کے معاملہ میں ان کے حلیف خزرج کے سردار عبداللّٰہ بن ابی نے ان کی جان بخشی کروائی تھی، اور حتی الامکان کچھ مال واسباب بھی ساتھ لیجانے کی اجازت دلوادی تھی، حضرت سعد بھی اسی طرح کریں گے، اس لئے انہوں نے ان سے یہ امید باندھ کران کوحَکم مقرر کیا، حضرت سعد بن معاذؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ان کے تمام جنگجو آدمیوں کوقتل کردیا جائے، اور باقی مردوں اورعورتوں کوغلام اور باندی بنالیا جائے، اور جو مال واسباب ہے، اس کو مالِ غنیمت کے طور پرتقسیم کرلیا جائے۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ :نَزَلَ أَهْلُ قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَعْدٍ، فَأَتَاهُ عَلَى حِمَارٍ، فَلَمَّا دَنَا قَرِيبًا مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ :قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ أَوْ خَيْرِكُمْ ، ثُمَّ قَالَ :إِنَّ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ ، قَالَ :تَقْتُلُ مُقَاتِلَتَهُمْ وَتَسْبِي ذُرِّيَّتَهُمْ، قَالَ :فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللهِ ، وَرُبَّمَا قَالَ :قَضَيْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ ، وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ الْمُثَنَّى وَرُبَّمَا قَالَ :قَضَيْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ. (ص ۹۵ سطر ۱ تا ۵)

تشریح

کسی کے آنے پر اس کے لئے کھڑے ہونے کی سات صورتیں

قوله : قوموا إلى سيدكم (ص ۹۵ سطر ۳،۴)

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: البداية والنهاية فصل في غزوة قريظة، ج ۴ ص ۱۳۳ تا ۱۴۵۔

جب حضرت سعد بن معاذؓ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا: "قوموا الی سیّدکم" "اپنے سردار کے لئے اٹھو! یا فرمایا کہ اپنے سے بہتر شخص کے لئے اٹھو!"

کسی کے آنے پر اس کے لئے کھڑا ہونے کا کیا حکم ہے؟ اس کی شارحینؒ نے سات صورتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) ... ایک صورت یہ ہے کہ سردار بیٹھا رہے، اور باقی تمام لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں، جیسا کہ عجمی بادشاہوں کا طریقہ رہا ہے، تعظیم کی یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ سردار اپنے لئے کھڑے ہونے کو پسند کرے، یعنی اس کی چاہت یہ ہو کہ جب میں آؤں، یا بیٹھوں، تو لوگ میری تعظیم میں کھڑے ہوں، یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

(۳) ... تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کھڑے ہونے کی چاہت تو نہیں رکھتا، لیکن اس کے لئے کھڑے ہونے میں اس کے تکبر، خود پسندی اور عجب میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، ایسی صورت میں اس کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

ان تین صورتوں میں سے پہلی دو صورتیں ناجائز اور تیسری صورت مکروہ ہے، جبکہ آگے تین صورتیں بالکل جائز اور مندوب ہیں۔

(۴) ... کسی کے لئے کھڑا ہونے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص سفر سے واپس آئے، تو اس کے لئے کھڑا ہونا مندوب ہے، یہ صورت حضور ﷺ سے ثابت بھی ہے۔

(۵) ... پانچویں صورت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائیں، کوئی خوشی عطا فرمائیں، اور اس پر اس کو مبارکباد دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں، یہ صورت بھی مندوب ہے۔

(۶) ... چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی کو کوئی صدمہ یا تکلیف پہنچ جائے، تو تسلی دینے کے لئے اس کے آنے پر کھڑے ہو جائیں، یہ بھی مندوب ہے۔

(۷) ... ساتویں صورت یہ ہے کہ کسی کے آنے پر اکراماً کھڑا ہونا، جیسے استاد درس گاہ میں آئے، تو ان کی تعظیم میں کھڑا ہونا، یا شیخ آئے، تو ان کی تعظیم میں کھڑا ہونا، یا ماں باپ آئیں، تو ان کی تعظیم

میں کھڑا ہونا۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب صحابہ کرامؓ کے پاس تشریف لاتے تھے، تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے اپنے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند فرماتے تھے۔

لیکن جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں، وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کا کسی چیز کو اپنے لئے ناپسند کرنا اس کے ناجائز ہونے کو مستلزم نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ جائز ہو، لیکن آپ ﷺ اپنے لئے اس کو ناپسند فرماتے ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ کسی کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے، ان کی دلیل حضور ﷺ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کا عمل ہے کہ جب حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے، تو وہ حضور ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتی تھیں، اور جب حضرت بی بی فاطمہؓ حضور ﷺ کے پاس تشریف لاتیں، تو حضور ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے [1]، اسی طرح اپنے بڑے یا استاذ کے لئے بھی کھڑا ہونا چاہئے، اگر کوئی استاذ منع کر دے، تو اس کے لئے نہ کھڑے ہوں، ورنہ ہر استاذ کے لئے کھڑا ہونا چاہئے۔

قوله : فقال النبی ﷺ : قضیت بحکم اللّٰہ (ص ۹۵ سطر ۴)

آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کا فیصلہ سن کر فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح سے بنو قریظۃ کا خاتمہ ہوا۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْعَرِقَةِ رَمَاهُ فِي الْأَكْحَلِ، فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ يَعُودُهُ مِنْ قَرِيبٍ، (الی قوله) فَرَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُكْمَ فِيهِمْ إِلَى سَعْدٍ، قَالَ :فَإِنِّي أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ، وَأَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ وَالنِّسَاءُ، وَتُقْسَمَ أَمْوَالُهُمْ.(ص ۹۵ سطر ۶،۷)

تشریح

قوله : رماہ فی الأکحل (ص ۹۵ سطر ۷)

(۱) تکملۃ فتح الملہم: ج ۳/۱۲۶ تا ۱۲۸

حضرت سعدؓ کو جنگِ خندق میں ایک کافر نے تیر مارا، جوان کی رگِ اکحل میں لگا۔

(الأكحل) هو عرق في وسط الذراع إذا قطع لم يرقأ الدم، قال النووي: و هو عرق الحياة في كل عضو منه شعبة لها اسم. (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ سَعْدًا، قَالَ وَتَحَجَّرَ كَلْمُهُ لِلْبُرْءِ، فَقَالَ :اللهُمَّ، إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنْ لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَ فِيكَ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا رَسُولَكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخْرَجُوهُ، اللهُمَّ، فَإِنْ كَانَ بَقِيَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْءٌ، فَأَبْقِنِي أُجَاهِدْهُمْ فِيكَ، اللهُمَّ، فَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ، فَإِنْ كُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَافْجُرْهَا، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِيهَا ، فَانْفَجَرَتْ مِنْ لَبَّتِهِ، فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا وَالدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ، فَقَالُوا :يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هَذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ، فَإِذَا سَعْدٌ جُرْحُهُ يَغِذُّ دَمًا، فَمَاتَ فِيهَا. (ص ۹۵ سطر ۱۲ تا ۱۵)

تشریح

قوله : وتحجّر كلمه للبرء (ص ۹۵ سطر ۱۲)

"**تحجر**" کا معنیٰ ہے: سخت ہوگیا۔ "**كلم**" زخم کو کہتے ہیں۔ "**للبرء**" اچھا ہونے کے لئے۔

جب حضرت سعد کا زخم (خشک ہوکر) سخت ہوگیا، (۲) تو انہوں نے دعا کی کہ یا اللہ! اگر قریش سے دوبارہ جنگ باقی ہے، تو مجھے زندہ رکھیے، تاکہ میں اس لڑائی میں بھی شریک ہوں، اور اگر ان سے کوئی جنگ باقی نہیں ہے، تو یا اللہ! اس زخم کو جاری فرما دیجئے، تاکہ میں اس میں شہید ہوجاؤں، چنانچہ ان کے زخم سے خون جاری ہوگیا، اور پھر اسی میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت سعدؓ کی طرف سے یہ موت کی تمنا نہیں تھی، بلکہ شہادت کی تمنا تھی (۳)، اور شہادت کی تمنا عینِ عبادت ہے، اس میں ان کی دعا کی قبولیت بھی ظاہر ہوئی کہ غزوۂ خندق کے بعد فتح مکہ

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵

(۲) مشارق الانوار، حرف الحاء: ج ۱ ص ۳۵۲۔

(۳) شرح النووی علی صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۵

سے پہلے کفار سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی، اور فتح مکہ میں بھی عام طور پر لڑائی نہیں ہوئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نہایت رعب اور دبدبے کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخلہ نصیب فرمایا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْكُوفِيُّ، قال نا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ :فَانْفَجَرَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَمَا زَالَ يَسِيلُ حَتّٰى مَاتَ، وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ، قَالَ :فَذَاكَ حِينَ يَقُولُ الشَّاعِرُ

أَلَا يَا سَعْدُ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ ...فَمَا فَعَلَتْ قُرَيْظَةُ وَالنَّضِيرُ

لَعَمْرُكَ إِنَّ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ ...غَدَاةَ تَحَمَّلُوا لَهُوَ الصَّبُورُ

تَرَكْتُمْ قِدْرَكُمْ لَا شَيْءَ فِيهَا ...وَقِدْرُ الْقَوْمِ حَامِيَةٌ تَفُورُ

وَقَدْ قَالَ الْكَرِيمُ أَبُو حُبَابٍ ...أَقِيمُوا قَيْنُقَاعُ وَلَا تَسِيرُوا

وَقَدْ كَانُوا بِبَلْدَتِهِمْ ثِقَالًا ...كَمَا ثَقُلَتْ بِمَيْطَانَ الصُّخُورُ

(ص۹۵ سطر۱۲ تا ص۹۶ سطر۲)

تشریح

قوله : أ لا يا سعد، سعد بني معاذ فما فعلت قريظة و النضير (ص۹۵ سطر۱۷)

یہ اشعار جبل بن جوال الثعلبی نامی ایک شاعر کے ہیں، جس وقت اس نے یہ اشعار کہے، اس وقت وہ مسلمان نہیں تھا، ان اشعار میں اس نے سعد بن معاذؓ کی مذمت کی ہے، کیونکہ انہوں نے بنو قریظہ کی حمایت اور مدد نہیں کی، اور ان کی جان بچانے کی کوشش نہیں کی، اور عبداللہ بن ابی جو قبیلۂ خزرج کا رئیس تھا، اس کی تعریف کی ہے، کیونکہ اس نے بنو قینقاع کی مدد کی تھی، اور ان کی جان بچائی تھی۔[1]

(۲۲)
باب المبادرة بالغزو

(جہاد میں جلد جانے اور دو متعارض کاموں میں سے اہم کام کو پہلے کرنے کا بیان)

اس باب میں بنو قریظہ پر حملہ کرنے کا ذکر ہے، پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ مدینہ منورہ

(۱) تکملة فتح الملهم: ج۳/۱۳۱،۱۳۲

میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبیلے آباد تھے:

(۱) ... بنو نضیر　(۲) ... بنو قینقاع

(۳) ... بنو قریظہ۔

بنو قریظۃ نے غزوۂ خندق کے موقعہ پر کفار مکہ کی مدد کی، اور انہیں حضور ﷺ کے خلاف ابھارا، اور ان کا ساتھ دیا، چنانچہ غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد جب سرکار دو عالم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے، تو آپ ﷺ نے غسل فرمایا، کپڑے تبدیل فرمائے، اور خوشبو لگائی، اتنے میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوگئے، اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ ﷺ نے ہتھیار بھی رکھ دیے، دیکھیں! ہم نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اُتارے، ابھی تو ایک معرکہ باقی ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کہاں چلنا ہے؟ کہا کہ بنو قریظۃ پر حملہ کرنا ہے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :نَادَى فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ انْصَرَفَ عَنِ الْأَحْزَابِ أَنْ لا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ ، فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ، فَصَلَّوْا دُونَ بَنِي قُرَيْظَةَ، وَقَالَ آخَرُونَ :لَا نُصَلِّي إِلَّا حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ، قَالَ :فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِنَ الْفَرِيقَيْنِ. (ص ۹۶ سطر ۲ تا ۴)

تشریح

قوله : نادى فينا رسول الله ﷺ يوم انصرف عن الأحزاب

(ص ۹۶ سطر ۲، ۳)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبانی پیغام سن کر آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو پکارا اور حکم دیا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظۃ میں، اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ فوراً بنو قریظۃ پہنچ جائیں، اور وہیں جا کر ظہر کی نماز پڑھیں۔

ایک اشکال

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظۃ میں

جا کر پڑھے، اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظۃ میں۔

جواب

اس اشکال کو اس طرح دور کیا گیا ہے کہ جس وقت بنو قریظۃ کی طرف جانے کا حکم دیا گیا، اس وقت ظہر کا وقت شروع ہو چکا تھا، کچھ لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی، کچھ نے نہیں پڑھی تھی، جن لوگوں نے ابھی تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، ان کے لئے یہ حکم تھا کہ ظہر کی نماز یہاں نہیں پڑھنی، بلکہ بنو قریظۃ میں پہنچ کر پڑھنی ہے، اور جن لوگوں نے ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ لی تھی، ان کے لئے حکم ہوا کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظۃ میں پہنچ کر پڑھیں، اس بناء پر ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (۱)

اس حکم کے بعد صحابہ کرامؓ جب فوراً تیاری کر کے بنو قریظۃ پہنچے، راستے میں عصر کی نماز قضا ہونے کا خطرہ ہوا، اب صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا کہ ہم عصر کی نماز راستے میں ہی اپنے وقت پر پڑھ لیں، یا بنو قریظۃ پہنچ کر قضا کر لیں، بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ راستے میں بالکل بھی عصر کی نماز نہیں پڑھنا، گویا انہوں نے حضور ﷺ کی نہی کو ''نہیِ حقیقی'' پر محمول کیا، اور کہا کہ جب حضور ﷺ نے منع فرما دیا، تو اب عصر کی نماز بنو قریظۃ پہنچ کر ہی پڑھیں گے، چاہے قضا ہو جائے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور بنو قریظۃ پہنچ کر نمازِ عصر ادا کی۔

اور بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کا منع فرمانا، ''نہیِ حقیقی'' نہیں ہے، بلکہ ''نہیِ مجازی'' ہے، آپ ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ نمازِ عصر قضا کر دینا، مقصد یہ تھا کہ بنو قریظۃ جلد سے جلد پہنچو، لہٰذا انہوں نے راستے میں رُک کر عصر کی نماز پڑھی، اور نماز پڑھ کر پھر بنو قریظۃ پہنچے۔

قولہ : فما عنف واحدا من الفریقین الخ

یہ دونوں قسم کی صورتحال آپ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی، تو کسی بھی فریق پر آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی، وجہ اس کی یہ تھی کہ دونوں طرف مجتہد تھے، اور مجتہد اگر خطا بھی کرے، تو اس کو ایک ثواب ملتا ہے۔ (۲)

---

(۱) شرح نووی: ج ۲ ص ۹۶

(۲) شرح نووی: ج ۲ ص ۹۶

(۲۳)

باب رد المهاجرين إلى الأنصار منائحهم من الشجر والثمر حين استغنوا عنها بالفتوح

(اس باب میں انصار کے عطایا اور منائح واپس کرنے کا ذکر ہے)

"عطایا" جمع ہے "عطية" کی۔ "منائح" جمع ہے "منيحة" کی، اور عطية اور منيحة کسی کو ہدیہ دینے کو کہتے ہیں۔

ہدیہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ہدیہ وہ ہوتا ہے، جس میں مالکانہ حقوق بھی "مهدى اليه" کو دے دیے جاتے ہیں۔ اور ایک ہدیہ وہ ہوتا ہے، جو عاریت کے طور پر دیا جاتا ہے، حدیث میں عاریت کے طور پر دینا مراد ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تو مدینہ منورہ میں نہ ان کی زمینیں تھیں، نہ ان کے مکانات تھے، اور نہ ان کے پاس کوئی خاص مال و دولت تھا، مالدار مہاجرین صحابہؓ کی تعداد بہت کم تھی، اکثر فقراء، غرباء اور مساکین تھے، اس وقت انصار مدینہ نے ایثار و قربانی کی ایسی مثال قائم کی کہ آج تک ان کا روشن مینار چمک رہا ہے، کوئی قوم آج تک اس کی نظیر پیش نہیں کر سکی، اور نہ - إن شاء الله تعالىٰ - کر سکے گی، انہوں نے اپنے کھجور کے باغات مہاجرین کو بطورِ مستعار ہدیہ کے دے دیے، اور کہا کہ یہ آپ لے لیں، جو پھل آئے، وہ آپ کا ہوگا، پھر بعض مہاجرین ایسے تھے کہ جنہوں نے ایک شرط کے ساتھ لینے پر رضامندی ظاہر کی کہ ہم اس میں محنت کریں گے، جو پھل آئے گا، اس کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے، اس کو "مساقاة" کہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا، -وَقَالَ حَامِدٌ، وَابْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى أَنَّ الرَّجُلَ -كَانَ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخَلَاتِ مِنْ أَرْضِهِ حَتَّى فُتِحَتْ عَلَيْهِ قُرَيْظَةُ وَالنَّضِيرُ، فَجَعَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِ مَا كَانَ أَعْطَاهُ، قَالَ أَنَسٌ :وَإِنَّ أَهْلِي أَمَرُونِي أَنْ آتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْأَلَهُ مَا كَانَ أَهْلُهُ أَعْطَوْهُ أَوْ بَعْضَهُ، وَكَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَعْطَاهُ أُمَّ أَيْمَنَ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيهِنَّ، فَجَاءَ تْ أُمُّ أَيْمَنَ فَجَعَلَتِ الثَّوْبَ فِي عُنُقِي، وَقَالَتْ: وَاللهِ، لَا نُعْطِيكَاهُنَّ وَقَدْ أَعْطَانِيهِنَّ. فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أُمَّ أَيْمَنَ، اتْرُكِيهِ وَلَكِ كَذَا وَكَذَا، وَتَقُولُ: كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: كَذَا حَتَّى أَعْطَاهَا عَشَرَةَ أَمْثَالِهِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ عَشَرَةِ أَمْثَالِهِ. (ص ۹۶ سطر ۲۱ ص ۹۷ سطر ۱)

تشریح

چار حضرات کا تعارف

حدیث میں حضرت ام سُلیمؓ، ان کے صاحبزادے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ، اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہم کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ مشہور صحابی ہیں، حضرت ام سُلیمؓ ان کی اہلیہ ہیں، حضرت انسؓ، حضرت امّ سُلیمؓ کے پہلے شوہر کے بیٹے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ، یہ حضرت ام سُلیمؓ کے دوسرے بیٹے ہیں، جو حضرت ابوطلحہ انصاری سے ہیں، حضرت انسؓ حضور ﷺ کے خادم ہیں، جنہوں نے دس سال حضور ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی، ان کی والدہ حضرت ام سلیمؓ نے حضور ﷺ کو اپنا ایک کھجور کا درخت بطور مستعار دیا تھا، کہ پھل آپ ﷺ کا، اور درخت ہمارا، آپ ﷺ نے وہ درخت حضرت ام ایمنؓ کو عطا فرمادیا، حضرت ام ایمنؓ آپ ﷺ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کی باندی تھیں، یہ حبشہ کی رہنے والی تھیں، اور انہوں نے بچپن میں حضور ﷺ کی پرورش کی تھی، اور آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا، اس لئے یہ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ بھی ہیں، آپ ﷺ کے والدِ ماجد کے بعد یہ آپ ﷺ کے حصّے میں آئیں، تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد فرمادیا، اور حضرت زید بن حارثہؓ جو آپ ﷺ کے متبنّیٰ (منہ بولے بیٹے) تھے، اُن سے اِن کا نکاح کردیا، ان سے حضرت اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے بھی حضور ﷺ کو اولاد کی طرح محبت تھی، حضور ﷺ کے وصال کے چار پانچ ماہ بعد حضرت ام ایمنؓ بھی وفات پاگئی تھیں۔ (۱)

---

(۱) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: الإصابة في معرفة الصحابة، فصل فيمن عرف بالكنية من النساء، حرف الألف، القسم الأول ج ۴ ص ۷۷۔

جب آپ ﷺ نے حضرت اُمّ ایمنؓ کو کھجور کا درخت دیا، تو وہ یہ سمجھیں کہ آپ ﷺ نے مجھے مالکانہ طور پر عطا فرمایا ہے، حالانکہ مالکانہ طور پر نہیں دیا تھا، بلکہ مستعار دیا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جب خیبر فتح کروادیا، تو خیبر چونکہ سونے کی چڑیا تھی، وہاں سے صحابہ کرامؓ کو بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل ہوا، جو آپ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم فرمایا، مہاجرین سارے کے سارے مالدار ہوگئے، اور چونکہ یہ سب حضرات غیرت مند تھے، اور بحالتِ مجبوری ان منائح وعطایا پر گزارہ کررہے تھے، لہٰذا جیسے ہی اللہ پاک نے ان کو فراخی اور وسعت عطا فرمائی، انہوں نے اپنے انصاری بھائیوں کے باغات، جو بطورِ مستعار ان کے پاس تھے، یا بطورِ مساقاۃ ان کے پاس تھے، وہ واپس کرنے شروع کردیے۔

اسی طرح یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں، یعنی بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظة کے ختم ہوجانے کے بعد آپ ﷺ کے پاس بھی کافی مال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آگیا، آپ ﷺ نے بھی وہ اموال، جو انصار کی طرف سے آپ ﷺ کو ملے تھے، انصار کو لوٹانے شروع کیے، اس موقع پر حضرت اُمّ سُلیم نے حضرت انسؓ کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا جو درخت حضور ﷺ کے پاس ہے، وہ جاکر واپس لے لو، اور واپس لینے میں اصلاً ان کی دل کی چاہت نہیں تھی، بلکہ یہ پیشِ نظر تھا کہ جب حضور ﷺ خود ہی واپس کررہے ہیں، تو ہم بھی حضور ﷺ کے استعمال میں رہنے والے درخت کو واپس لے لیں۔

قوله: فجاء ت أم أيمن فجعلت الثوب في عنقي، (ص ۹۶ سطر ۱۵، ۱۶)

چنانچہ حضرت انسؓ نے حضور ﷺ سے جاکر درخواست کی، تو حضور ﷺ نے حضرت ام ایمنؓ سے فرمایا کہ بھئی! وہ درخت واپس دے دو، انہوں نے انکار کردیا، اور حضرت انسؓ کی گردن میں کپڑا ڈال کر کہا کہ میں نہیں دوں گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے امِ ایمن! اس کو چھوڑ دو، اور اتنا اتنا لے لو، انہوں نے کہا کہ "کلا" ہرگز نہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو اس درخت کے دس گنا یا اس کے قریب قریب درخت دیے، تب جاکر وہ دینے پر راضی ہوئیں۔

ان کا انکار اس بناء پر تھا کہ وہ یہ سمجھی تھیں کہ حضور ﷺ نے ملکیت کے طور پر دیا ہے، حالانکہ وہ

عاریت کے طور پر تھا، اور حضور ﷺ نے ان کی طرف سے جو سختی برداشت کی، وہ اس لئے کی کہ وہ ماں کی جگہ تھیں، اور آپ ﷺ نے ازراہِ تبرّع واحسان ان کے ساتھ یہ سلوک فرمایا۔ [۱]

مشکل الفاظ کے معانی

''العقار'' عقار ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جس کی کوئی جڑ ہو، یہاں اس سے مراد کھجور کا درخت ہے، کیونکہ اس کی بھی جڑ ہوتی ہے، اور اسی طرح مکان کی جڑ بھی زمین کے اندر ہوتی ہے، اس لئے مکان کو بھی ''عقار'' کہتے ہیں۔ [۲] ''منائحهم'' منائح :منيحة کی جمع ہے، منيحة اس عطیہ کو کہتے ہیں، جو کسی کو بطورِ عاریت کے دیا جائے۔ [۳] ''عِذاق'' جمع ہے '' عِذْق ''کی، کھجور کا درخت۔ [۴] ''وصيفة'' باندی کو کہتے ہیں۔ [۵]

(۲۴)

باب جواز الأكل من طعام الغنيمة في دار الحرب

(دار الحرب میں مالِ غنیمت کی کھانے کی چیز کھانا جائز ہے)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ :أَصَبْتُ جِرَابًا مِنْ شَحْمٍ، يَوْمَ خَيْبَرَ، قَالَ :فَالْتَزَمْتُهُ، فَقُلْتُ لَا أُعْطِي الْيَوْمَ أَحَدًا مِنْ هَذَا شَيْئًا، قَالَ :فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَسِّمًا .

(ص۹۷ سطر ۱تا۳)

تشریح

''جراب'' چمڑے کا تھیلا۔ [۶] ''شحم'' چربی۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خیبر کے دن ایک چمڑے کا تھیلا ملا، جس میں کھانا اور چربی وغیرہ تھی، میں نے لپک کر اسے پکڑا اور اُسے دبالیا، اور کہا کہ میں آج کسی کو اس میں سے کوئی چیز نہیں دوں گا، فرماتے ہیں کہ میں نے مڑکر دیکھا، تو وہاں سرکارِ دوعالم ﷺ موجود تھے، اور آپ ﷺ (میری حالت) پر تبسّم فرمارہے تھے۔

---

(۱) شرح نوویؒ: ج۲ص۹۷

(۲) لسان العرب حرف الراء مادة "عقر" ۴/ ۵۹۱

(۳) الفائق في غريب الحديث للزمخشري حرف الميم مع النون: ۱/ ۴۳۵

(۴) الفائق في غريب الحديث حرف العين مع الذال : ۱/ ۴۸۸

(۵) لسان العرب حرف الفاء مادة " وصف" ۹/ ۳۵۶

(۶) شرح نووي على صحيح مسلم ج۲ ص۹۷

اس باب میں دو مسئلے سمجھنے کے ہیں:

(۱) ... دارُالحرب میں مجاہدین مالِ غنیمت کس حد تک استعمال کر سکتے ہیں؟

(۲) ... یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے، یا نہیں؟

دارُالحرب میں مالِ غنیمت کے استعمال کی حد

پہلے مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک لشکرِ اسلام دارُالحرب کے اندر ہے، وہاں مالِ غنیمت میں جو کچھ بھی ہے، اس کا استعمال مجاہدین کے لئے جائز ہے، کھانے کی چیز ہو، تو کھانا جائز ہے، پینے کی چیز ہو، تو پینا جائز ہے، پہننے کی چیز ہو، تو پہننا، اور سواری کی چیزیں ہوں، تو ان پر سواری کرنا جائز ہے۔

اسی طرح اگر اسلحہ ہو، تو اسلحہ وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے، چاہے امام سے اجازت لیں، یا نہ لیں، تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسی صورت میں استعمال کرنے سے پہلے امام سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، البتہ امامِ اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ بغیر پوچھے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اسلحہ استعمال کرنے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ اس میں امام سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، البتہ اسکو بیچنا جائز نہیں ہے، اور اِسی طرح اُس کو اُٹھا کر دارالاسلام میں لانا جائز نہیں ہے، اگر اُٹھا لیا ہو، تو اس کو مالِ غنیمت میں واپس کرنا لازم ہے، اور اگر بیچ دیا ہو، تو اس کا بدل مالِ غنیمت میں واپس کرنا واجب ہے۔[1]

چونکہ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کو خیبر میں کھانے اور چربی سے بھرا ہوا تھیلا ملا تھا، اور انہوں نے اس کو اپنے ذاتی استعمال کیلئے اٹھایا تھا، اس لئے نہ تو انہوں نے اجازت لی، اور نہ ہی حضور ﷺ نے انہیں منع فرمایا جو اسکے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے، یا حرام؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ یہ چربی کسی یہودی کے جانور کی تھی، جس کو ظاہر ہے، اسی یہودی نے ذبح کیا ہوگا، تو آیا یہودی کا ذبیحہ حلال ہے، یا نہیں؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے، جبکہ یہودی واقعتاً یہودی ہو، یعنی صرف نام کا یہودی نہ ہو، بلکہ مذہب کے

(۱) شرح نوویؒ علی صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۷ و تکملة فتح الملهم تحت هذا الحديث: ج ۳ ص ۱۳۷ و ۱۳۸

اعتبار سے یہودی ہو، آسمانی شریعت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک ایک شرط اور ہے کہ یہودی نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام بھی لیا ہو، جبکہ شوافع کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔

بہر حال حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہودیوں کے ذبیحہ کو بلا کراہت حلال کہتے ہیں، اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حلال ہے، لیکن مکروہ ہے۔ (۱)

(۲۵)

باب كتب النبي صلى الله عليه وسلم إلى هرقل ملك الشام يدعوه إلى الإسلام

(دعوتِ اسلام کے خطوط ملکِ شام کے بادشاہ ھرقل کے نام)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الى قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ، أَخْبَرَهُ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيهِ، قَالَ :انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :فَبَيْنَا أَنَا بِالشَّامِ إِذْ جِيءَ بِكِتَابٍ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هِرَقْلَ يَعْنِي عَظِيمَ الرُّومِ، قَالَ :وَكَانَ دَحْيَةُ الْكَلْبِيُّ جَاءَ بِهِ، فَدَفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى، فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرَى إِلَى هِرَقْلَ، فَقَالَ هِرَقْلُ :هَلْ هَاهُنَا أَحَدٌ مِنْ قَوْمِ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ قَالُوا :نَعَمْ، قَالَ :فَدُعِيتُ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَدَخَلْنَا عَلَى هِرَقْلَ، فَأَجْلَسَنَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا مِنْ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ : فَقُلْتُ : أَنَا، فَأَجْلَسُونِي بَيْنَ يَدَيْهِ، وَأَجْلَسُوا أَصْحَابِي خَلْفِي، ثُمَّ دَعَا بِتَرْجُمَانِهِ، فَقَالَ لَهُ :قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا عَنِ الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ، (الى قوله) قَالَ: فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ؟ قُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ؟ قَالَ :قُلْتُ : تَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالًا يُصِيبُ مِنَّا وَنُصِيبُ مِنْهُ، قَالَ :فَهَلْ

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۷

يَغْدِرُ؟ قُلْتُ :لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ صَانِعٌ فِيهَا، قَالَ: فَوَاللهِ مَا أَمْكَنَنِي مِنْ كَلِمَةٍ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذِهِ، قَالَ :فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ؟ قَالَ :قُلْتُ :لَا، قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ :قُلْ لَهُ إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ حَسَبِهِ، فَزَعَمْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو حَسَبٍ، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا، وَسَأَلْتُكَ :هَلْ كَانَ فِي آبَائِهِ مَلِكٌ، فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، فَقُلْتُ :لَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ آبَائِهِ، وَسَأَلْتُكَ عَنْ أَتْبَاعِهِ أَضُعَفَاؤُهُمْ أَمْ أَشْرَافُهُمْ، فَقُلْتَ :بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ، وَسَأَلْتُكَ :هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، فَقَدْ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَدَعَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ، ثُمَّ يَذْهَبَ فَيَكْذِبَ عَلَى اللهِ، وَسَأَلْتُكَ :هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَهُ سَخْطَةً لَهُ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بَشَاشَةَ الْقُلُوبِ، وَسَأَلْتُكَ :هَلْ يَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ، وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَتِمَّ، وَسَأَلْتُكَ :هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّكُمْ قَدْ قَاتَلْتُمُوهُ فَتَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سِجَالًا يَنَالُ مِنْكُمْ وَتَنَالُونَ مِنْهُ، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلَى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ، وَسَأَلْتُكَ :هَلْ يَغْدِرُ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ لَا يَغْدِرُ، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ، وَسَأَلْتُكَ :هَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ :لَوْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ قُلْتُ رَجُلٌ ائْتَمَّ بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ، قَالَ :ثُمَّ قَالَ :بِمَ يَأْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ :يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ، قَالَ :إِنْ يَكُنْ مَا تَقُولُ فِيهِ حَقًّا فَإِنَّهُ نَبِيٌّ، وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ، وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّهُ مِنْكُمْ، وَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَأَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ، وَلَيَبْلُغَنَّ مُلْكُهُ مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ، قَالَ :ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ، وَ "يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا (الى قوله) فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ ارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ عِنْدَهُ وَكَثُرَ اللَّغَطُ، وَأَمَرَ بِنَا فَأُخْرِجْنَا، قَالَ، فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ خَرَجْنَا :لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، إِنَّهُ لَيَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ، قَالَ :فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا بِأَمْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَيَظْهَرُ، حَتَّى أَدْخَلَ اللهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ. (ص ۹۷ سطر ۵ تا ۹۸ سطر ۳)

تشریح

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ وہ روایت لائے ہیں، جس میں حضور اکرم ﷺ کے ہرقل شاہِ روم کے نام اپنا مکتوب مبارک روانہ فرمانے کا ذکر ہے، جس وقت آپ ﷺ نے اپنا یہ مکتوب ہرقل کے پاس بھیجا، اس وقت ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) روم میں موجود تھے، ہرقل نے مکتوب ملنے کے بعد ابوسفیان کو بلا کر روایت میں مذکور سوالات کئے، یہ سوالات مشہور و معروف ہیں، ان کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لفظی تشریح

"هرقل" اس کو بکسر الهاء وفتح الراء وسكون القاف "هِرَقْل" بھی پڑھ سکتے ہیں، اور بإسكان الراء وكسر القاف "هرْقِل" بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ روم کے بادشاہ کا لقب ہے، جیسے "کسریٰ" ایران کے بادشاہ اور "فرعون" قبطی قوم کے بادشاہ کا لقب ہے۔(۱)

"دحية كلبى" یہ حضور ﷺ کے مشہور صحابیؓ ہیں، آخر ان کی شکل میں حضرت جبرئیل امین

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم: ج۲ص۹۷

علیہ السلام تشریف لایا کرتے تھے[1]، ان کے ذریعہ آپ ﷺ نے ھرقل کی طرف مکتوب مبارک روانہ فرمایا۔

قولہ : تکون الحرب بیننا وبینہ سجال (ص۹۷ سطر ۱۳)

"سجال" ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ ڈول کنویں میں کبھی اوپر آتا ہے اور کبھی نیچے جاتا ہے، اس لئے لڑائی کو اس سے تشبیہ دی کہ لڑائی میں کبھی وہ غالب اور ہم مغلوب، اور کبھی ہم غالب اور وہ مغلوب۔ اس سے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ : قال: فھل یغدر ؟ قلت: لا، ونحن منہ فی مدۃ لا ندری ما ھو صانع فیھا (ص ۹۷ سطر ۱۳، ۱۴)

اس کے بعد ہرقل نے پوچھا کہ کیا کبھی انہوں نے دھوکا بازی یا معاہدے کی خلاف ورزی کی؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ نہیں، البتہ ان دنوں ہمارا ان سے ایک معاہدہ (صلحِ حدیبیہ کا) چل رہا ہے، اور ہمیں معلوم نہیں کہ آگے چل کر وہ اس معاہدے میں کیا کریں گے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! سوائے اس ایک جملے کے کوئی اور چیز مجھے ایسی نہیں ملی، جس کو میں محمد ﷺ کو نیچا دکھانے کے لئے استعمال کرتا۔

"بشاشت" کے معنی "انشراحِ قلب" کے آتے ہیں، جب کوئی خوشی کی چیز انسان دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔[2]

قولہ : إن یکن ما تقول فیہ حقا فإنہ نبی..... (ص۹۸ سطر ۶، ۷)

ہرقل نے کہا کہ اگر یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو، صحیح ہیں تو بے شک وہ نبی ہیں۔

کیا ھرقل مسلمان تھا؟

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے کہنے کی وجہ سے ہرقل مسلمان ہوا یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہرقل ان الفاظ کو کہنے کی وجہ سے مسلمان ہوگیا، کیونکہ آگے اس کے الفاظ میں یہ بھی ہے کہ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوکر پی لیتا۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم: ج۳/۳۹ تحت ھذا الحدیث

(۲) شرح نووی علی صحیح مسلم: ج۲ ص۹۸

جبکہ بعض دیگر حضرات نے کہا کہ ھرقل ان الفاظ کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوا، دلیل اس کی یہ ہے، جیسا کہ اسی حدیث میں آگے آرہا ہے کہ جب وہ مکتوب پڑھ کر فارغ ہوا تو" ارتفعت الأصوات عنده "یعنی ایک دم لوگوں نے شور برپا کر دیا، جسے بھانپ کر (دوسری روایت کے مطابق) ہرقل نے اپنی قوم سے کہا کہ بس، میں نے تو یہ اس لئے کہا تھا، تاکہ دیکھوں کہ تم اپنے دین میں کچے ہو یا پکے؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

علامۃ عینیؒ "عمدة القاری" میں فرماتے ہیں کہ اس کے مسلمان نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ غزوۂ مُوتہ میں ھرقل نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ فوج تیار کر کے بھیجی تھی[1]، جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر اس نے حضور ﷺ کو خط لکھا کہ میں مسلمان ہوں، آپ ﷺ نے اس کے خط کے جواب میں فرمایا کہ یہ جھوٹا ہے اور عیسائی مذہب ہی پر ہے، لہٰذا ان دلائل کی بناء پر اس کو مسلمان نہیں کہا جائے گا، البتہ حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔[2]

غیر مسلم کو سلام کرنے کا حکم

قوله : سلام علی من اتبع الهدی ..... الخ (ص ۹۸ سطر ۹)

ھرقل کے نام خط میں آپ ﷺ نے "بسم اللّٰہ" لکھی، پھر لکھا "سلام علی من اتبع الهدی" جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلام۔

علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ بالکل ناجائز ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مطلقاً سلام کرنا جائز ہے۔

جبکہ بعض دیگر علماء تفصیل بیان کرتے ہیں کہ جہاں سلام کرنے میں کوئی ضرورت ہو، مثال کے طور پر اگر سلام نہیں کریں گے تو جان جانے کا خطرہ ہے، یا ناقابلِ برداشت تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے، تو ایسی ضرورت کی جگہ میں بقدرِ ضرورت سلام کرنے کی گنجائش ہے، اور جہاں ضرورت نہ ہو، وہاں

---

(۱) عمدة القاری کتاب الایمان: ج۱ص۲۵۸، ۲۵۹۔

(۲) تکملة فتح الملهم، ج۳ص۱۴۲۔

سلام کرنے کی ضرورت نہیں۔[1] جبکہ صحیحین میں سلام کرنے کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ مشہور حدیث ہے:

"لا تبدء وا الیهود والنصاری بالسلام"[2]

قوله : یؤتک اللّٰہ أجرک مرتین الخ (ص۹۸ سطر ۹،۱۰)

اللہ تعالیٰ دومرتبہ اجر عطا فرمائیں گے، ایک اجر انجیل پر ایمان لانے کی وجہ سے، اور ایک اجر قرآن مجید پر ایمان لانے کی وجہ سے۔

"الأریسیین" بعض روایات میں "الیریسیین" ہے، اس کے تین معنیٰ آتے ہیں:

(۱) ... کاشتکار، رومی زیادہ تر کاشتکاری کرتے تھے۔

(۲) ... نوکر چاکر، حشم وخدم، چونکہ غلام اور باندیاں اپنے آقا کے تابع ہوتی ہیں، اس لئے فرمایا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تم خود بھی گنہگار اور تمہارے نوکر چاکر وغیرہ کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔

(۳) ... سرکاری عہدیدار، ذی منصب لوگ۔[3]

قوله : لقد أمر أمر ابن أبی کبشة..... الخ (ص۹۸ سطر ۱۰،۱۱)

ابو کبشة آپ ﷺ کے اجداد میں سے ہیں، اس لئے ابوسفیان نے آپ ﷺ کی

---

(۱) حضرت نبی کریم ﷺ کے اس نامۂ مبارک سے دعوتِ اسلام کے بھی کئی آداب معلوم ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں۔

(الف) ... آپ ﷺ نے اس خط میں ہرقل کو "الی هرقل عظیم الروم" کے نام سے مخاطب فرمایا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جس کو دعوتِ اسلام دی جائے اُسے ایسے القاب کے ساتھ مخاطب کیا جائے جن سے وہ مانوس ہو، اور اپنا کسی قدر اکرام محسوس کرے، مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ القاب خلافِ واقعہ نہ ہوں۔

(ب) ... "سلام علی من اتبع الهدیٰ" کے الفاظ سے غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ معلوم ہوا۔

(ج) ... "اسلم تسلم" سے یہ ادب معلوم ہوا کہ مخاطب سے ترغیب کی اور بشارت کی باتیں پہلے کی جائیں اور ترھیب کا ذکر بعد میں محتاط الفاظ میں کیا جائے۔

(د) ... "یا اهل الکتاب" سے یہ ادب معلوم ہوا کہ "یایها الکافرون" "یایها النصاری" کہہ کر خطاب نہیں فرمایا، بلکہ ان کی ایک اچھی صفت "اهل الکتاب" کا لفظ ارشاد فرمایا تاکہ وہ مانوس بھی ہوں اور اُن کی اپنی ذمہ داری کا احساس بھی ہو۔

(ہ) "تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم" سے یہ ادب معلوم ہوا کہ داعی کو چاہئے کہ پہلے اُن امور کا ذکر کرے جو داعی اور مخاطب کے درمیان مشترک اور متفق علیہ ہوں۔

(و) ... اس نامۂ مبارک میں نماز، روزہ، تبلیغ، جہاد وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا اس سے دعوت اسلام کا یہ ادب معلوم ہوا کہ شروع میں صرف ایمان کی دعوت دی جائے۔ (ماخوذ از درسِ بخاری حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ)

(۲) مسلم کتاب السلام باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام الخ رقم الحدیث: ۴۰۳۰

(۳) ارشاد الساری شرح صحیح البخاریؒ للقسطلانی تحت هذا الحدیث: ج ۱ ص ۸۰

نسبت "ابن أبی کبشة" بیان کی[1]، کہ "ابن ابی کبشة" کا معاملہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ "بنی اصفر" کا بادشاہ بھی اس سے ڈر رہا ہے، "اصفر" کے معنٰی پیلے کے آتے ہیں، رومیوں کے دادا "روم بن عیص" نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی، حبشہ کے لوگ سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں، جبکہ روم کے لوگ سفید فام ہوتے ہیں، اس شادی سے جو اولاد ہوئی وہ زرد رنگ کی تھی، اس لئے ان کو "بنو اصفر" کہتے ہیں۔[2]

(۲۶)

باب کتب النبی ﷺ إلٰی ملوک الکفار یدعوهم إلی اللّٰه عزّ و جلّ

(اس باب میں دیگر بادشاہانِ مملکت کی طرف حضور کے خطوط لکھنے کا ذکر ہے)

"کسری" ایران کے بادشاہ کا لقب تھا۔ "قیصر" روم کے بادشاہ کا لقب تھا۔ "نجاشی" حبشہ کے بادشاہ کا لقب تھا۔ "خاقان" ترکی کے بادشاہ کا لقب تھا۔ "فرعون" قبطی قوم کے بادشاہ کا لقب تھا۔ "عزیز" مصر کے بادشاہ کا لقب تھا۔ اس روایت میں جس نجاشی کی طرف خط لکھنے کا ذکر ہے، یہ وہ نجاشی نہیں ہے، جس کی حضور ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی تھی، ان کا نام "اصحمة بن ابجر" تھا۔[3]

(۲۷)

باب فی غزوة حنین

(غزوۂ حنین)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الی قوله) قَالَ :قَالَ عَبَّاسٌ: شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ، فَلَزِمْتُ أَنَا وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ

---

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم تحت هذا الحدیث: ۹۸/۲

(۲) فتح الباری ج ۱ ص ۷ باب بدء الوحی وشرح النووی علی صحیح مسلم ج۲ ص۹۸۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج:۳ ص:۱۴۹، تحت هذا الباب

نُفَارِقُهُ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءَ أَهْدَاهَا لَهُ فَرْوَةُ بْنُ نُفَاثَةَ الْجُذَامِيُّ. فَلَمَّا الْتَقَى الْمُسْلِمُونَ وَالْكُفَّارُ وَلَّى الْمُسْلِمُونَ مُدْبِرِينَ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ بَغْلَتَهُ قِبَلَ الْكُفَّارِ، قَالَ عَبَّاسٌ :وَأَنَا آخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكُفُّهَا إِرَادَةَ أَنْ لَا تُسْرِعَ، وَأَبُو سُفْيَانَ آخِذٌ بِرِكَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيْ عَبَّاسُ، نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ ، فَقَالَ عَبَّاسٌ :وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا، فَقُلْتُ بِأَعْلَى صَوْتِي :أَيْنَ أَصْحَابُ السَّمُرَةِ؟ قَالَ :فَوَاللهِ، لَكَأَنَّ عَطْفَتَهُمْ حِينَ سَمِعُوا صَوْتِي عَطْفَةُ الْبَقَرِ عَلَى أَوْلَادِهَا، فَقَالُوا :يَا لَبَّيْكَ، يَا لَبَّيْكَ، قَالَ: فَاقْتَتَلُوا وَالْكُفَّارَ، وَالدَّعْوَةُ فِي الْأَنْصَارِ يَقُولُونَ :يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، قَالَ :ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلَى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، فَقَالُوا :يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا إِلَى قِتَالِهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ قَالَ :ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَيَاتٍ فَرَمَى بِهِنَّ وُجُوهَ الْكُفَّارِ، ثُمَّ قَالَ :انْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ قَالَ :فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ فَإِذَا الْقِتَالُ عَلَى هَيْئَتِهِ فِيمَا أَرَى، قَالَ :فَوَاللهِ، مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَمَاهُمْ بِحَصَيَاتِهِ فَمَا زِلْتُ أَرَى حَدَّهُمْ كَلِيلًا، وَأَمْرَهُمْ مُدْبِرًا.(ص ۹۹ سطر ۹ تا ص ۱۰۰ سطر ۷)

تشریح

سرکارِ دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لئے ۸ھ میں تشریف لے گئے، دس ہزار صحابۂ کرامؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، (فتح مکہ کا بیان إن شاء الله- آئندہ آئے گا،) جب آپ ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو ھوازن، بنو ثقیف اور قرب وجوار کے کفّار

ومشرکین آپ ﷺ سے لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں، بنو ھوازن اور بنو ثقیف بڑی جنگجو قومیں تھیں، بنو ھوازن زبردست تیر انداز تھے، ان کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا تھا، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن أبی حدرد الأسلمیؓ کو صورتحال معلوم کرنے کے لئے روانہ فرمایا، وہ ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ واقعی یہ لوگ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں، چنانچہ انہوں نے واپس آکر حضور ﷺ کو اطلاع دی۔

آپ ﷺ نے فتحِ مکہ کے بعد ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، دس ہزار صحابہ کرامؓ تو وہ تھے جو آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لئے آئے تھے، مزید دو ہزار نو مسلم اور تھے، جو فتحِ مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے، یہ نو مسلم بھی تھے اور جہاد کے معاملے میں نو آموز بھی تھے، ان کے پاس پوری طرح ہتھیار بھی نہیں تھے، اور نہ کوئی خاص جنگی تیاری تھی، جہاد کے شوق میں شریکِ جنگ ہوئے، آپ ﷺ ان سب کو لیکر "وادی حنین" تشریف لے گئے، "وادی حنین" مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، مکہ مکرمہ میں عرفات سے ذرا آگے جاکر "وادی حنین" ہے، اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں، بنو ثقیف اور بنو ھوازن حضور ﷺ کے پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ گئے، اور وہاں انہوں نے تمام پہاڑوں، دڑوں، نشیبی علاقوں میں اپنے مورچے قائم کر لئے، اور مسلّح ہوکر وہاں بیٹھ گئے، جب حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کے لشکر کو لیکر اس وادی میں داخل ہوئے تو انہوں نے اچانک تیروں کی بارش کر دی، جس کی وجہ سے ان نو آموز مسلمانوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے، اور یہ اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے، اس وقت آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپ اعلان کیجئے کہ "اصحابِ سمرۃ" کہاں ہیں؟ "سمرۃ" کیکر کے درخت کو کہتے ہیں، کیونکہ حدیبیہ میں کیکر کے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے "اصحابِ سمرۃ" کہہ کر اعلان کروایا۔

حضرت عباسؓ بہت بلند آواز آدمی تھے (شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ مدینے کے پہاڑ "جبلِ سلع" پر کھڑے ہوکر زور سے چلاکر آٹھ میل دور ایک مقام پر موجود اپنے بچوں کو ہوشیار کر دیا کرتے تھے، اور جنگل میں اگر کہیں بھیڑیا، چیتا وغیرہ ان کی بکریوں کو تکلیف پہنچاتا تو وہیں چلاّ کر اسے ڈانٹ دیتے تھے)[1] حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے فرمانے پر آواز دی، میری آواز سن کر صحابہ کرامؓ اس طرح پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں کی آواز سن کر بھاگی بھاگی آتی ہے، اور جو شکست کی صورت شروع ہوئی تھی، وہ یکدم فتح میں بدل گئی۔

(۱) تکملة فتح الملهم: ج۳ ص۵۵ تحت هذا الباب

قوله : ورسول اللّٰہ ﷺ علی بغلة له بیضاء أهداها له فروة بن نفاثة الجذامیّ،(ص: ۱۰۰ سطر: ۱)

اس وقت آپ ﷺ ایک خچر پر سوار تھے جو آپ کیلئے "**فروة بن نفاثة الجذامیّ**" نے ہدیہ کیا تھا، یہ ایک غیر مسلم تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ ہدیہ آپ کو "**ملک أیلة**" نے دیا تھا، جس کا نام "بَحنةُ بن رَوبة" تھا، یہ مقام "أیلة" کا بادشاہ تھا۔ (۱)

غیر مسلم کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا حکم

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ غیر مسلم کی طرف سے ہدیہ قبول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی طرف سے ملنے والا ہدیہ قبول کرنا درست ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس خچر پر سواری کی۔ جبکہ بعض دیگر روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ واپس کر دیا۔

شارحین ؒ نے اس کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ جن روایات میں ہدیہ واپس کرنے کا ذکر ہے، مذکورہ روایت ان کے لئے ناسخ ہے، چنانچہ ہدیہ واپس کرنے کی روایات منسوخ ہوئیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ ناسخ و منسوخ کی بحث کرنا کمزور بات ہے، چنانچہ انہوں نے دوسری توجیہ فرمائی کہ جہاں کسی کافر کے مسلمان ہونے کی امید ہو، یا اس کے قلب کو مانوس اور مالوف کرنا مقصود ہو، یا اس میں مسلمانوں کی کوئی حاجت پیشِ نظر ہو تو قبول کرنا جائز ہے، ورنہ جہاں یہ مقاصد نہ ہو، یعنی نہ تو کسی کے مسلمان ہونے کی امید ہو اور نہ ہی تالیفِ قلب مطلوب ہو اور نہ ہی مسلمانوں کی اس میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، اور جن روایات میں ہدیہ واپس کرنے کا ذکر ہے، وہ سب اسی صورت پر محمول ہیں۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ رد کیا ہے اور اہلِ کتاب کا ہدیہ قبول فرمایا، لہٰذا اہلِ کتاب کا ہدیہ قبول کرنا درست ہے جبکہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔ (۲)

---

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۹

(۲) شرح النووی علی صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۹

قوله : ولّى المسلمون مدبرين،..... الخ(ص:۱۰۰ سطر:۱)
مسلمان پشت پھیر کر بھاگے۔ یہ تمام مسلمانوں کا حال نہیں تھا، بلکہ صرف نومسلم اور نوآموز مسلمانوں کے پاؤں ہی اُکھڑ گئے تھے۔[۱]

لفظی تحقیق

"**یرکض بغلته**" یعنی آپ ﷺ اپنے پاؤں مبارک اس کے سینے پر مارتے تھے، تاکہ وہ تیز چلے۔ جسکو اردو میں ایڑ لگانا کہتے ہیں۔

قوله : قال رسول الله ﷺ :هذاحين حمى الوطيس.(ص:۱۰۰ سطر:۵)
"**الوطیس**" کے بارے میں شارحین فرماتے ہیں کہ یہ ایک تنور جیسی چیز ہوتی ہے جس میں آگ بھڑکائی جاتی ہے، اس کے ذریعے جنگ کی شدت کی مثال دی جاتی ہے۔ جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ "**الوطیس**" ہی کو تنور کہتے ہیں۔

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ "**وطیس**" یہ ایک گول پتھر ہے، جب وہ گرم ہوجاتا ہے تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس پر پاؤں رکھ سکے، تو اس وقت کہا جاتا ہے "**الآن حمى الوطيس**" اور جنگ میں دشمن کے سامنے جنگجوؤں کا ٹھہرنا جب مشکل ہوجائے تو بطورِ مثال اس وقت یہ جملہ کہا جاتا ہے "**الآن حمى الوطيس**"[۲]

بعض نے کہا کہ "**الوطیس**" وہ جنگ ہے کہ جس میں آگ جلائی اور بھڑکائی جائے۔

شارحینؒ فرماتے ہیں کہ کلامِ عرب میں لفظ "**الوطیس**" اپنی فصاحت وبلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، اور یہ لفظ آپ ﷺ سے قبل کسی سے نہیں سُنا گیا۔[۳]

قوله : "فما زلت أرى حدّهم كليلا"(ص۱۰۰ سطر:۷)
یعنی میں ان کی قوت کو کم ہوتے دیکھ رہا تھا۔[۴]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قال نَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ :

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج:۳ ص ۱۵۴
(۲) مشارق الانوار، حرف الواو مع سائر الحروف، ج۲ص۵۷۰
(۳) شرح النووی ج۲ص۱۰۰
(۴) شرح النووی ج۲ص۱۰۰

قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ : يَا أَبَا عُمَارَةَ، أَفَرَرْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ قَالَ :لَا وَاللهِ، مَا وَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنَّهُ خَرَجَ شُبَّانُ أَصْحَابِهِ، وَأَخِفَّاؤُهُمْ حُسَّرًا، لَيْسَ عَلَيْهِمْ سِلَاحٌ، فَلَقُوا قَوْمًا رُمَاةً لَا يَكَادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ، جَمْعَ هَوَازِنَ وَبَنِي نَصْرٍ، فَرَشَقُوهُمْ رَشْقًا مَا يَكَادُونَ يُخْطِئُونَ، فَأَقْبَلُوا هُنَاكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ، وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَقُودُ بِهِ، فَنَزَلَ فَاسْتَنْصَرَ، قَالَ :قال

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ثم صفّهم (ص۱۰۰ سطر: ۱۰ تا ۱۴)

تشریح

قوله : ولکنّه خرج شبّان أصحابه..... الخ(ص۱۰۰ سطر: ۱۱)

"شبّان" جمع ہے شاب کی، جیسے واحد کی جمع وحدان ہے۔"وأخفاؤهم" اخفّاء جمع ہے خفیف کی، جیسے اطباء جمع ہے طبیب کی، اخفّاء کا معنیٰ ہے جلدی کرنے والے، یا آگے آگے رہنے والے۔ [1]

"حُسّرا" یہ جمع ہے حاسر کی، جیسے سجّداً جمع ہے ساجد کی، حاسر کا معنیٰ ہے: بغیر زرہ کے جنگ میں نکلنے والا [2]، اور بعض نے حاسر کے معنٰی کیے "بغیر اسلحہ کے جنگ میں شامل ہونے والا، یعنی جس کے پاس نہ زرہ ہو اور نہ خود۔ [3]

قوله : "لا یکاد یسقط لهم سهم" (ص۱۰۰ سطر: ۱۲)

یعنی بنو ھوازن ماہر تیر انداز تھے، اور ان کا کوئی تیر اپنے نشانہ سے ہٹ کرنہ لگتا تھا۔

قوله : "فرشقوهم رَشقا" (ص۱۰۰ سطر: ۱۲)

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۰۰

(۲) بحوالہ بالا

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص ۱۵۸

رَشق (راء کے فتح کے ساتھ) مصدر ہے، اور رِشق (راء کے کسرہ کے ساتھ) ان تیروں کو کہتے ہیں، جو پوری ایک جماعت یکدم پھینکے۔ لغت میں رشق یرشق و أرشق ثلاثی اور مزید فیہ دونوں آتے ہیں، لیکن ثلاثی زیادہ مشہور اور زیادہ فصیح ہے۔[1]

قوله : "فاستنصر" (ص ۱۰۰ سطر: ۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَنَابٍ الْمِصِّيصِيُّ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى الْبَرَاءِ، فَقَالَ :أَكُنْتُمْ وَلَّيْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ يَا أَبَا عُمَارَةَ؟ فَقَالَ :أَشْهَدُ عَلَى نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا وَلَّى، وَلَكِنَّهُ انْطَلَقَ أَخِفَّاءُ مِنَ النَّاسِ، وَحُسَّرٌ إِلَى هَذَا الْحَيِّ مِنْ هَوَازِنَ، وَهُمْ قَوْمٌ رُمَاةٌ، فَرَمَوْهُمْ بِرِشْقٍ مِنْ نَبْلٍ كَأَنَّهَا رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ، فَانْكَشَفُوا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ يَقُودُ بِهِ بَغْلَتَهُ، فَنَزَلَ وَدَعَا وَاسْتَنْصَرَ، وَهُوَ يَقُولُ :

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ　　　أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ،

اللَّهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ ، قَالَ الْبَرَاءُ :كُنَّا وَاللهِ إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ نَتَّقِي بِهِ، وَإِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِي يُحَاذِي بِهِ، يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(ص ۱۰۰ سطر: ۱۴ تا ص ۱۰۱ سطر ۱)

تشریح

قوله : حدثنا أحمد بن جناب المِصيصي .....الخ (ص ۱۰۰ سطر: ۱۴)

احمدبن جناب المِصيصي: "مصيصة" ایک جگہ کا نام ہے[2]، اسکی طرف منسوب ہوکر ان کو "المصيصي" کہا گیا۔

---

(۱) شرح النووی ج:۲ ص:۱۰۰

(۲) شام کے دریا کے ساحل پر یہ مشہور شہر واقع ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے معجم البلدان باب الميم والصاد ج ۵ ص ۱۱۹ وتکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۱۵۹

قوله: "كأنها رِجل من جراد" (ص۱۰۰سطر:۱۶) یعنی وہ تیر تعداد میں اتنے تھے جیسے ٹڈی دَل ہو، رِجل (بكسر الراء) بہت سے ٹڈی دَل کو کہتے ہیں۔ [1]

قوله : "فانكشفوا" (ص۱۰۰ سطر:۱۶)

انہوں یعنی تو مسلموں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، اور منتشر ہو گئے۔

قوله : "إذا احمر البأس" (ص۱۰۰ سطر:۱۷)

جب جنگ سرخ ہوگئی، یہ شدّتِ جنگ سے کنایہ ہے۔ [2]

قوله : أنا النبي لا كذب، أنا ابن عبد المطلب (ص۱۰۰ سطر:۱۷)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر پڑھنا منقول ہے؟

یہاں آپ ﷺ سے یہ شعر پڑھنا منقول ہے، جبکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَما عَلَّمْناهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْبَغِي لَهُ (۳)

"اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے اور نہ وہ اِن کے شایانِ شان ہے"

تو پھر آپ ﷺ نے شعر کیسے پڑھا؟

اس کے چار جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) ... پہلا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ شعر کسی اور کا تھا، آپ ﷺ نے اس میں ترمیم فرمائی ہے، اصل میں تھا: أنت النبي لا كذب، أنت ابن عبدالمطلب" آپ ﷺ نے" انت " کی جگہ " أنا" استعمال فرمایا۔

(۲) ... دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ رجز یہ شعر ہے اور شعر کی یہ قسم اشعار نہیں کہلاتی، یہ جواب کمزور ہے۔

(۳) ... تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر آدمی ایک دو شعر کہہ دے تو اس سے اس کو شاعر نہیں کہا جا سکتا۔

---

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم ج۲ ص۱۰۰۔

(۲) الديباج على صحيح مسلم ج۴ ص۳۸۷ تحت هذا الحديث۔

(۳) سورۂ یٰسین: ۶۹

(۴) ... چوتھا جواب یہ ہے کہ آدمی شعر کہنے سے شاعر اس وقت بنتا ہے جب قصداً شعر کہے، بے ساختہ کوئی شعر کہہ دینے سے اس کو شاعر نہیں کہا جاسکتا، اور آپ ﷺ کے ساتھ "غزوۂ حنین" میں یہی صورتحال تھی۔[1]

(۲۸)

باب غزوۃ الطائف

(غزوۂ طائف)

طائف مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں ایک مشہور شہر کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے تقریباً چالیس سے پینتالیس میل (۷۵ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے، جب حنین میں بنو ھوازن اور بنو ثقیف کو شکست ہوئی تو یہ اپنی جان بچا کر بھاگے اور طائف پہنچ گئے، اور وہاں اپنے قلعے میں جا کر قلعہ بند ہو گئے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے ان کا پیچھا کیا، اور طائف پہنچ کر ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا، تقریباً بیس (۲۰) دن تک آپ ﷺ نے محاصرہ جاری رکھا، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

چنانچہ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ یہاں منجنیق کا استعمال فرمایا، منجنیق، آج کل کے ٹینک کی ابتدائی صورت ہے، اس کے ذریعے بڑے بڑے پتھر دشمن پر پھینکے جاتے ہیں، چنانچہ منجنیق کے ذریعے دشمن کے قلعے کی دیواروں میں سوراخ ہو گئے، بعض صحابہ کرامؓ نے اندر جانے کی کوشش کی، لیکن بنو ھوازن اور بنو ثقیف نے لوہے کے ٹکڑے گرم کر کے پھینکے اور تیر اندازی بھی کی، جس سے بعض صحابۂ کرامؓ شہید بھی ہوئے، ان کے مزارات آج بھی طائف میں موجود ہیں، آپ ﷺ نے مزید قیام کا ارادہ ملتوی فرمایا، اور فرمایا: "إنا قافلون غدًا" کل ہم واپس جائیں گے۔ غالباً آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اب یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے، اس لئے پھر آپ ﷺ نے مزید قیام کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

بعض صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم اتنے دن سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتنا شوق ہے تو کل بھی لڑ لو، چنانچہ جب کل لڑائی کی تو سوائے زخمی ہونے کے کچھ ہاتھ نہ آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ کل ہم واپس جائیں گے، اب کی مرتبہ وہ بھی اس

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۱۵۸، ۱۵۹ تحت ھذا الحدیث۔

پر تیار ہو گئے کہ چلو! اب واپس چلتے ہیں، اور انہیں آپ ﷺ کی رائے زیادہ بابرکت محسوس ہوئی، آپ ﷺ یہ صورتحال دیکھ کر مسکرائے۔

چنانچہ اگلے روز آپ ﷺ یہ دعا دیکر کہ "اللّٰهم اهد ثقيفًا وائت بهم "رخصت ہو گئے، ابھی واپس مدینہ منورہ پہنچے نہیں تھے کہ قبیلہ ثقیف کے سردار "عروة بن مسعود" اسلام لانے کیلئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اور اسلام قبول کر لیا، اور پھر حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ حضور ﷺ! کیا میں طائف جا کر اہلِ طائف کو بھی اسلام کی دعوت دے دوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! وہ مجھے بہت چاہتے ہیں، یہاں تک کہ کنواری لڑکی سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری مرضی، مجھے تو تمہاری جان کا خطرہ ہے، چنانچہ جب وہ اہلِ طائف کے پاس آئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے ان کو تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

عروہ بن مسعود ثقفیؓ کی شہادت کو ابھی ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اہلِ طائف کو خیال آیا کہ ہم لوگ عرب میں اکیلے رہ گئے ہیں، تمام علاقوں کے عرب اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، اب ہم کس کس کا مقابلہ کریں گے؟ عافیت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرلو، چنانچہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر بنو ثقیف اور اہلِ طائف کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آکر اسلام قبول کیا، اس طرح سارے کے سارے اہلِ طائف مسلمان ہو گئے۔ (1)

(۲۹)

باب غزوة بدر

(غزوۂ بدر)

غزوۂ بدر کا پس منظر

یہ باب غزوۂ بدر کے بارے میں ہے، غزوۂ بدر کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے، اس باب میں غزوۂ بدر کے شروع اور کچھ آخر کا حصہ ذکر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے گزرنے کی اطلاع ملی، تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کہ ان پر حملہ کرنا چاہئے، اور ان کا مال لے لینا چاہئے، تا کہ یہ مال کل ہمارے خلاف

---

(1) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۱۶۲

استعمال نہ ہونے پائے، اس سلسلے میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے آپ ﷺ سے بات چیت کی، لیکن آپ ﷺ نے صرف ان کے مشورے پر اکتفاء نہیں فرمایا، کیونکہ یہ تو مہاجر تھے، بلکہ انصار سے آپ ﷺ کھلم کھلا بات کرنا چاہتے تھے، کیونکہ انصار نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائیں گے، تو ہم آپ ﷺ کی مدد کریں گے، لیکن مدینہ منورہ سے نکل کر آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے دشمنوں سے بھی لڑیں گے یا نہیں؟ یہ بات صراحۃً طے نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ انصار سے بھی مشورہ ہو جائے کہ وہ اس پر تیار ہیں یا نہیں؟ اس لئے آپ ﷺ نے صرف مہاجرین صحابۂ کرامؓ کے مشورے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ انصارِ صحابہؓ کے مشورے کے منتظر رہے۔

چنانچہ انصارِ صحابہؓ نے آپ ﷺ کا منشاء سمجھ کر آپ ﷺ کو یقین دلایا کہ آپ بے فکر رہیں، ہم آپ ﷺ کے ہر حکم پر لبیک کہیں گے، اگر آپ ﷺ ہم سے کہیں کہ گھوڑے لیکر سمندر میں اتر جاؤ، تو ہم گھوڑوں سمیت سمندر میں اتر جائیں گے، اگر آپ ﷺ حکم فرمائیں کہ "**برک الغماد**" تک گھوڑے دوڑاؤ، تو ہم یہ بھی کر گزریں گے، لیکن ہم آپ ﷺ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

انصار کی اس یقین دہانی کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو ترغیب دی، پھر آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو لیکر چلے، جو تقریباً تین سو تیرہ (۳۱۳) کی تعداد میں تھے، اور میدانِ بدر میں جاکر پڑاؤ ڈالا، جہاں پر کفارِ مکہ کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا، وہاں آپ ﷺ نے بعض جگہوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے، اور اس جگہ فلاں کافر قتل ہوگا، چنانچہ جہاں جہاں آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا تھا، کوئی بھی کافر وہاں سے ذرا بھی آگے پیچھے نہ ہوا۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِينَ بَلَغَهُ إِقْبَالُ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَ: فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ عُمَرُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ، فَقَالَ: إِيَّانَا تُرِيدُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا، وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا، قَالَ: فَنَدَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ، فَانْطَلَقُوا حَتَّى نَزَلُوا بَدْرًا،

(الی قوله) قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ، قَالَ :وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَاهُنَا، هَاهُنَا ، قَالَ :فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . (ص ۱۰۲ سطر ۲ تا ۹)

تشریح

قوله : فقام سعدبن عبادة الخ(ص ۱۰۲ سطر ۳)

اس مقام پر تمام نسخوں میں ''سعدبن عبادة'' ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ ''سعدبن معاذ'' ہیں، کیونکہ ''سعدبن عبادة'' غزوۂ بدر میں شریک ہی نہیں تھا، اگرچہ ان کا شرکت کرنے کا پختہ ارادہ تھا اور مکمل تیاری تھی، لیکن عین موقع پر کسی زہریلے جانور نے ان کو ڈس لیا، جس کی وجہ سے وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے، لیکن چونکہ پوری طرح تیار تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے حصہ مالِ غنیمت بھی رکھا تھا۔[1]

لفظی تحقیق

قوله : "أن نُخيضها البحر"(ص ۱۰۲ سطر ۴)

ہم گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں۔

قوله:"أن نضرب أكبادها"(ص ۱۰۲ سطر ۴)

''اکباد'' جمع ہے ''کَبِدٌ'' کی، ''کبد'' جگر کو کہتے ہیں۔[2]

مراد یہ ہے کہ ہم گھوڑے کو ایڑ لگائیں (گھڑسوار ایڑ لگاتے وقت دونوں پاؤں گھوڑے کے جگر پر مارتا ہے، اس لئے کہا'' أن نضرب أكبادها'' ہم ان کے جگر پر ماریں)

''برک الغماد'' یہ مکہ مکرمہ سے سمندر کی جانب تقریباً پانچ رات کی مسافت پر واقع ایک جگہ کا نام ہے، اور اہلِ عرب کسی دور مقام تک جانے کے ارادے کو محاورۃً یوں تعبیر کرتے کہ مجھے تو ''برک الغماد'' تک جانا ہے، مطلب یہ ہے کہ انصار نے کہا کہ آپ ﷺ ہمیں جتنا دور لے جانا چاہیں، ہم اس کے لئے دل وجان سے تیار ہیں۔[3]

---

(۱) تکملة فتح الملهم : ج۳ ص ۱۶۶

(۲) لسان العرب حرف الدال مادة "كبد" ج۳ ص ۳۷۴

(۳) فتح الباری لابن حجرؒ کتاب المناقب باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه الی المدینة: ج ۱۱ ص ۲۳۶

قوله : "فندب رسول الله ﷺ" (ص ۱۰۲ سطر ۴) رغبت دلائی اور تیار کیا۔

قوله : "فما ماط أحد" (ص ۱۰۲ سطر ۸) نہیں ہٹا کوئی۔[1]

(۳۰)

باب فتح مكة

(مکہ مکرمہ کی فتح)

اس باب میں مصنفؒ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث بیان فرمار ہے ہیں، جس میں انہوں نے فتح مکہ کا واقعہ بیان فرمایا، سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ ۱۰ ر رمضان ۸ ھ میں مدینہ طیبہ سے دس ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر لیکر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے لشکر کی صف بندی فرمائی۔[2]

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :وَفَدَتْ وُفُودٌ إِلَى مُعَاوِيَةَ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ، فَكَانَ يَصْنَعُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ الطَّعَامَ، فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُوَنَا إِلَى رَحْلِهِ، فَقُلْتُ :أَلَا أَصْنَعُ طَعَامًا فَأَدْعُوَهُمْ إِلَى رَحْلِي؟ فَأَمَرْتُ بِطَعَامٍ يُصْنَعُ، ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ مِنَ الْعَشِيِّ، فَقُلْتُ: الدَّعْوَةُ عِنْدِي اللَّيْلَةَ، فَقَالَ :سَبَقْتَنِي، قُلْتُ :نَعَمْ، فَدَعَوْتُهُمْ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :أَلَا أُعْلِمُكُمْ بِحَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، ثُمَّ ذَكَرَ فَتْحَ مَكَّةَ، فَقَالَ :أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ، فَبَعَثَ الزُّبَيْرَ عَلَى إِحْدَى الْمُجَنِّبَتَيْنِ، وَبَعَثَ خَالِدًا عَلَى الْمُجَنِّبَةِ الْأُخْرَى، وَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ عَلَى الْحُسَّرِ..... فَأَخَذُوا بَطْنَ الْوَادِي، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَتِيبَةٍ، قَالَ :فَنَظَرَ فَرَآنِي، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قُلْتُ :لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ :لَا يَأْتِينِي إِلَّا أَنْصَارِيٌّ -زَادَ غَيْرُ شَيْبَانَ-، فَقَالَ :اهْتِفْ لِي بِالْأَنْصَارِ ، قَالَ :فَأَطَافُوا بِهِ، وَوَبَّشَتْ قُرَيْشٌ أَوْبَاشًا

۱۔ شرح نووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲

۲۔ فتح مکہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: سیرۃ ابن ھشام ج ۲ ص ۳۹۹، ذکر فتح مکۃ۔

لَهَا، وَأَتْبَاعًا، فَقَالُوا :نُقَدِّمُ هَؤُلَاءِ، فَإِنْ كَانَ لَهُمْ شَيْءٌ كُنَّا مَعَهُمْ، وَإِنْ أُصِيبُوا أَعْطَيْنَا الَّذِي سُئِلْنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَرَوْنَ إِلَى أَوْبَاشِ قُرَيْشٍ، وَأَتْبَاعِهِمْ ، ثُمَّ قَالَ بِيَدَيْهِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى، ثُمَّ قَالَ :حَتَّى تُوَافُونِي بِالصَّفَا ، قَالَ :فَانْطَلَقْنَا فَمَا شَاءَ أَحَدٌ مِنَّا أَنْ يَقْتُلَ أَحَدًا إِلَّا قَتَلَهُ، وَمَا أَحَدٌ مِنْهُمْ يُوَجِّهُ إِلَيْنَا شَيْئًا، قَالَ :فَجَاءَ أَبُو سُفْيَانَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أُبِيحَتْ خَضْرَاءُ قُرَيْشٍ، لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ، ثُمَّ قَالَ :مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ :أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ، وَرَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :وَجَاءَ الْوَحْيُ وَكَانَ إِذَا جَاءَ الْوَحْيُ لَا يَخْفَى عَلَيْنَا، فَإِذَا جَاءَ فَلَيْسَ أَحَدٌ يَرْفَعُ طَرْفَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْوَحْيُ. فَلَمَّا انْقَضَى الْوَحْيُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالُوا: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ " :قُلْتُمْ :أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ؟ " قَالُوا :قَدْ كَانَ ذَاكَ، قَالَ :كَلَّا، إِنِّي عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، هَاجَرْتُ إِلَى اللهِ وَإِلَيْكُمْ، وَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ، فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَبْكُونَ وَيَقُولُونَ :وَاللهِ، مَا قُلْنَا الَّذِي قُلْنَا إِلَّا الضِّنَّ بِاللهِ وَبِرَسُولِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يُصَدِّقَانِكُمْ، وَيَعْذِرَانِكُمْ ، قَالَ: فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَى دَارِ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَغْلَقَ النَّاسُ أَبْوَابَهُمْ، قَالَ :وَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ إِلَى الْحَجَرِ، فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ، قَالَ :فَأَتَى عَلَى صَنَمٍ إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ كَانُوا يَعْبُدُونَهُ، قَالَ :وَفِي يَدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ وَهُوَ آخِذٌ بِسِيَةِ الْقَوْسِ، فَلَمَّا أَتَى عَلَى الصَّنَمِ جَعَلَ يَطْعُنُهُ فِي عَيْنِهِ، وَيَقُولُ : "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ أَتَى الصَّفَا، فَعَلَا عَلَيْهِ حَتَّى نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ

فَجَعَلَ يَحْمَدُ اللهَ وَيَدْعُو بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُوَ. (ص۱۰۲ سطر ۹ ص۱۰۳ سطر ۵)

تشریح

قوله : فبعث الزبير على إحدى المجنّبتين، الخ(ص۱۰۲ سطر ۱۲)

"مجنبتين" تثنیہ ہے "مجنبة" کا، اور "مجنبة" کہتے ہیں ایک جانب کو "مجنبتين" سے مراد لشکر کا میمنة (دایاں حصہ) اور میسرة (بایاں حصہ) ہے، آپ ﷺ نے ایک حصے پر حضرت زبیرؓ کو مقرر کیا، اور دوسرے حصے پر حضرت خالد بن ولیدؓ کو مقرر کیا۔[1]

قوله : وبعث ابو عبيدة على الحسر..... الخ(ص۱۰۲ سطر ۱۲)

"حسر" جمع ہے "حاسر" کی، اس کا معنٰی ہے: وہ لوگ جن کے پاس زرہ نہ ہو، اور یہاں اس سے مراد پیدل چلنے والے مجاہدین ہیں۔[2]

قوله : ووبشت قريش أوباشا لها وأتباعا..... الخ(ص۱۰۲ سطر ۱۴)

"وبش يوبش توبيشا" کے معنٰی ہیں: جمع کرنا، اور "اوباش" متفرق لوگوں کو کہتے ہیں، جن کے قبیلے اور خاندان الگ الگ ہوں[3]، یعنی قریش نے مختلف قوموں اور مختلف خاندانوں کے افراد کو جمع کیا، اور ان کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو آگے رکھیں گے، اگر فتح ہوگئی، تو مال غنیمت میں یہ اور ہم دونوں شریک ہوں گے، اور اگر شکست ہوئی، تو یہ مارے جائیں گے، ہم بچ جائیں گے۔

قوله : حتى توافوني بالصفا..... الخ(ص۱۰۲ سطر ۱۶)

"توافوني أي تلقوني" آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہاں تک کہ تم فلاں فلاں طرف سے حملہ کرکے اور وہاں سے فارغ ہوکر مجھ سے صفا پر آکر ملنا۔[4]

قوله : أبيحت خضراء قريش، لا قريش بعد اليوم (ص۱۰۲ سطر ۱۶، ۱۷)

حضرت سفیانؓ نے آکر آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ " أبيحت خضراء

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۱۶۹ ولسان العرب حرف الباء مادة "جنب" ج۱ ص۲۷۵۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۱۶۹، ۱۷۰۔

(۳) الفائق فی غریب الحدیث والآثار باب الواو مع الباء، ج۱ ص۲۶۷ و تکملة فتح الملهم ج۳ ص۱۷۰۔

(۴) تکملة فتح الملهم : ج۳ ص:۱۷۱۔

قریش ""خضراء" جماعت کو کہتے ہیں، اس کا معنیٰ ہے: قریش کی جماعت کا خون مباح کر لیا گیا، یعنی ان کو قتل کرنا جائز اور مباح سمجھ لیا گیا ہے، آج کے بعد قریش نہیں رہیں گے[1]، یعنی آج کے بعد سے قریش مسلمان ہو جائیں گے، اور پھر مرتد نہیں ہوں گے، اور پھر کافر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیے جائیں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے امان کا اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ مامون ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ مامون ہے۔

قوله : أما الرجل فأدركته رغبة في قريته .....الخ(ص ۱۰۲ سطر ۱)

جب آپ ﷺ نے قریش کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا، اور ذرا سا بھی جھک جانے والے کے لئے درگزر کا اعلان فرمایا، تو بعض انصار نے کہا کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے دل میں اپنی بستی کی محبت، اور اپنے قبیلے کے لوگوں پر شفقت آ گئی ہے، اور انصار کا یہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے جب آپ ﷺ کی مکہ اور اہلِ مکہ کے ساتھ محبت اور نرمی کا معاملہ دیکھا، تو ان کے دل میں یہ اندیشہ ہوا کہ شاید اب حضور ﷺ یہاں قیام فرمائیں گے، اور مدینہ منورہ واپس تشریف نہیں لے جائیں گے، اور اس طرح ہم حضور ﷺ کی صحبت کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جائیں۔

قوله : قلتم: أما الرجل فأدركته رغبة في قريته (ص ۱۰۳ سطر ۱)

آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، آپ ﷺ نے انصار کو جمع فرمایا، اور دریافت فرمایا: تم نے یہ بات کہی ہے؟ انہوں نے اصل صورتحال عرض کر دی کہ حضور! ہمیں آپ ﷺ سے محبت ہے، اور ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ واپس مدینہ منورہ چلیں۔

قوله : كلاّ! إني عبد الله ورسوله، هاجرت إلى الله وإليكم .....الخ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، اور اب میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے، یہ سن کر انصار خوشی کے مارے رونے لگے۔

قوله : ما قلنا الذي قلنا إلا الضنّ بالله ورسوله (ص ۱۰۳ سطر ۱، ۲)

انصار نے کہا کہ ہم نے یہ بات محض حرص اور آپ ﷺ سے محبت کی وجہ سے کہی تھی، اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہاری تصدیق

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۱۷۱۔

کرتے ہیں، اور تمہیں اس معاملے میں معذور سمجھتے ہیں۔

آفاقی کے احرام باندھنے کا اختلافی مسئلہ

قوله : فاقبل رسول الله ﷺ حتى أقبل إلى الحجر، فاستلمه

(ص ۴۰۳ اسطر ۳، ۴)

یہاں ایک اختلافی مسئلہ سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں آفاق سے آنے والے شخص کو، خواہ کسی نیت سے آئے، احرام باندھنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے۔

شوافع اور حنابلہ کا مذہب

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر آفاقی حج یا عمرے کی نیت سے مکہ مکرمہ آیا ہے، تو اس کو احرام باندھنا ضروری ہے، اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آئے، تو پھر احرام باندھنا ضروری نہیں، بغیر احرام کے بھی مکہ مکرمہ آسکتا ہے، ان کی دلیل حدیث الباب ہے کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے تشریف لائے، اور فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا احرام باندھے ہوئے نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے سرِ مبارک پر ''خود'' بھی تھا، جبکہ حالتِ احرام میں سر کھلا ہوا ہونا چاہئے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بغیر احرام کے تشریف لائے تھے۔

شوافع اور حنابلہ اس حدیث سے اسطرح استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے موقع پر حج وعمرہ کے لئے تشریف نہیں لائے تھے، بلکہ جہاد کے لئے تشریف لائے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے احرام نہیں باندھا، معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ حج وعمرہ کی نیت سے نہ جائے، تو اس کے لئے احرام کی پابندی نہیں ہے، ایسا شخص بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آسکتا ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک آفاقی کسی بھی نیت سے مکہ مکرمہ آئے، اس کے لئے احرام باندھنا واجب ہے، یا تو عمرے کا احرام باندھے، یا حج کا احرام باندھے، اگر کوئی آفاقی بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں آئے گا، تو اس پر دم واجب ہو جائے گا، اور کم از کم عمرہ اس کو کرنا پڑے گا، اور وہ مذکورہ حدیث

کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔[1]

جو لوگ روزانہ مکہ مکرمہ آتے جاتے ہوں، ان کا حکم

آج کل یہ مسئلہ بہت زیادہ پیش آتا ہے، کہ مثلاً جو لوگ مدینہ منورہ رہتے ہیں، یا مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں، اُن کا روزانہ مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے، مثلاً بعض ملازمین یا ٹیکسی ڈرائیورز یا دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں جن کا روزانہ کئی کئی مرتبہ آفاق سے حرم میں، اور حرم سے آفاق میں آنا جانا لگا رہتا ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے مذہب کے مطابق ان کے لئے بہت تنگی کا سامنا ہے، لہٰذا ان کو شوافع کے مذہب پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

لیکن جس کو ایسا کوئی عذر نہ ہو، اس کو اپنے مذہب پر عمل کرنا ضروری ہے، احرام باندھ کر جائے، چاہے کسی سے ملنے کے لئے جائے۔

قوله : وهو آخذ بسية القوس، الخ (ص ۱۰۳ سطر ۵)

آپ ﷺ کمان کا ایک کنارہ[2] تھامے ہوئے تھے، اور جب بھی آپ ﷺ کسی بت کے پاس سے گزرتے، اس کی آنکھ پر وہ مارتے اور فرماتے "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ".[3]

مکہ مکرمہ "عنوةً" فتح ہوا تھا یا "صُلحاً"؟

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ، قَالَ :وَفَدْنَا إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، وَفِينَا أَبُو هُرَيْرَةَ، (الی قوله) وَقَالَ :مَوْعِدُكُمُ الصَّفَا ، قَالَ :فَمَا أَشْرَفَ يَوْمَئِذٍ لَهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَنَامُوهُ، قَالَ: وَصَعِدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا، وَجَاءَتِ الْأَنْصَارُ فَأَطَافُوا بِالصَّفَا، فَجَاءَ أَبُو سُفْيَانَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أُبِيدَتْ خَضْرَاءُ قُرَيْشٍ لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ، قَالَ أَبُو سُفْيَانَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

---

(۱) تكملة فتح الملهم ج۳ص۱۷۲، تحت هذا الحديث۔

(۲) لسان العرب تحت مادة "سيا" ج۱۴ص۴۱۷۔

(۳) سورة الاسراء : آیت ۸۱

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ ....الحديث

(ص ۱۰۳ سطر ۸ ص ۱۰۴ سطر ۲)

تشریح

قوله : فما أشرف يومئذ لهم أحد إلا أناموه،..... (ص ۱۰۴ سطر ۲)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”آج کے دن جو بھی سر اُٹھائے، اس کو سلا دو، یعنی قتل کر دو“

ائمۂ مجتہدینؒ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ ” عنوۃً “فتح ہوا تھا، یا ”صُلحاً“؟

حضراتِ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور جمہورِ فقہاءؒ کا مذہب

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ ” عنوۃً “فتح ہوا تھا، کیونکہ فتح مکہ سے متعلق تمام روایات میں لڑائی کا ذکر ہے، اور آپ ﷺ نے سر ابھارنے والوں کے قتل کا حکم بھی فرمایا تھا، اس کے علاوہ آپ ﷺ نے امان بھی دی، اور یہ چیزیں ” صُلحاً“ فتح میں نہیں ہوتیں ”عنوۃً“ میں ہوتی ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کا مذہب

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مکہ مکرمہ ”صلحاً“ فتح ہوا تھا۔ (۱)

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قال نَا أَبِي، قال نَا زَكَرِيَّا، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ قَالَ :وَلَمْ يَكُنْ أَسْلَمَ أَحَدٌ مِنْ عُصَاةِ قُرَيْشٍ غَيْرَ مُطِيعٍ، كَانَ اسْمُهُ الْعَاصِي، فَسَمَّاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُطِيعًا.(ص ۱۰۴ سطر ۱۲،۱۳)

تشریح

قوله : ولم يكن أسلم أحد من عصاة قريش غير مطيع..... (ص ۱۰۴ سطر ۱۲)

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ قریش کے ”عاص“ نام والے کفار میں سے سوائے ایک کے کوئی مسلمان نہیں ہوا۔

مکہ مکرمہ میں چار لوگ ایسے تھے، جن کے نام ”عاص“ تھے،

(۱) ... ایک ”عاص بن وائل“ (۲) ... دوسرے ”عاص بن ھشام“

(۳) ... تیسرے ”عاص بن سعید“ (۴) ... چوتھے ”عاص بن اسود“

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۷۱۔

ان میں سے صرف ''عاص بن اسود'' مسلمان ہوئے، اور ''عاص'' نام چونکہ اچھا نہیں ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کا نام ''مطیع'' رکھ دیا۔[1]

(۳۱)

باب صلح الحديبية

(صلح حدیبیہ)

صلح حدیبیہ ۶ ھ میں ہوئی ہے، جس کی مدّت دس سال تھی، لفظ ''حديبية'' کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں، ''حُدَیْبِیَة'' (بغیر تشدید یاء کے) اور ''حُدَیْبِیّة'' (تشدید یاء کے ساتھ)، مقامِ حدیبیہ مکہ مکرمہ اور جدّہ کے درمیان پرانے راستے پر ایک بستی کا نام ہے، جس کو آج کل ''شمیسی'' یا ''شُمیسة'' کہتے ہیں، جو مکہ سے تقریباً سولہ میل (ایک مرحلہ) کے فاصلے پر ہے،

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ ۶ ھ میں مدینہ منورہ سے تقریباً چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرے کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے، تو کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ جانے اور عمرہ کرنے سے منع کر دیا، اور کہا کہ اس مرتبہ آپ ﷺ واپس جائیں، اور آئندہ سال بغیر کھلے ہتھیار کے تشریف لائیں، اور عمرہ کریں، اس کے بعد آپس میں کچھ گفت وشنید ہوئی، اور آخر کار آپ ﷺ کی یہ آمد ''صلح حدیبیہ'' کی شکل میں ظاہر ہوئی،[2] جس کا حاصل جنگ بندی تھی، اور اس کی مدت دس سال مقرر کی گئی۔

اس صلح کی مشہور قرارداد، جو آگے بھی حدیث میں آنے والی ہے، یہ ہے کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے گا، اس کو مکہ مکرمہ واپس کیا جائے گا، اور اگر مدینہ منورہ سے کوئی آدمی مکہ مکرمہ واپس چلا گیا، تو مکہ والے اسے واپس نہیں کریں گے، اس طرح کی بعض اور دفعات تھیں، جو بظاہر بہت ہی دب کر، پست ہو کر طے ہوئی تھیں، جو صحابہ کرامؓ پر بڑی شاق گزر رہی تھیں، یہاں تک حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور! کیا ہم حق پر نہیں؟ ہم کیوں اس طرح سے دب کر صلح کریں؟ حضرت عمرؓ کے اس سوال کا مقصد آپ کے حق پر ہونے میں شک کرنا نہیں تھا، بلکہ حقیقتِ حال معلوم کرنا تھا، کہ ایسی صلح کس بنیاد پر کی جارہی ہے؟ اس کا اصل سبب کیا ہے؟ یا جو کچھ انہوں نے اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا، وہ غلبۂ حال

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۱۷۶، ۱۷۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۱۷۷۔

کی وجہ سے کیا، اور غلبۂ حال میں آدمی معذور ہوتا ہے، بہر حال! ان کے پوچھنے کا مقصد شک وشبہ نہیں تھا، بلکہ حقیقتِ حال کو معلوم کرنا تھا۔

بہرکیف! ان دفعات اور قرارداد پر صلح ہوئی، اس صلح کو اللہ پاک نے " **إنّا فتحنا لک فتحا مُبینًا**"[1] سے تعبیر فرمایا، آگے -ان شاء اللّٰہ تعالٰی- اس کا ذکر آگے آئے گا۔

حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قولہ) الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ، يَقُولُ: كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الصُّلْحَ بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَكَتَبَ :هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ ، فَقَالُوا :لَا تَكْتُبْ رَسُولُ اللهِ، فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ لَمْ نُقَاتِلْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ :امْحُهُ ، فَقَالَ :مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، قَالَ :وَكَانَ فِيمَا اشْتَرَطُوا أَنْ يَدْخُلُوا مَكَّةَ فَيُقِيمُوا بِهَا ثَلَاثًا، وَلَا يَدْخُلُهَا بِسِلَاحٍ إِلَّا جُلُبَّانَ السِّلَاحِ، قُلْتُ لِأَبِي إِسْحَاقَ :وَمَا جُلُبَّانُ السِّلَاحِ؟ قَالَ :الْقِرَابُ وَمَا فِيهِ ......

(ص ۱۰۴ سطر ۱۴ تا ۱۶)

تشریح

لفظی تحقیق

"**إلا جلبان السلاح**" جلبان چمڑے کے تھیلے کو کہتے ہیں، جسمیں مختلف ہتھیار اور سامان رکھا جائے،[2] کفارِ مکہ نے کہا کہ آئندہ سال جب عمرہ کرنے کے لئے مسلمان آئیں، تو ہتھیار چمڑے کے تھیلے میں بند کر کے لائیں، کفارِ مکہ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا فاتحانہ اور غالبانہ نہ ہو، بلکہ مغلوب ہو کر داخل ہوں۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

---

(۱) الفائق فی غریب الحدیث حرف الجیم، الجیم مع اللام ج ۱ ص ۲۳

(۲) سورۃ الفتح: آیت نمبر ۱

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ :اكْتُبْ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ .....الحديث.

(ص ۱۰۵ سطر ۶ تا ۸)

تشریح

قوله : فقال النبی ﷺ لعلیٍّ :اکتب، بسم الله الرحمن الرحیم

(ص ۱۰۵ سطر ۸)

جب آپ ﷺ نے ''بسم اللہ'' اور ''محمد رسول اللہ'' لکھنے کا حکم دیا، تو کفارِ مکہ نے اس کا انکار کیا، چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ''محمد رسول اللہ'' کے بجائے ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دو، اس پر حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے مٹانے سے معذرت کی، لہٰذا آپ ﷺ نے خود ''محمد بن عبداللہ'' لکھا۔

اشکال

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام لکھا، جبکہ قرآن وحدیث کی رو سے آپ ﷺ ''اُمّی'' تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔

جواب

اس موقع پر بعض علماء نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا تھا، بلکہ حضرت علیؓ نے پہلے تو انہوں نے انکار کیا، پھر آپ ﷺ کے دوبارہ حکم دینے پر لکھ دیا، لیکن آپ ﷺ کے دوبارہ حکم دینے کی وجہ سے مجازاً نسبت آپ ﷺ کی طرف کر دی گئی، جیسا کہ آپ ﷺ کے بادشاہوں کے نام خطوطِ مبارکہ لکھنے کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ وہ خطوط آپ ﷺ نے نہیں لکھے تھے، بلکہ لکھوائے تھے، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے خود ہی نام مبارک تحریر فرمایا تھا۔ (۱)

''فتح الباری'' میں حافظ ابن حجرؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے خود ہی تحریر فرمایا تھا، اور آپ ﷺ کا یہ تحریر فرمانا بطورِ معجزہ کے تھا، لہٰذا یہ قرآن وسنت کے منافی نہیں۔ (۲)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ :قَامَ سَهْلُ بْنُ

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص ۱۷۹، ۱۸۰۔

(۲) فتح الباری کتاب المغازی باب عمرة القضاء ج۱۲ /ص ۶۶

حُنَیْفٍ یَوْمَ صِفِّینَ، فَقَالَ: أَیُّهَا النَّاسُ، اتَّهِمُوا أَنْفُسَکُمْ، لَقَدْ کُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَةِ وَلَوْ نَرَی قِتَالًا لَقَاتَلْنَا، وَذٰلِکَ فِی الصُّلْحِ الَّذِی کَانَ بَیْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَیْنَ الْمُشْرِکِینَ، فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَأَتَی رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللهِ، أَلَسْنَا عَلَی حَقٍّ وَهُمْ عَلَی بَاطِلٍ؟ قَالَ: بَلَی، قَالَ: أَلَیْسَ قَتْلَانَا فِی الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِی النَّارِ؟ قَالَ: بَلَی، قَالَ: فَفِیمَ نُعْطِی الدَّنِیَّةَ فِی دِینِنَا، وَنَرْجِعُ، وَلَمَّا یَحْکُمِ اللهُ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ، (الی قوله) قَالَ: فَنَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَی رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْفَتْحِ، فَأَرْسَلَ إِلَی عُمَرَ، فَأَقْرَأَهُ إِیَّاهُ، فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللهِ، أَوْ فَتْحٌ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَطَابَتْ نَفْسُهُ وَرَجَعَ.

(ص۱۰۵ سطر ۱۲ و ص۱۰۶ سطر ۱ تا ۲)

تشریح

قوله : نعطی الدنیّة فی دیننا،.....الخ (ص۱۰۶ سطر ۳)

"دنیة" کے معنی ہیں: داغ، دھبہ، حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے دین میں دھبہ کیوں لگائیں؟

صلح حدیبیہ، جو بظاہر دب کر کی گئی تھی، اور اس میں ایسی شرطوں کو قبول کیا گیا تھا، جو عام طور پر فریقین کے لئے قابلِ قبول نہیں ہوتیں، صلح ہو جانے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اس کو "فتح مبین" قرار دیا، تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ حضور! "او فتح هو؟ کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یہ فتح ہے، یہ سن کر حضرت عمرؓ کو قلبی اطمینان حاصل ہوا۔

صلحِ حدیبیہ..... "فتح مبین"

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ الْجَهْضَمِیُّ، (الی قوله) عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ، حَدَّثَهُمْ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: "إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُبِینًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللهُ" إِلَی قَوْلِهِ "فَوْزًا عَظِیمًا" مَرْجِعَهُ مِنَ الْحُدَیْبِیَةِ، وَهُمْ یُخَالِطُهُمُ الْحُزْنُ وَالْکَآبَةُ، وَقَدْ نَحَرَ الْهَدْیَ بِالْحُدَیْبِیَةِ، فَقَالَ: لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَیَّ آیَةٌ

هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا. (ص۱۰۶ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

قوله : فقال: لقد أنزلت علی آیة هی أحبّ إلیّ من الدنیا جمیعا

(ص۱۰۶ سطر۱۴)

صلح حدیبیہ کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا، فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَه عَلَیْکَ وَ یَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّ یَنْصُرَکَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ....الی..... فَوْزًا عَظِیْمًا

اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد أنزلت علی آیة هی أحب إلی من الدنیا جمیعا

''مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے، جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔''

اس آیت کے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بڑی بشارتیں نازل فرمائی ہیں:

(۱) ... سب سے پہلے ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا'' صلحِ حدیبیہ تمہارے لئے ''فتح مبین'' ہے، اور بلاشبہ آگے چل کر یہ فتحِ مبین ثابت ہوئی۔

(۲) ... دوسرے یہ کہ اس صلح پر قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی، اور قرآن مجید کی آیت کا نازل ہونا ساری دنیا سے بہتر ہے۔

(۳) ... تیسرے ''لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ '' اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی مغفرتِ کاملہ کا اعلان فرمایا، یہ آپ ﷺ کے حق میں بہت بڑی بشارت اور بہت بڑی نعمت ہے۔

(۴) ... چوتھے نمبر پر ''وَ یُتِمَّ نِعْمَتَه عَلَیْکَ وَ یَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا'' اس میں اتمامِ نعمت کا ذکر ہے، اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کا ذکر ہے۔

(۵) ... پانچویں نمبر پر ''وَ یَنْصُرَکَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا'' اللہ تعالیٰ کی زبردست مدد کا وعدہ بیان فرمایا۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدِ الْجَوْهَرِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ بِصِفِّينَ، يَقُولُ :اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَتَحْنَا مِنْهُ فِي خُصْمٍ، إِلَّا انْفَجَرَ عَلَيْنَا مِنْهُ خُصْمٌ. (ص۱۰۶ سطر ۱۰ تا ۱۲)

تشریح

قوله : عن أبي وائل، قال:سمعت سهل بن حنيف بصفّين، (ص۱۰۶ سطر ۱۱)

اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جنگِ صفین کا ہے جس میں ایک جانب حضرت معاویہؓ تھے، اور دوسری جانب حضرت علیؓ تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر غالب آنے کے قریب ہوا تو حضرت معاویہؓ بعض ساتھیوں کے مشورے سے نیزوں پر قرآنِ کریم رکھ کر اپنے لشکر سے نکلے تا کہ قرآنِ کریم ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس کتاب اللہ پر فیصلہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں، لیکن ان کے لشکر کے وہ لوگ جن کو خارجی کہا جاتا ہے، انہوں نے اس بات کو نہ مانا اور وہ اس پر آمادہ تھے کہ بغیر لڑے ہم پیچھے نہیں جائیں گے، ان کو سمجھانے کے لئے حضرت سہل بن حنیفؓ کھڑے ہوئے، انہوں نے ان کو سمجھاتے ہوئے یہ حدیث سنائی۔[1] اور کہا کہ دیکھو! بعض مرتبہ صلح کرنا بظاہر طبیعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اور طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے، یا ظاہری طور پر اس کے اندر نقصان معلوم ہوتا ہے، لیکن انجام اچھا ہوتا ہے، اور یہ بات تم نے صلحِ حدیبیہ کے موقع پر دیکھ لی جو بظاہر بڑی دب کر کی جانے والی صلح تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن مجید میں "فتحِ مبین" سے تعبیر کیا، اور اس آیت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے نزدیک دنیا کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ آیت ہے، تو بعض دفعہ صلح ظاہر میں کچھ اور نظر آ رہی ہوتی ہے، لیکن اس کا انجام اچھا ہوتا ہے، اسی طرح یہاں جب صلح کی بات سامنے آ رہی ہے، تو اسے قبول کرنا چاہئے، پھر فرمایا" اتهموا أنفسكم" تم اپنے آپ کو قصوروار سمجھو، یعنی تمہارا جنگ کرنے پر اصرار کرنا درست نہیں ہے۔[2]

---

(۱) البدایۃ و النہایۃ ج۷ ص۳۰۲ مسند احمد حدیث سهل بن حنيفؓ رقم الحديث: ۱۵۹۷۵ و السنن الكبرىٰ للنسائیؒ كتاب التفسير تفسير سورة الفتح، رقم الحديث، ۱۱۴۴

(۲) تکملة فتح الملہم ج۳ ص۱۸۲۔

(۳۲)

باب الوفاء بالعهد

(عہد کو پورا کرنا)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ، قَالَ : مَا مَنَعَنِي أَنْ أَشْهَدَ بَدْرًا إِلَّا أَنِّي خَرَجْتُ أَنَا وَأَبِي حُسَيْلٌ، قَالَ :فَأَخَذَنَا كُفَّارُ قُرَيْشٍ، قَالُوا :إِنَّكُمْ تُرِيدُونَ مُحَمَّدًا، فَقُلْنَا :مَا نُرِيدُهُ، مَا نُرِيدُ إِلَّا الْمَدِينَةَ، فَأَخَذُوا مِنَّا عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقَهُ لَنَنْصَرِفَنَّ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَلَا نُقَاتِلُ مَعَهُ. فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرْنَاهُ الْخَبَرَ، فَقَالَ :انْصَرِفَا. نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَنَسْتَعِينُ اللهَ عَلَيْهِمْ. (ص۱۰۶ سطر ۲۰ تا ۲۳)

تشریح

عہد کو پورا کرنا چاہئے

حضرت حذیفة بن یمانؓ اور حضرت ابو حُسیلؓ دونوں غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اور شریک نہ ہو سکنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آرہے تھے، راستے میں کفارِ قریش نے ان کو پکڑ لیا، انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کے پاس جارہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم مدینہ جارہے ہیں، اس پر کفارِ مکہ نے ان سے عہد لے لیا کہ تم مدینے جا کر حضور کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف نہیں لڑوگے، اگرچہ کافروں کے ساتھ اس طرح کے عہد و پیمان پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا[1] لیکن اس کے باوجود جب انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو ساری صورتحال بتلائی، تو آپ ﷺ نے ان کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے منع کردیا، کہ تم نے عہد کیا ہے، اس کو پورا کرو، اس طرح آپ ﷺ نے یہ تعلیم دے دی کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔

(۳۳)

باب غزوة الأحزاب

(غزوۂ احزاب)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ، فَقَالَ رَجُلٌ :لَوْ

(۱) تکملة فتح الملہم ج۳ ص۸۹ اور شرح نووی علی صحیح مسلم ج۲ ص۱۰۶

أَدْرَكْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلْتُ مَعَهُ وَأَبْلَيْتُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ :أَنْتَ كُنْتَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ؟ لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْأَحْزَابِ، وَأَخَذَتْنَا رِيحٌ شَدِيدَةٌ وَقُرٌّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، ثُمَّ قَالَ :أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، ثُمَّ قَالَ :أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ ، فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، فَقَالَ :قُمْ يَا حُذَيْفَةُ، فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ ، فَلَمْ أَجِدْ بُدًّا إِذْ دَعَانِي بِاسْمِي أَنْ أَقُومَ، قَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ، وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ ، فَلَمَّا وَلَّيْتُ مِنْ عِنْدِهِ جَعَلْتُ كَأَنَّمَا أَمْشِي فِي حَمَّامٍ حَتَّى أَتَيْتُهُمْ، فَرَأَيْتُ أَبَا سُفْيَانَ يَصْلِي ظَهْرَهُ بِالنَّارِ، فَوَضَعْتُ سَهْمًا فِي كَبِدِ الْقَوْسِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْمِيَهُ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ ، وَلَوْ رَمَيْتُهُ لَأَصَبْتُهُ فَرَجَعْتُ وَأَنَا أَمْشِي فِي مِثْلِ الْحَمَّامِ، فَلَمَّا أَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبَرِ الْقَوْمِ، وَفَرَغْتُ قُرِرْتُ، فَأَلْبَسَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضْلِ عَبَاءَةٍ كَانَتْ عَلَيْهِ يُصَلِّي فِيهَا، فَلَمْ أَزَلْ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحْتُ، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ قَالَ :قُمْ يَا نَوْمَانُ. (ص۱۰۷ سطر ۱ تا۸)

تشریح

غزوۂ احزاب کا مختصر واقعہ

غزوۂ احزاب کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں، یہ ۵ھ میں ہوا، یہ کفار کی جانب سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر سب سے بڑا حملہ تھا،[1] آپ ﷺ نے مدینہ اور اہلِ مدینہ کی حفاظت کے لئے مدینہ میں داخل ہونے کے راستوں پر بہت لمبی چوڑی خندق کھدوالی تھی،[2] کافروں کے وہم وگمان

---

[1] غزوہ میں سب کفار کی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۰۲۔ وتفسیر مظہری سورۃ الاحزاب ج ۷ ص ۲۹۱

[2] یہ خندق جبلِ سلع کے پیچھے اس پورے راستے کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا جس سے مدینہ کے شمال کی طرف سے آنے والے دشمن آسکتے تھے، اس خندق کے =

میں بھی نہیں تھا کہ ان کو اس طرح کی جنگی تدبیر کا سامنا کرنا پڑے گا، چنانچہ جب لشکرِ کفار مدینے کے قریب پہنچا، تو وہ خندق دیکھ کر حیران و پریشان ہو گیا، خندق پار کرنے کی جرأت، کسی میں نہیں تھی، بعض نے خندق میں اُتر کر اس کو پار کرنے کی کوشش کی بھی، تو مسلمانوں نے تیر وغیرہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا، بہر حال ابوسفیان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) لشکرِ کفار کو لیکر خندق کے دوسری جانب ایک ماہ تک قیام کیا، جب لڑائی کی کوئی صورت سامنے نظر نہ آئی، اور سرد موسم میں ایک ماہ پڑے پڑے بُرا حال ہو گیا، تو وہ دو بدو بغیر لڑائی کے واپس چلے گئے۔

دشمن کا حال معلوم کرنا اور عجیب معجزہ

اس موقع کا ایک واقعہ اس حدیث میں مذکور ہے، کہ ایک رات تیز، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، اور سردی بھی شدید تھی دانت سے دانت بج رہے تھے، ایسی حالت میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ کوئی ہے، جو دشمن کی خبر لائے؟ اب رات میں کسی شخص کا اپنے مورچے، یا اپنے خیمہ سے نکل کر دشمن کے لشکر میں جاسوسی کے لئے جانا بجائے خود انتہائی دل گردے کا کام تھا، اور پھر اس پر طوفان اور سخت سردی، اور موسم کی سختی کی وجہ سے کسی نے حامی نہ بھری چنانچہ آپ ﷺ کے تین مرتبہ اعلان فرمانے کے باوجود کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس کام کے کرنے کی ہمت کر پائے، آخر آپ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کا نام لے کر فرمایا اے حذیفہ! تم کھڑے ہو جاؤ، اور دشمن کو دیکھ کر آؤ کہ کیا کر رہا ہے اور مجھے اس کی خبر لا کر دو، اور تم اس ہوشیاری سے جانا کہ ان کو میرے خلاف نہ بھڑکا دینا، یعنی وہاں جا کر کوئی ایسی بات نہ کرنا، جو میرے خلاف لڑائی کا سبب بن جائے، تم صرف وہاں جا کر ان کے حالات کی خبر لے کر آنا۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے میرا نام لے کر حکم فرمانے کے بعد میرے لئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی، چنانچہ میں اس کام کے لئے اٹھا، اور جیسے ہی میں حضور ﷺ سے جدا ہوا، حضور ﷺ کا ایک معجزہ ظاہر ہو گیا، مجھے ایسے لگا، جیسے میں کسی حمام میں آ گیا، سردی اور ٹھنڈی ہوا کا مجھے کوئی احساس نہ رہا، چنانچہ میں آرام سے چلتا ہوا، کفار کے لشکر میں پہنچا، وہاں جا کر میں نے

= طول و عرض کا خط خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا، یہ خندق قلعۂ شیخین سے شروع ہو کر جبلِ سلع کے مغربی حصہ تک کھودی گئی بعد میں مزید بڑھا کر وادی بطحان اور وادی راتونا کے مقامِ اتصال تک پہونچائی گئی۔ اس خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی اور چوڑائی اور گہرائی کی صحیح مقدار کسی روایت سے معلوم نہیں ہوئی، لیکن بعض سیرت نگاروں نے نو گز چوڑی اور پانچ گز گہرائی لکھی ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۰۲، ۱۰۳ و سیرت احمد مجتبیٰ ص ۷ ج ۳)

ابوسفیان کو دیکھا، جو آگ سے اپنی کمر تاپ رہا تھا، میں نے موقع غنیمت جان کر تیر اپنی کمان میں لگایا، اور قریب تھا کہ میں تیر چلا دیتا، اچانک مجھے حضور ﷺ کی بات یاد آئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کو میرے خلاف نہ بھڑکا دینا، چنانچہ میں اپنے ارادے سے باز رہا، اور صورتحال کی مکمل خبر لے کر واپس ہوا، واپسی میں بھی مجھے سردی اور سرد ہوا کا کوئی احساس نہ ہوا، جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور ساری صورتحال آپ ﷺ کو بتادی، تو اس وقت مجھے سردی لگنے لگی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی عباءِ مبارک کا کچھ حصہ، جس میں آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے مجھ پر ڈال دیا، اور پھر میں آپ ﷺ کے پاس ہی سو گیا، صبح کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: "قم یا نومان" ارے نیند کے رسیا! اب تو اُٹھ جا! اللہ اللہ! کیا پیارا جملہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جس پر جان و دل قربان۔

(۳۴)

باب غزوةِ أحد

(غزوۂ اُحد)

غزوۂ اُحد ۳ ھ میں ہوا، اس میں ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے سر مبارک زخمی ہوا۔[1]

حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُفْرِدَ يَوْمَ أُحُدٍ فِي سَبْعَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ، فَلَمَّا رَهِقُوهُ، قَالَ :مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ؟ -أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ -، فَتَقَدَّمَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ، ثُمَّ رَهِقُوهُ أَيْضًا، فَقَالَ :مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ؟ - أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ -، فَتَقَدَّمَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ، فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى قُتِلَ السَّبْعَةُ،

---

(۱) اس غزوہ میں مسلمان مجاہدین کی تعداد سات سو تھی اور کفار کی تعداد تین ہزار تھی مسلمانوں میں سے تقریباً ۷۰ مسلمان شہید ہوئے، اور کافروں کے بائیس افراد مارے گئے، اس غزوہ کے شروع میں مسلمانوں کی فتح ظاہر ہو رہی تھی اور کافر میدانِ جنگ سے بھاگ رہے تھے لیکن حضور ﷺ کی طرف سے پہاڑی درہ پر مقرر بعض حضرات نے غلط فہمی سے وہ درہ چھوڑ دیا اور کافروں نے اس درہ سے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو وقتی طور پر کچھ شکست ہوئی لیکن رسول کریم ﷺ نے غزوہ احد میں شریک مجاہدین کو ساتھ لے کر کافروں کا پیچھا کر کے اس عارضی شکست کو فتح سے تبدیل کر دیا۔ (مزید تفصیلات کے لئے سیرۃ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم غزوۂ احد)

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبَيْهِ :مَا أَنْصَفْنَا أَصْحَابَنَا.

(ص۱۰۷ سطر ۸ تا ۱۱)

تشریح

قوله : فلما رهقوه .....الخ (ص۱۰۷ سطر ۱۰)

"رهقوا" کے معنیٰ ہیں: غشوه[1]

جب کافر بالکل آپ ﷺ کے قریب آگئے، تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ان کو ہم سے کون دور کرے گا؟ اس حال میں کہ اس کے لئے جنت ہے، یا فرمایا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، ایک انصاری صحابیؓ آگے بڑھے، یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، اس کے بعد دوسرے، تیسرے حتیٰ کہ سات انصاری صحابہؓ آگے بڑھ کر کافروں کو حضور ﷺ سے دور ہٹاتے ہوئے شہید ہوگئے۔

قوله : ما أنصفنا أصحابنا الخ (ص۱۰۷ سطر ۱۱)

اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں: ماانصفنا (بسکون الفاء)، اس صورت میں "أصحابنا" مفعول بہ ہوگا، جس کے معنیٰ ہوں گے: ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔ یہ روایت مشہور ہے اور اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصاری صحابہؓ یکے بعد دیگر کافروں کو ہٹانے کے لئے نکلے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، جبکہ قریشی (مہاجر) صحابہؓ میں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔

جبکہ دوسری روایت یہ ہے کہ ماأنصفنا (بفتح الفاء) ہے، اور "أصحابنا" اس کا فاعل ہے قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے، اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ جنگِ اُحد میں جو صحابہ کرامؓ ہم سے پیچھے ہٹ گئے، انہوں نے پیچھے ہٹ کر ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔[2]

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَ أُحُدٍ، وَشُجَّ فِي رَأْسِهِ، فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ، وَيَقُولُ :كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ، وَكَسَرُوا رَبَاعِيَتَهُ، وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ؟ ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ". (ص۱۰۸ سطر ۳ تا ۵)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۹۳ تحت هذا الحديث وغريب الحديث لابن قتيبة ج۱ ص۲۹۲۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص۱۰۷ و تکملة فتح الملهم ج۳ ص۱۹۳ تحت هذا الحديث۔

تشریح

قولہ : وکسروا رباعیتہ الخ(ص۱۰۸ سطر ۵)

"رباعی" ان دانتوں کو کہتے ہیں، جو "انیاب" کے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں، سامنے کے دو دانتوں کو "ثنایا" کہتے ہیں، "ثنایا" کے برابر میں "انیاب" ہوتے ہیں، اور "انیاب" کے دائیں اور بائیں "رباعی" ہوتے ہیں۔

قولہ : "لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ"(ص۱۰۸ سطر ۵)

یہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲۸ ہے، تمام احادیث کے مجموعے سے اس آیت کا شانِ نزول یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو زخمی کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے لئے بددعا کرنے کا ارادہ کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ بددعا فرمانے سے رک گئے، اور پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

"رب اغفر لقومی فإنهم لا یعلمون"

"اے میرے رب! میری قوم کی مغفرت فرما، بے شک وہ مجھے نہیں جانتے"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ فرمایا ہے کہ آپ کو میرے بندوں کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے، اِلّا یہ کہ میں خود کسی چیز کا حکم دوں، آگے فرمایا:

"اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ"

"خواہ ان کو معاف کریں، یا ان کو عذاب دیں، کیونکہ وہ ظالم ہیں"

یعنی ان کو ایمان کی دولت دے کر ان کی مغفرت فرمادیں، یا ان کے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب دیں، ان کے معاف کرنے اور عذاب دینے کے معاملے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَیْرٍ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :کَأَنِّی أَنْظُرُ إِلَی رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحْکِی نَبِیًّا مِنَ الْأَنْبِیَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ، وَهُوَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ، وَیَقُولُ :رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَإِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُونَ. (ص۱۰۸ سطر ۵ تا ۷)

تشریح

قوله: كأني أنظر إلى رسول الله ﷺ يحكي نبيا من الأنبياء ضربه قومه.....الخ (ص۱۰۸ سطر۶)

اس حدیث میں آپ ﷺ انبیاء کرامؑ میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں کہ ان کی قوم نے ان کو مارا، اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنے چہرہ مبارک سے خون پونچھ رہے تھے، یہاں پر کون سے نبی مراد ہیں، جن کی قوم نے ان کو مارا؟ اس بارے میں شرّاحِ حدیث خاموش ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ احتمال ہے کہ اس سے حضرت نوح علیہ السلام مراد ہوں [1]، کیونکہ ان کی قوم نے ان کو بہت ستایا، یہاں تک کہ ان کو لہولہان کردیا، اور پھر انہوں نے بھی یہی دعا فرمائی تھی کہ:

"رب اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون"

اور اس صورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے لئے یہ دعا فرمانا دعوتِ دین کے شروع میں تھا، لیکن جب قوم کی طرف سے ایمان لانے سے مایوسی ہوگئی، تو پھر بددعاء فرمائی کہ یا اللہ! کسی کافر کا گھر دنیا میں باقی نہ چھوڑ۔ چنانچہ کلامِ پاک میں ہے "رَبِّ لَاتَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّاراً"۔[2]

(۳۵)

باب اشتداد غضب الله على من قتله رسول الله ﷺ

(حضور جس کو قتل کردیں اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قوله) عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ :هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى قَوْمٍ فَعَلُوا هٰذَا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حِينَئِذٍ يُشِيرُ إِلَى رَبَاعِيَتِهِ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث الغار، رقم الحدیث ۳۲۱۸۔

(۲) سورۂ نوح: آیت نمبر ۲۶

رَسُولَ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ . (۱۰۸ سطر ۷ تا ۱۰)

تشریح

قوله: اشتد غضب الله على رجل الخ(۱۰۸ سطر ۹)

"رجل" سے مراد "عبد الله بن قمئه[1]" ہے۔

(۳۶)

باب ما لقى النبى ﷺ من أذى المشركين والمنافقين

(حضور کو کفار و منافقین کی طرف سے تکالیف پہنچنا)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبَانَ الْجُعْفِيُّ، (الى قوله) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ :بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ، وَأَبُو جَهْلٍ وَأَصْحَابٌ لَهُ جُلُوسٌ، وَقَدْ نُحِرَتْ جَزُورٌ بِالْأَمْسِ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ :أَيُّكُمْ يَقُومُ إِلَى سَلَا جَزُورِ بَنِي فُلَانٍ، فَيَأْخُذُهُ فَيَضَعُهُ فِي كَتِفَيْ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ فَأَخَذَهُ، فَلَمَّا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ :فَاسْتَضْحَكُوا، وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَمِيلُ عَلَى بَعْضٍ وَأَنَا قَائِمٌ أَنْظُرُ، لَوْ كَانَتْ لِي مَنَعَةٌ طَرَحْتُهُ عَنْ ظَهْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتَّى انْطَلَقَ إِنْسَانٌ فَأَخْبَرَ فَاطِمَةَ، فَجَاءَتْ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ، فَطَرَحَتْهُ عَنْهُ، ثُمَّ أَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَشْتِمُهُمْ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ، رَفَعَ صَوْتَهُ، ثُمَّ دَعَا عَلَيْهِمْ، وَكَانَ إِذَا دَعَا دَعَا ثَلَاثًا، وَإِذَا سَأَلَ سَأَلَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ :اللهُمَّ، عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا سَمِعُوا صَوْتَهُ ذَهَبَ

---

(۱) عبد اللہ بن قمئہ قریش کا مشہور پہلوان تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زور سے حملہ کیا کہ آپ کا رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: اقماك الله یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل وخوار کرے، چنانچہ چند روز گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کیا جس نے اپنے سینگوں سے ابن قمئہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰۔

عَنهُمُ الضّحکُ، وَخَافُوا دَعوَتَهُ، ثُمَّ قَالَ :اللھُمَّ، عَلَیکَ بِأَبِی جَھلِ بنِ هِشَامٍ، وَعُتبَةَ بنِ رَبِیعَةَ، وَشَیبَةَ بنِ رَبِیعَةَ، وَالوَلِیدِ بنِ عُقبَةَ، وَأُمَیَّةَ بنِ خَلَفٍ، وَعُقبَةَ بنِ أَبِی مُعَیطٍ -وَذَکَرَ السَّابِعَ وَلَم أَحفَظْهُ -فَوَالَّذِی بَعَث مُحَمَّدًا صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ بِالحَقِّ، لَقَد رَأَیتُ الَّذِینَ سَمَّی صَرعَی یَومَ بَدرٍ، ثُمَّ سُحِبُوا إِلَی القَلِیبِ -قَلِیبِ بَدرٍ -قَالَ أَبُو إِسحَاقَ :الوَلِیدُ بنُ عُقبَةَ غَلَطٌ فِی هَذَا الحَدِیثِ. (ص۱۰۸ سطر ۱۰ تا ۱۷)

تشریح

قوله: بینما رسول اللّٰہ ﷺ یصلّی عند البیت...الخ(ص۱۰۸ سطر ۱۱)

مدینہ طیبہ ہجرت سے پہلے کفارِ مکہ آپ ﷺ کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچاتے تھے، آپ ﷺ ان کی ایذاء رسانی پر صبر فرماتے، کفار کی ایذاء رسانی کے واقعات میں سے ایک واقعہ اس باب میں مذکور ہے۔

ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کے سامنے سرکارِ دوعالم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل اور اس کے ساتھ بڑے بڑے سردار وہاں بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ ﷺ سجدے میں گئے، تو ابوجہل نے کہا کہ فلاں قبیلے میں اونٹ ذبح ہوا ہے، کون ہے، جو اس اونٹ کی اوجڑی لاکر (**العیاذ باللّٰہ!**) حضور ﷺ کی گردن پر ڈال دے۔

قوله: فانبعث أشقی القوم فأخذه ..... الخ(ص۱۰۸ سطر ۱۲)

پھر قوم کا سب سے بدبخت آدمی اٹھا، اس سے مراد "**عقبة بن أبی مُعیط**" ہے، یہ گیا، اور اوجڑی لاکر حضور ﷺ کے کندھوں کے درمیان ڈال دی۔

حدیث میں ہے کہ اوجڑی جسم پر آنے کے بعد بھی آپ ﷺ نماز میں مشغول رہے، اوجڑی کی وجہ سے سجدے سے اُٹھ نہ سکے، چنانچہ حضرت بی بی فاطمہؓ تشریف لائیں، اور انہوں نے آکر وہ اوجڑی آپ کے اوپر سے ہٹائی۔

دورانِ نماز ناپاکی لگ جانے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

اس حدیث میں ہے کہ اوجڑی رکھے جانے کے باوجود آپ ﷺ نماز میں مشغول رہے، مسئلہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نماز فاسد ہوئی، یا نہیں ہوئی؟

اس میں حضرت امام بخاریؒ کا مسلک یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی، اس حدیث کی وجہ سے ان کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے اندر اگر نمازی کے بدن یا کپڑوں پر ناپاکی آجائے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں اس پر باقاعدہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔[1]

امام نوویؒ نے اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ دراصل حضور ﷺ کو اس کا پتہ نہ چلا کہ یہ اوجڑی ہے جو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان رکھی گئی ہے، وہ پاک ہے، یا ناپاک ہے، اور پاکی، ناپاکی کا حکم علم ہونے کے بعد لگتا ہے، اس سے پہلے نہیں لگتا۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کی نماز فرض تھی، یا نفل؟ دورانِ نماز ناپاکی کپڑے یا بدن پر آجانے سے فرض نماز فاسد ہوجاتی ہے، جبکہ نفل نماز فاسد نہیں ہوتی، اسلئے اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں نماز لوٹالی ہو، حنفیہ یہی کہتے ہیں۔[2]

اس کا تیسرا مطلب علامہ خطابیؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت تک "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، جیسے حرمتِ خمر تدریجاً ہوئی ہے، ایسے ہی طہارت کے احکام بھی درجہ بدرجہ آئے ہیں، اس وقت ناپاکی سے نماز کے فاسد ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔[3]

قوله: اللّٰهم، عليك بأبي جهل ابن هشام..... الخ (ص ۱۰۸ سطر ۱۵)

اس واقعہ کے وقت ابوجہل کے ساتھ کفارِ مکہ کے سرداروں میں سے چھ لوگ تھے، کل ملا کر یہ سات لوگ وہاں موجود تھے، ان کے لئے آپ ﷺ نے بددعاء فرمائی، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) ... أبو جهل بن هشام (۲) ... عتبة بن ربيعة

(۳) ... شيبة بن ربيعة (۴) ... وليد بن عقبة

(۵) ... أمية بن خلف (۶) ... عقبة بن أبي معيط.

---

(۱) صحيح البخاري كتاب الوضوء باب اذا أُلقي على ظهر المصلي قذرٌ او جيفة لم تفسد عليه صلوته، رقم الحديث: ۲۳۳۔

(۲) شرح النووي على صحيح مسلم ج:۲ص ۱۰۸۔

(۳) تكملة فتح الملهم ج۳ص ۱۹۹۔

قوله: وذكر السابع ولم أحفظه الخ(ص١٠٨ سطر ١٦)

راوی فرماتے ہیں کہ مجھے ساتواں یاد نہیں رہا، دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام "عمارة بن وليد" تھا۔[1]

قوله: قال أبوإسحاق: الوليد بن عقبة غلط في هذا الحديث.

(ص١٠٨ سطر ١٦،١٧)

اس حدیث میں "وليدبن عقبة" کا نام صحیح نہیں ہے، صحیح نام ہے "وليدبن عتبة".[2]

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الى قوله) نَا شُعْبَةُ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ، يُحَدِّثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ وَحَوْلَهُ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ، (الى قوله) فقال: اللهُمَّ، عَلَيْكَ الْمَلَأَ مِنْ قُرَيْشٍ :أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَعُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ، وَشَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ ــــ أَوْ أُبَيَّ بْنَ خَلَفٍ شُعْبَةُ الشَّاكُّ ــــ، قَالَ :فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ قُتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ، فَأُلْقُوا فِي بِئْرٍ، غَيْرَ أَنَّ أُمَيَّةَ ـ أَوْ أُبَيًّا -تَقَطَّعَتْ أَوْصَالُهُ فَلَمْ يُلْقَ فِي الْبِئْرِ، (ص١٠٨ سطر ١٧ تا ٢٠)

تشریح

قوله : وأمية بن خلف، أو أبى بن خلف، شعبة الشاك (ص١٠٨ سطر ٢٠)

"امية بن خلف" ہے، یا "ابىّ بن خلف" اس میں راوی حضرت شعبہؒ کو شک ہے، جبکہ صحیح " امية بن خلف" ہے۔

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الى قوله) أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ؟ فَقَالَ: "لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ، إِذْ عَرَضْتُ

(١) شرح النووی ج:٢ ص١٠٨۔

(٢) شرح النووی ج:٢ ص١٠٨۔

نَفْسِی عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ، فَنَادَانِي، فَقَالَ :إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ "، قَالَ " :فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ :يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ، فَمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ "، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا.(ص ۱۰۹ سطر ۵ تا ۱۱)

تشریح

قوله : هل أتى عليك يوم كان أشد من يوم أحد؟ (ص ۱۰۹ سطر ۶)

اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حضور ﷺ سے سوال فرمارہی ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ پر اُحد کے دن سے زیادہ سخت دن آیا؟ اس پر آپ ﷺ نے انہیں طائف کا واقعہ سنایا۔

طائف کا واقعہ

مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے آپ ﷺ اہلِ مکہ کے اسلام قبول کرنے سے ناامید ہوگئے، اوران کے مظالم انتہاء کو پہنچ گئے، دوسری طرف آپ ﷺ کے چچا ابوطالب، جو آپ ﷺ کے سب سے بڑی حمایتی اور سرپرست تھے، ان کا انتقال ہوگیا، اور امّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، جو آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات تھیں، اور دین کے معاملے میں آپ ﷺ کی سب سے بڑھ کر مددگار تھیں، ان کا بھی انتقال ہوگیا، ایسی حالت میں آپ ﷺ مکہ والوں کی طرف سے اسلام کی دعوت ٹھکرانے کے بعد اہلِ طائف سے ایمان لانے کی امید لے کر شوال ۱۰ھ نبوی میں (ہجرتِ مدینہ سے تقریباً تین سال قبل) طائف تشریف لے گئے، اور دس دن تک وہاں رہے، اُس وقت اہلِ طائف کے تین بڑے سردار تھے، ابن

عبدیالیل، حبیب اور مسعود بنو عمرو، جو آپس میں بھائی تھے، آپ ﷺ اُن سے جا کر ملے، اور اُن کو اسلام کی دعوت دی، اور اہلِ مکہ کی بدسلوکی کا ذکر کیا، انہوں نے آپ ﷺ سے دعوتِ اسلام سُن کر کفارِ مکہ کی طرح آپ ﷺ کی دعوتِ اسلام کے جواب میں انتہاء درجے کی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا، جو کہ مشہور و معروف ہے، جب آپ ﷺ وہاں سے واپس ہوئے، تو آپ ﷺ کے پیچھے لڑکوں کو لگا دیا، جو العیاذ باللہ! آپ ﷺ کو پتھر مارتے جاتے تھے، چلتے چلتے آپ ﷺ کہیں تھک کر رک جاتے، تو وہ پتھر مار مار کر پھر اٹھنے پر مجبور کر دیتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

قوله : وأنا مهموم على وجهي.....(ص۱۰۹ سطر ۷)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس صورتحال سے بہت زیادہ مغموم اور افسردہ اپنے چہرے کے رخ چلا جا رہا تھا، "قرن الثعالب" پہنچ کر مجھے کچھ سکون کا سانس لینے کا موقع ملا، "قرن الثعالب" سے مراد "قرن المنازل" ہے، جو اہلِ نجد کی "میقات" ہے، جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں (۳۲ میل) کے فاصلے پر واقع ہے[1]، اور حدودِ حرم سے باہر جو "حلّ" کے علاقے ہیں، ان میں سے حرم سے سب سے زیادہ دور میقات یہ "قرن المنازل" ہے۔

قوله : أن أطبق عليهم الأخشبين .....(ص۱۰۹ سطر ۱۱)

"أخشبين" تثنیہ ہے "أخشب" کا، اور "أخشب" پہاڑ کو کہتے ہیں، "أخشبين" سے مراد دو پہاڑ ہیں، جن میں سے ایک "جبلِ ابی قبیس" ہے، اور دوسرا "جبلِ قعیقعان" ان دو پہاڑوں کے درمیان مکہ مکرمہ آباد ہے[2]، پہاڑوں کے فرشتے نے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں، تو میں ان دونوں کو آپس میں ملا دوں، جسے سے یہ طائف والے پس کر رہ جائیں گے۔

آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں ان کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے کچھ مسلمان پیدا فرمادیں گے، آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے چودہ سو سال سے طائف مسلمانوں کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔

---

(۱) شرح النووی ج۲ص:۱۰۹

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ص:۲۰۳

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ، قَالَ :دَمِيَتْ إِصْبَعُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ تِلْكَ الْمَشَاهِدِ، فَقَالَ: هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ(ص ۱۰۹ سطر ۱۱،۱۲)

تشریح

قوله: هل أنتِ إلا إصبع دميتِ وفي سبيل الله ما لقيتِ

(ص ۱۰۹ سطر ۱۲)

جنگِ اُحد میں آپ ﷺ کی انگلی مبارک زخمی ہوئی، جس سے خون بہنے لگا، اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملے ادا ہوئے:

”تو ایک انگلی ہے، جس سے خون نکلا اور یہ تکلیف تجھے اللہ کے راستے میں آئی ہے“

اس پر بھی وہی اشکالات ہیں، کہ قرآنِ مجید میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْبَغِيْ لَهٗ

”اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے، اور نہ یہ ان کے شایانِ شان ہے“ (سورۂ یٰسین[۱]، آسان ترجمۂ قرآن)

اس کے علماء نے بہت سے جوابات دیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ زبان پر بے ساختہ شعر آجانے سے آدمی شاعر نہیں بن جاتا۔[۲]

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کا شعر نہیں ہے، بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا شعر ہے، لہٰذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ :سَمِعْتُ جُنْدُبَ بْنَ سُفْيَانَ، يَقُولُ " :اشْتَكَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ :يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ "، قَالَ " : فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : "وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا

---

(۱) سورۂ یٰسین: ۶۹

(۲) تفسیر معارف القرآن تحت هذه الآیة ج ۷ ص ۳۹۸۔

قَلْبِي". (ص۱۰۹ سطر ۱۵ تا۱۷)

تشریح

قوله : فجاء ته امرأة، فقالت: يا محمد! (ص۱۰۹ سطر۱۶)

"امرأة" سے مراد "ابولهب" کی بیوی "امّ جميل بنت حرب" ہے۔[1]

وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، (الى قوله) أخبرنا الملائي، حدثنا سفيان، كلاهما عن الأسود بن قيس، بهذا الإسناد نحو حديثهما (ص۱۰۹ سطر ۱۸،۱۹)

قوله : أخبرنا المُلائي .....(ص۱۰۹ سطر ۱۸)

"ملائی، مُلأة" سے ہے، "ملأة" اس چادر کو کہتے ہیں، جس کو عورتیں اپنے جسم کو چھپانے کے لئے اوڑھتی ہیں، ان کو "ملائی" اس لیے کہتے تھے کہ یہ ایسی چادریں بیچا کرتے تھے۔[2]

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الى قوله) عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ حِمَارًا عَلَيْهِ إِكَافٌ تَحْتَهُ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ، وَأَرْدَفَ وَرَاءَهُ أُسَامَةَ وَهُوَ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، (الى قوله) حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، فَقَالَ: أَيْ سَعْدُ، أَلَمْ تَسْمَعْ إِلَى مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ؟ ــــ يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ ــــ قَالَ :كَذَا وَكَذَا "، قَالَ :اعْفُ عَنْهُ يَا رَسُولَ اللهِ، وَاصْفَحْ، فَوَاللهِ، لَقَدْ أَعْطَاكَ اللهُ الَّذِي أَعْطَاكَ، وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هَذِهِ الْبُحَيْرَةِ أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُوهُ بِالْعِصَابَةِ، فَلَمَّا رَدَّ اللهُ ذَلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَهُ، شَرِقَ بِذَلِكَ، فَذَلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ، فَعَفَا عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص۱۰۹ سطر۹ ا تا ص۱۱۰ سطر۳)

---

(۱) تكملة فتح الملهم ج۳ص:۲۰۶

(۲) تكملة فتح الملهم ج۳ص۲۰۷۔

تشریح

قوله : البحيرة (ص ۱۱۰ سطر ۲)

"بحیرة"، "بحرة" کی تصغیر ہے، "بحرة" بستی کو کہتے ہیں، اس سے مراد مدینہ منورہ ہے[1]، اس واقعے میں عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ کے ساتھ بدتمیزی کی، اور آپ ﷺ کو نازیبا جواب دیا۔

قوله : أى سعد، ألم تسمع إلى ما قال أبو حباب؟(ص ۱۱۰ سطر ۱)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے سعد! کیا تم نے ابو حباب کی بات سنی! اس نے کیا کہا؟ ابو حباب سے مراد عبداللہ بن ابی[2] ہے۔

اس پر حضرت سعد بن عبادہؓ نے فرمایا کہ حضور! اہلِ مدینہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے عبداللہ بن ابی کو سردار بنانا چاہتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل فرمایا، اور آپ ﷺ کو عزت وشرف بخشا، تو اس کو آپ ﷺ سے حسد ہوگیا، سو! اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمایئے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے درگزر فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْقَيْسِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ أَتَيْتَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ، (الى قوله) قَالَ :فَبَلَغَنَا أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِمْ : "وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا" (ص ۱۱۰ سطر ۴ تا ۸)

تشریح

قوله : وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا الخ(ص ۱۱۰ سطر ۷،۸)

ایک موقع پر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ کچھ مسلمان عبداللہ بن ابی اور اس کی قوم کے پاس سے گزرے، زمین شوریلی اور خشک تھی جس کی وجہ سے سواریوں کے چلنے سے گرد وغبار اڑنے لگا، جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ کو مخاطب کرکے کہا آپ دور ہٹ جائیں، آپ کے گدھے کی بدبو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، جس پر ایک انصاری صحابیؓ کو غصہ آیا، انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے حمار کی بو تیری بدبو سے اچھی ہے، اس پر عبداللہ بن ابی کی قوم کا ایک آدمی اس انصاری صحابیؓ

---

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص:۱۱۰

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۲۰۸

پر غصہ ہوا، اور بات بڑھتے بڑھتے جانبین سے چھڑیوں، مکّوں اور جوتوں سے لڑائی شروع ہوگئی، حدیث کے راوی فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس قصے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

"وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا" (الحجرات: ۹)

یہ دوسری روایت درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہاں دونوں طرف ایمان والے تھے، اگرچہ عبداللہ بن ابی اور اس کی قوم ظاہری طور پر مسلمان تھے، بہرحال! وہ مسلمانوں کی صف میں شامل تھے، لیکن اس سے پہلے والی روایت کو اگر اس آیت کے شانِ نزول کی روشنی میں دیکھا جائے، تو وہاں اشکال ہوتا ہے کہ وہاں مسلمانوں، مشرکوں، اور یہودیوں کا مخلوط اجتماع تھا، پھر **طائفتان من المؤمنین،** کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس اجتماع میں اکثریت مسلمانوں کی تھی، اس لئے تغلیباً **طائفتان من المؤمنین** کہا گیا۔[1]

(۳۷)

باب قتل أبي جهل
(ابوجہل کا قتل)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، (الى قوله) أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ؟ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ، فَوَجَدَهُ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ، حَتَّى بَرَكَ، قَالَ: فَأَخَذَ بِلِحْيَتِهِ، فَقَالَ: آنْتَ أَبُو جَهْلٍ؟ فَقَالَ: وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ أَوْ قَالَ: قَتَلَهُ قَوْمُهُ، قَالَ: وَقَالَ أَبُو مِجْلَزٍ: قَالَ أَبُو جَهْلٍ: فَلَوْ غَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلَنِي. (ص ۱۱۰ سطر ۹، ۱۰)

تشریح

قوله : وهل فوق رجل قتلتموه الخ (ص ۱۱۰ سطر ۹ تا ۱۰)

جب غزوۂ بدر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ابوجہل کی خبر لینے کے لئے میدانِ جنگ میں نکلے، تو انہوں نے ابوجہل کو ایسے حال میں پایا کہ اس میں تھوڑی سی

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۲۱۰، اس سلسلے کے مزید جوابات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: روح البیان المعروف بتفسیر حقي تحت هذه الآية ۱۴/ ۶۵.

جان باقی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی داڑھی پکڑی اور کہا: تو ہے ابوجہل؟ اس وقت ابوجہل نے جواب دیا: هل فوق رجل قتلتموه؟ کیا تم نے اس سے بڑا آدمی دیکھا ہے، جس کو تم نے قتل کیا؟ یعنی یہ تمہاری سعادت مندی ہے کہ اتنا بڑا آدمی تمہارے ہاتھ سے مقتول ہوگیا، اور اس مقتول پر کوئی عار اور شرم کی بات نہیں کہ تم نے اسے قتل کیا، علامہ نوویؒ نے اس جملہ کا یہی مطلب بتایا ہے۔[1]

حضرت قاضی عیاضؒ نے اس کا دوسرا مطلب بتایا ہے کہ کاش! میں کسی قریشی کے ہاتھ سے قتل ہوتا، افسوس! کہ میں کاشتکار کے ہاتھوں قتل ہوا، کیونکہ عفراء کے دو بیٹوں معوذ اور معاذ نے ابوجہل کو قتل کیا تھا، اور یہ انصار میں سے تھے، اور انصاری صحابہ عموماً کاشتکار ہوتے تھے۔

اسی حدیث میں ابومجلز کے قول: قال أبو جهل: "فلو غير أكار قتلني" سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۸)

باب قتل كعب بن الأشرف طاغوت اليهود

(یہودی طاغوت کعب بن اشرف کا قتل)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الى قوله) عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، وَاللَّفْظُ لِلزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللهَ وَرَسُولَهُ ، فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ ، قَالَ :ائْذَنْ لِي، فَلْأَقُلْ، قَالَ :قُلْ ، فَأَتَاهُ، فَقَالَ لَهُ :وَذَكَرَ مَا بَيْنَهُمَا، وَقَالَ :إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ قَدْ أَرَادَ صَدَقَةً، وَقَدْ عَنَّانَا، فَلَمَّا سَمِعَهُ قَالَ :وَأَيْضًا وَاللهِ، لَتَمَلُّنَّهُ، قَالَ :إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ الْآنَ، وَنَكْرَهُ أَنْ نَدَعَهُ حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ أَمْرُهُ، قَالَ :وَقَدْ أَرَدْتُ أَنْ تُسْلِفَنِي سَلَفًا، قَالَ :فَمَا تَرْهَنُنِي؟ قَالَ :مَا تُرِيدُ؟ قَالَ :تَرْهَنُنِي نِسَاءَكُمْ، قَالَ :أَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ، أَنَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا؟ قَالَ لَهُ :تَرْهَنُونِي أَوْلَادَكُمْ، قَالَ :يُسَبُّ ابْنُ أَحَدِنَا،

---

(۱) شرح نووی: ج ۲ ص ۱۱۰

فَيَقَالُ :رُهِنَ فِي وَسُقَيْنِ مِنْ تَمْرٍ، وَلَكِنْ نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ -يَعْنِي السِّلَاحَ-، قَالَ :فَنَعَمْ، وَوَاعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ بِالْحَارِثِ، وَأَبِي عَبْسِ بْنِ جَبْرٍ، وَعَبَّادِ بْنِ بِشْرٍ، قَالَ :فَجَاءُوا فَدَعَوْهُ لَيْلًا فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ، قَالَ سُفْيَانُ :قَالَ غَيْرُ عَمْرٍو: قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ :إِنِّي لَأَسْمَعُ صَوْتًا كَأَنَّهُ صَوْتُ دَمٍ، قَالَ :إِنَّمَا هَذَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ، وَرَضِيعُهُ، وَأَبُو نَائِلَةَ، إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلَى طَعْنَةٍ لَيْلًا لَأَجَابَ، قَالَ مُحَمَّدٌ :إِنِّي إِذَا جَاءَ، فَسَوْفَ أَمُدُّ يَدِي إِلَى رَأْسِهِ، فَإِذَا اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَدُونَكُمْ، قَالَ :فَلَمَّا نَزَلَ نَزَلَ وَهُوَ مُتَوَشِّحٌ، فَقَالُوا :نَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الطِّيبِ، قَالَ :نَعَمْ تَحْتِي فُلَانَةُ هِيَ أَعْطَرُ نِسَاءِ الْعَرَبِ، قَالَ: فَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَشُمَّ مِنْهُ، قَالَ :نَعَمْ فَشُمَّ، فَتَنَاوَلَ فَشَمَّ، ثُمَّ قَالَ :أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَعُودَ، قَالَ :فَاسْتَمْكَنَ مِنْ رَأْسِهِ، ثُمَّ قَالَ :دُونَكُمْ، قَالَ :فَقَتَلُوهُ. (ص ۱۱۰ سطر ۱۱ تا ۱۴)

تشریح

کعب بن اشرف کے قتل کا حکم

اس باب میں کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا واقعہ بیان ہوا ہے، کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا، بڑا لحیم شحیم اور بڑے ڈیل ڈول والا آدمی تھا، غزوۂ بدر کے بعد اس نے مسلمانوں کی مذمت کرنا شروع کی، اور یہ مسلمان مردوں، عورتوں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا، اور یہ سب کھلے عام اور مجلس جما کر کیا کرتا تھا، اس لئے حضور ﷺ کی ہجو کرنے کی وجہ سے اس کا عہدِ ذمہ ختم ہوگیا،(۱) اور اس کو مجرم قرار دیا گیا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کے لئے فرمایا کہ کوئی ہے، جو اس کو قتل کرے؟

حضرت محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا کہ حضور! اگر آپ پسند فرمائیں، تو میں اسے قتل کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم قتل کردو، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے اس بارے میں کچھ "تورية" اور "تعریض" کرنے کی اجازت دیجئے، "تورية" کہتے ہیں کہ الفاظ کچھ اور ہوں، اور ان سے مراد کچھ اور لی جارہی ہو، مراد صحیح ہوتی ہے، ظاہری الفاظ اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ (۱)

(۱) شرح نووی: ج ۲ ص ۱۱۰

قوله : إن هذا الرجل قد أراد صدقة، وقد عنانا...(ص ۱۱۰ سطر ۱۴)

چنانچہ محمد بن مسلمہؓ کعب بن اشرف کے پاس پہنچے، اور بطورِ توریہ یہ جملہ کہا: کہ یہ آدمی (سرکارِ دو عالم ﷺ) ہم سے صدقہ چاہ رہے ہیں، اور انہوں نے ہمیں مشقت میں بھی ڈال رکھا ہے، مشقت میں ڈالنے کا "توریة" کرتے وقت ان کی مراد یہ تھی کہ وہ ہمیں احکامِ شرع بتلاتے ہیں، جن پر عمل کرنا مشقت سے خالی نہیں۔

جب کعب بن اشرف نے یہ بات سنی، تو وہ اس کا ظاہری مطلب سمجھا کہ یہ حضور سے تنگ اور بیزار ہیں، لہٰذا اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! تم اس سے زیادہ مشقت کا سامنا کروگے، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ بہر حال! ہم نے ان سے تابعداری کا وعدہ کرلیا ہے، اب ہم انہیں نہیں چھوڑ سکتے، البتہ! ان کے معاملے کو دیکھ رہے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟

محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ ہم تم سے کچھ سامان (کھجوریں وغیرہ) ادھار لینا چاہتے ہیں، کعب بن اشرف نے کہا کہ تم میرے پاس کیا چیز رہن رکھواؤ گے؟ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ تم اپنی عورتیں رہن رکھوادو، محمد بن مسلمہ نے کہا: تم تو عرب کے سب سے خوبصورت مرد ہو، ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں رہن کیسے رکھوائیں؟ اس نے کہا: تم اپنی اولاد کو رہن رکھوادو، محمد بن مسلمہؓ نے کہا: پھر ہماری اولاد کو طعنہ دیا جائے گا کہ دیکھو! یہ ایسی اولاد ہے، جس کو دو وسق کھجور کے بدلے رہن رکھا گیا، البتہ! ہم تمہیں اپنے ہتھیار رہن رکھوادیں گے، چنانچہ کعب بن اشرف مان گیا، اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے اس کے پاس اپنے چند دیگر ساتھیوں کے ساتھ آنے کا وعدہ کیا، چنانچہ یہ حضرات رات کو اس کے پاس آئے اور اس کو بلایا، کعب بن اشرف کی بیوی نے کہا کہ مجھے تو یہ قتل کرنے والے کی آواز محسوس ہوتی ہے، اس نے کہا کہ یہ تو محمد بن مسلمہ اور اس کے رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں، اور بہادر آدمی کو اگر رات کے وقت بھی لڑائی کے لئے بلایا جائے، تو وہ اس دعوت کو قبول کرتا ہے، چنانچہ وہ چادر اوڑھ کر نیچے اترا، اِدھر محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہوا تھا کہ جب وہ آئے گا، تو میں اس کے سر کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا، جب میں اس پر قابو پالوں، تو تم اس پر حملہ کردینا، چنانچہ جب وہ چادر اوڑھے ہوئے نیچے آیا، تو یہ بولے کہ ہمیں تیرے پاس سے خوشبو آرہی ہے، اس نے کہا: کیوں نہ آئے، میرے پاس

---

(۱) شرح نووی: ج۲ص۱۱۰

عرب کی عورتوں میں سب سے زیادہ خوشبودار عورت ہے، محمد بن مسلمہ نے کہا کہ کیا میں آپ کے سر کی کچھ خوشبو سونگھ لوں؟ اس نے کہا: ہاں! سونگھ لو، خوشبو سونگھنے کے بعد محمد بن مسلمہ نے کہا کہ ایک مرتبہ اور سونگھ لوں؟ اس نے کہا کہ ہاں! چنانچہ اس مرتبہ محمد بن مسلمہ نے اس کو قابو کر لیا، اور اپنے ساتھیوں سے کہا اپنا کام کرو چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔

(۳۹)

باب غزوة خيبر

(غزوۂ خیبر)

خیبر کا تعارف اور اس کی فتح

یہ باب غزوۂ خیبر کے بیان میں ہے، خیبر مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں تقریباً چورانوے یا چھیانوے میل کے فاصلے پر واقع ہے، اور اس کو خیبر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ خیبر کے معنیٰ قلعے کے آتے ہیں، یہاں یہودیوں کے بہت سے قلعے تھے۔ (۱)

دوسری وجہ خیبر کہنے کی یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی سب سے پہلے یہاں آکر آباد ہوا تھا، جس کا نام خیبر تھا، اسی کے نام پر اس بستی کو خیبر کا نام دے دیا گیا۔ (۲)

محرم الحرام ۷ھ میں سرکار دو عالم ﷺ چودہ سو صحابہ کرامؓ کو جو گھڑ سوار تھے، اور بیس صحابیات کو ہمراہ لے کر خیبر کی طرف تشریف لے گئے۔

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ، قَالَ :فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ، فَرَكِبَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ، وَأَنَا رَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ، فَأَجْرَى نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ، وَإِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَانْحَسَرَ الْإِزَارُ عَنْ فَخِذِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنِّي لَأَرَى بَيَاضَ فَخِذِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

(۱) معجم البلدان حرف الخاء باب الخاء والياء وما يليهما، تذكرة خيبر، ج۲ ص۱۹۵۔

(۲) عمدة القاری کتاب المغازی باب غزوة خيبر ج۱۸ ص۲۴۰۔

وَسَلَّمَ، فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ " :اللهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ "فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ" قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالَ :وَقَدْ خَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ، فَقَالُوا :مُحَمَّدٌ، قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ :وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا :وَالْخَمِيسَ، قَالَ :وَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً.(ص ۱۱۱ سطر ۳ تا ۷)

تشریح

قولہ : فصلينا عندها صلاة الغداة بغلس، الخ(ص ۱۱۱ سطر ۴)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر ہم نے خیبر کے قریب فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں، جہاد میں، یا مرض کی وجہ سے اگر آدمی فجر کی نماز جلدی پڑھ لے، تو کچھ حرج نہیں، ورنہ عام حالات میں قدرے روشنی ہو جانے پر فجر کی نماز پڑھنا احناف کے نزدیک مستحب ہے۔

قولہ: وانحسر الإزار عن فخذ نبي الله ﷺ، الخ(ص ۱۱۱ سطر ۵)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میرا گھٹنہ آنحضرت ﷺ کی ران مبارک سے مَس کر رہا تھا، اور آنحضرت ﷺ کا ازارِ مبارک ران سے ہٹا ہوا تھا۔

ران ستر کا حصہ ہے یا نہیں؟

یہاں یہ مسئلہ ہے کہ ران ستر کا حصہ ہے یا نہیں؟ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری[1]" میں فرمایا کہ حضرت داؤد ظاہریؒ، اور ایک روایت حضرت امام مالکؒ کی، اور ایک روایت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی، اور بعض شوافعؒ کی رائے یہ ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں، ان کی دلیل یہ حدیثُ الباب ہے، کیونکہ اگر ران ستر کا حصہ ہوتی، تو حضرت انسؓ اپنا گھٹنہ، آنحضرت ﷺ کی ران سے مَس کرنے سے بچاتے، اور آنحضرت ﷺ ران کو ڈھانک لیتے، جب یہ ستر نہیں، تو اس کو کھولنا، دیکھنا، مس کرنا جائز ہے۔

حنفیہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ران بھی ستر میں داخل ہے، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے، جس میں ران بھی آجاتی ہے، حنفیہ کی دلیل حدیثِ جرھد اسلمیؓ ہے، جس میں اس بات

---

(۱) فتح الباری کتاب الصلوۃ باب مایذکر فی الفخذ: ج ۲ ص ۴۷۔

کی صراحت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ ان کے پاس سے تشریف لائے، اس حال میں کہ ان کی ران کھلی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"خمّر علیک، أما علمت أن الفخذ عورة"[1]

"تم اپنی ران ڈھکو، تمہیں معلوم نہیں کہ ران ستر ہے"

لہٰذا اس حدیث کی بناء پر حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کی رانیں ستر میں داخل ہیں۔

حدیثُ الباب کے کئی جوابات دیے گئے ہیں: ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی ران مبارک کا کُھلنا غیر اختیاری طور پر تھا، کیونکہ آپ ﷺ سواری پر سوار تھے، اور خیبر تشریف لے جا رہے تھے، اور سواری دوڑاتے وقت ران سے کپڑے کا ہٹ جانا بعید نہیں ہے۔[2]

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیثُ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں، اور حدیثِ جرھد اسلمیؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل ہے، حدیثِ جرھد میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے، اور حدیثُ الباب میں واقعۂ جزئیہ بیان کیا گیا ہے، اور قاعدۂ کلیہ ترجیح رکھتا ہے واقعۂ جزئیہ پر، اس لئے حدیثِ جرھدؓ راجح ہوگی۔[3]

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت تھی، یعنی آپ ﷺ کی ران کا ستر میں داخل نہ ہونا، یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے، آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ حکم نہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ اس وقت تک ران کے ستر میں داخل ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور حدیثِ جرھد اسلمیؓ والی حدیث بعد کی ہے، لہٰذا یہ حدیث ناسخ ہے، اور حضرت انس بن مالکؓ والی حدیث منسوخ ہے۔

قوله: وقال بعض أصحابنا: و الخميس..... الخ (ص ۱۱۱ سطر ۷)

"و الخميس" اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں، اور منصوب بھی، مرفوع پڑھنے کی صورت میں واؤ عاطفہ ہوگا، اور اس کا عطف ہوگا لفظ "محمد" پر، اور معنٰی ہوگا: محمد اور لشکر، "خمیس" لشکر کو کہتے ہیں، اس لئے کہ لشکر میں پانچ حصے ہوتے ہیں:

---

(۱) مسند احمدؒ مسند جرهد الاسلمي رضي الله عنه، رقم الحديث: ۱۵۹۳۱

(۲) شرح نوویؒ ج:۲ص:۱۱۱

(۳) فتح الباری ج:۲ص:۴۷۷، کتاب الصلوٰة باب ما یذکر فی الفخذ۔

(۱) ... مقدمة (۲) ... ميمنة (۳) ... ميسرة

(۴) ... قلب (۵) ... ساقة.

"والخميسَ" کو منصوب پڑھنے کی صورت میں واؤ بمعنٰی "مع" ہوگا، اور الخميس مفعول معہ ہوگا۔[۱]

خیبر عنوۃً فتح ہوا تھا، یا صلحاً؟

قوله: وأصبناها عنوة. (ص ۱۱۱ سطر ۷)

اور ہم نے خیبر کو لڑائی کرکے حاصل کیا۔

خیبر عنوۃً فتح ہوا تھا، یا صلحاً؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) ... صلحاً فتح ہوا تھا۔ (۲) ... عنوۃً فتح ہوا تھا۔

(۳) ... کچھ صلحاً فتح ہوا، کچھ عنوۃً فتح ہوا۔

ان میں تیسرا قول راجح ہے۔[۲]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :كُنْتُ رِدْفَ أَبِي طَلْحَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ وَقَدَمِي تَمَسُّ قَدَمَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَأَتَيْنَاهُمْ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ وَقَدْ أَخْرَجُوا مَوَاشِيَهُمْ، وَخَرَجُوا بِفُؤُوسِهِمْ، وَمَكَاتِلِهِمْ، وَمُرُورِهِمْ....الحديث (ص ۱۱۱ سطر ۷،۸)

تشریح

"الفؤوس" یہ "فاس" کی جمع ہے، "فاس" کلہاڑی کو کہتے ہیں،[۳]

"مکاتل" جمع ہے "مِکتل" کی، معنٰی ہے: زنبیل، تھیلہ جس میں کاشتکار اپنی کٹائی کے اوزار رکھتے ہیں۔[۴] "مرور" جمع ہے "مَر" کی، درانتی کو کہتے ہیں۔[۵]

---

(۱) عمدة القاری کتاب الصلوٰة باب ما یذکر فی الفخذ: ج۴ ص۶۳۲

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۲۱۹، ۲۲۰

(۳) الصحاح فی اللغة للجوهری حرف الفاء مادة "فأس"

(۴) عمدة القاری ج۱۸ ص۶۴۷ کتاب المغازی باب غزوة خیبر۔

(۵) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۲۲۰۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ :خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ، فَتَسَيَّرْنَا لَيْلًا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لِعَامِرِ بْنِ الْأَكْوَعِ :أَلَا تُسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ، وَكَانَ عَامِرٌ رَجُلًا شَاعِرًا، فَنَزَلَ يَحْدُو بِالْقَوْمِ، يَقُولُ:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا   وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا   إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا

وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ هَذَا السَّائِقُ؟ قَالُوا :عَامِرٌ، قَالَ :يَرْحَمُهُ اللهُ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ :وَجَبَتْ يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ، قَالَ :فَأَتَيْنَا خَيْبَرَ، فَحَاصَرْنَاهُمْ حَتَّى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيدَةٌ، ثُمَّ قَالَ :إِنَّ اللهَ فَتَحَهَا عَلَيْكُمْ ، قَالَ :فَلَمَّا أَمْسَى النَّاسُ مَسَاءَ الْيَوْمِ الَّذِي فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ، أَوْقَدُوا نِيرَانًا كَثِيرَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا هَذِهِ النِّيرَانُ؟ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟ فَقَالُوا :عَلَى لَحْمٍ، قَالَ: أَيُّ لَحْمٍ؟ قَالُوا :لَحْمُ حُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَهْرِيقُوهَا، وَاكْسِرُوهَا ، فَقَالَ رَجُلٌ :أَوْ يُهَرِيقُوهَا وَيَغْسِلُوهَا؟ فَقَالَ :أَوْ ذَاكَ ، قَالَ :فَلَمَّا تَصَافَّ الْقَوْمُ كَانَ سَيْفُ عَامِرٍ فِيهِ قِصَرٌ، فَتَنَاوَلَ بِهِ سَاقَ يَهُودِيٍّ لِيَضْرِبَهُ، وَيَرْجِعُ ذُبَابُ سَيْفِهِ، فَأَصَابَ رُكْبَةَ عَامِرٍ فَمَاتَ مِنْهُ، قَالَ :فَلَمَّا قَفَلُوا، قَالَ سَلَمَةُ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِي :قَالَ :فَلَمَّا رَآنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاكِتًا، قَالَ :مَا لَكَ؟ قُلْتُ لَهُ :فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ، قَالَ :مَنْ قَالَهُ؟ قُلْتُ :فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَأُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ :كَذَبَ مَنْ قَالَهُ، إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ وَجَمَعَ

بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ، إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ قَلَّ عَرَبِيٌّ مَشَى بِهَا مِثْلَهُ

....الحديث(ص ۱۱۱ سطر ۱۱ تا ص ۱۱۲ سطر ٦)

تشریح

قوله: فتسيّرنا ليلا، فقال رجل من القوم لعامر بن الأكوع

(ص ۱۱۱ سطر ۱۲)

چونکہ آپ ﷺ خیبر کی طرف رات کو روانہ ہوئے تھے، ایک جگہ پہنچ کر ایک آدمی نے حضرت سلمۃ بن اکوعؓ (جو تیز دوڑنے کے ماہر تھے) کے بھائی حضرت عامر بن اکوعؓ سے کہا کہ آپ ہمیں اپنے کچھ اشعار سنائیے،

"هُنيهات" جمع ہے "هنيهة" کی، جو تصغیر ہے "هنة" کی معنٰی ہیں: شعر،[1] حضرت عامر شاعر آدمی تھے، انہوں نے بطورِ حُدی یہ اشعار پڑھنے شروع کیے:

اللّهم لو لا أنت ما اهتدينا و لا تصدّقنا و لا صلّينا

فاغفر فداء لک ما اقتفينا وثبت الأقدام إن لاقينا

و ألقين سكينة علينا إنا إذا صيح بنا أتينا

——— و بالصياح عوّلوا علينا

قوله: يرحمه اللّٰه..... الخ(ص ۱۱۲ سطر ۱)

آپ ﷺ نے اشعار سن کر دریافت فرمایا کہ یہ (حُدی پڑھ کر اونٹوں کو) ہنکانے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "عامر بن اکوع" ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "يرحمه اللّٰه"، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، اور صحابہ کرامؓ میں یہ بات مشہور تھی کہ جس کے لئے آپ ﷺ رحمت کی دعا فرماتے، وہ ضرور شہید ہوتا تھا، آپ ﷺ کا یہ کلمہ سن کر قوم میں ایک شخص (اس سے مراد حضرت عمرؓ ہیں[2]) نے کہا کہ " وجبت يارسول اللّٰه! لولا أمتعتنا به؟" یارسول اللہ! اس کے لئے شہادت واجب ہوگئی، کاش کہ آپ ﷺ نے ہمیں اس سے کچھ اور فائدہ اٹھانے دیا ہوتا۔

قوله: كان سيف عامر فيه قصر الخ (ص ۱۱۲ سطر ۴)

---

(۱) فتح الباری کتاب المغازی باب غزوة خيبر ج۱۲ ص۱۸۔

(۲) فتح الباری ج۱۲ ص۸ تحت هذا الحديث

حضرت عامرؓ کی تلوار چھوٹی تھی، جب صف بندی کے بعد لڑائی شروع ہوئی، تو انہوں نے تلوار ایک یہودی کی پنڈلی پر مارنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں وہ تلوار لوٹ کر ان کے اپنے گھٹنے پر آ لگی، اور وہ اس زخم سے شہید ہو گئے، لوگوں نے کہا کہ یہ تو خودکشی سے مر گئے، یہ سن کر ان کے بھائی سلمة بن اکوعؓ بڑے رنجیدہ اور غمگین ہوئے۔

قوله: فلما رآني رسول الله ﷺ ساكتا الخ (ص ۱۱۲ سطر ۵)

چنانچہ حضرت سلمة بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے خاموش خاموش دیکھا، تو دریافت فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ واقعہ ہوا، اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ عامر کے اعمال ضائع ہو گئے، اس لئے کہ یہ خود اپنی تلوار سے مرے ہیں۔

قوله: كذب من قاله، إن له لأجرين الخ (ص ۱۱۲ سطر ۶)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بھی یہ بات کہی، غلط کہی، بلکہ ان کے لئے دو اجر ہیں، ایک جہاد کرنے کا ثواب، اور دوسرا شہادت کا ثواب، اور فرمایا کہ " انه لجاهد مجاهد" یعنی جاهد في العلم والعمل، والمجاهد في سبيل الله.[1]

(۴۳)

باب غزوة النساء مع الرجال

(مردوں کے ساتھ عورتوں کے جہاد کرنے کا حکم)

اس باب میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا بیان ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا، فَيَسْقِينَ الْمَاءَ، وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى. (ص ۱۱۶ سطر ۷، ۸)

تشریح

قوله: كان رسول الله ﷺ يغزو بأم سليم ونسوة من الأنصار معه إذا غزا.....الخ (ص ۱۱۶ سطر ۷، ۸)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت امّ سلیم اور انصار کی کچھ

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۱۲

عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں، ان کا کام مجاہدین کو پانی پلانا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا ہوتا تھا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عورتیں پردے کے ساتھ جہاد میں حصہ لے سکتی ہیں، اور جن کاموں کو وہ پردے کے ساتھ باآسانی کرسکیں، وہ کام بھی کرسکتی ہیں، جیسے پانی پلانا، کھانا وغیرہ پکانا، ہتھیار فراہم کرنا وغیرہ، البتہ اگر کسی زخمی کی مرہم پٹی کرنی پڑے، تو جہاں تک ہو سکے، بغیر ہاتھ لگائے اس خدمت کو انجام دے سکتی ہے[1]، اور اس میں بھی اصلاً ان کی یہ خدمت ان کے شوہروں اور محارم مردوں کے لئے ہونی چاہئے، لیکن اگر کبھی ضرورت پڑ جائے، تو پوری احتیاط کرتے ہوئے وہ نامحرم مردوں کی خدمت بھی انجام دے سکتی ہیں، کیونکہ الضرورات تبیح المحظورات مشہور قاعدہ ہے جس سے اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْهَزَمَ نَاسٌ مِنَ النَّاسِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو طَلْحَةَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُجَوِّبٌ عَلَيْهِ بِحَجَفَةٍ ، قَالَ :وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ رَجُلًا رَامِيًا، شَدِيدَ النَّزْعِ، وَكَسَرَ يَوْمَئِذٍ قَوْسَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ، قَالَ " :فَكَانَ الرَّجُلُ يَمُرُّ مَعَهُ الْجَعْبَةُ مِنَ النَّبْلِ، فَيَقُولُ: انْثُرْهَا لِأَبِي طَلْحَةَ "، قَالَ " :وَيُشْرِفُ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَى الْقَوْمِ، فَيَقُولُ أَبُو طَلْحَةَ :يَا نَبِيَّ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، لَا تُشْرِفْ، لَا يُصِبْكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ، نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ "، قَالَ :وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ، وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ، أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا، تَنْقُلَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا، ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِهِمْ، ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا........الحديث (ص ۱۱٦ سطر ۸ تا ۱۳)

تشریح

قوله: وأبو طلحة بين يدى النبى ﷺ مجوّب عليه بحجفة (ص ۱۱٦ سطر ۹، ۱۰)

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم ج۲ ص:۱۱٦

"مجوِّب" کے معنٰی ہیں: ڈھال بننا[1]، اور حَجَفَةٌ کے معنٰی ہیں: چمڑے کی چھوٹی ڈھال[2]، جس میں کوئی لکڑی وغیرہ نہ لگی ہوئی ہو، حضرت ابوطلحہ ؓ آپ ﷺ کے اوپر اپنی کمر کو ایک چمڑے کی ڈھال کی طرح آڑ بنا کر دشمن کی طرف پیٹھ کیے ہوئے تھے، اور دشمن کے تیروں کو اپنی پیٹھ پر لے رہے تھے۔

حضرت ابوطلحہؓ بڑے تیرانداز تھے، غزوہِ اُحد میں ان کی دو یا تین کمانیں ٹوٹیں، جب کوئی تیروں کا ترکش لے کر نکلتا، تو آپ ﷺ فرماتے کہ ان تیروں کو طلحہ کے لئے بکھیر دو، کبھی کبھی آپ ﷺ گردن اٹھا کر کافروں کو دیکھنے لگتے، تو حضرت ابوطلحہؓ عرض کرتے کہ یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ ﷺ گردن نہ اٹھایئے، ایسا نہ ہو کہ کافروں کا کوئی تیر آپ ﷺ کو لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینہ مبارک کے سامنے ہے۔

قوله: ولقد رأیت عائشة بنت أبی بکر ..... الخ (ص۱۱۶ سطر ۱۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور (اپنی والدہ) ام سلیمؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی شلوار کے پائنچے اوپر کیے ہوئے تھے، اور میں ان کے پیروں کی پازیب دیکھ رہا تھا۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے حضرت عائشہؓ کو کیسے دیکھ لیا؟ اور انہوں نے اپنے پیروں کو کیسے کھول لیا؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے، لہٰذا حضرت انسؓ کے دیکھنے اور ان دونوں کے پائنچے کھولنے پر کوئی اشکال نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت انسؓ نے ان کو قصداً دیکھا، ہوسکتا ہے کہ اچانک نظر پڑ گئی ہو۔[3] اور پھر نظر ہٹا لی ہو۔

(۱) النهاية لابن الأثيرؒ حرف الجيم باب الجيم مع الواو ج۱ص۸۳۲

(۲) تكملة فتح الملهم ج۳ص۲۳۲

(۳) تكملة فتح الملهم ج۳ص۲۵۱

(۴۴)

باب النساء الغازيات يرضخ لهن ولا يسهم، والنهي عن قتل صبيان أهل الحرب

(مجاهد عورتوں کو کچھ حصہ ملنا اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت)

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جہاد میں حصہ لینے والی خواتین کو انعام کی طرح کچھ مال ملے گا، لیکن مالِ غنیمت میں سے مجاہدین کی طرح باقاعدہ ان کو حصہ نہیں دیا جائے گا، اسی طرح حربیوں کے بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت بھی اس باب میں بیان کی گئی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، (الی قوله) عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ، أَنَّ نَجْدَةَ، كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ، عَنْ خَمْسِ خِلَالٍ، فَقَالَ :ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْلَا أَنْ أَكْتُمَ عِلْمًا مَا كَتَبْتُ إِلَيْهِ، كَتَبَ إِلَيْهِ نَجْدَةُ :أَمَّا بَعْدُ، فَأَخْبِرْنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ؟ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ؟ وَهَلْ كَانَ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ؟ وَمَتَى يَنْقَضِي يُتْمُ الْيَتِيمِ؟ وَعَنِ الْخُمُسِ لِمَنْ هُوَ؟ فَكَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ :كَتَبْتَ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ؟ "وَقَدْ كَانَ يَغْزُو بِهِنَّ، فَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى، وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيمَةِ، وَأَمَّا بِسَهْمٍ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ، وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ، فَلَا تَقْتُلِ الصِّبْيَانَ، وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي مَتَى يَنْقَضِي يُتْمُ الْيَتِيمِ؟ فَلَعَمْرِي، إِنَّ الرَّجُلَ لَتَنْبُتُ لِحْيَتُهُ وَإِنَّهُ لَضَعِيفُ الْأَخْذِ لِنَفْسِهِ، ضَعِيفُ الْعَطَاءِ مِنْهَا، فَإِذَا أَخَذَ لِنَفْسِهِ مِنْ صَالِحِ مَا يَأْخُذُ النَّاسُ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ الْيُتْمُ، وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنِ الْخُمُسِ لِمَنْ هُوَ؟ وَإِنَّا كُنَّا نَقُولُ :هُوَ لَنَا، فَأَبَى عَلَيْنَا قَوْمُنَا ذَاكَ. (ص۱۱۶ سطر۳ تا ص۱۱۷ سطر۲)

تشریح

قوله: عن يزيد بن هرمز، أن نجدة، كتب إلى ابن عباس يسأله

(ص ۱۱٦ سطر ۱۴)

نجدہ بن حروری کا تعارف اور اس کے سوالات

حضرت یزید بن ہرمزؒ روایت کرتے ہیں کہ "نجدة" نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف ایک خط لکھا، "نجدة" سے کون مراد ہے؟ اور اس نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف کیا لکھا اس کو سمجھ لیں!

"نجدة" سے مراد "نجدة بن عامر حروری" ہے، یہ خارجیوں کی ایک جماعت کا رئیس تھا، ٦٦ھ میں یہ اپنی جماعت کو لے کر یمامہ سے بحرین گیا، تاکہ اپنے مذہب کی بنیاد ڈالے، یہ اپنی جماعت میں امیر المؤمنین کہلاتا تھا، اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت تھی، جب ان کو پتہ چلا کہ "نجدة" ایک بڑی جماعت لے کر بحرین کی طرف گیا ہے، تو انہوں نے اس کی سرکوبی کرنے اور اس کی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اپنے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ کو ایک لشکر دے کر روانہ فرمایا، جنہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا، اور اس کا کام تمام کیا، اور اس کی جماعت کا صفایا کر دیا۔ (۱)

نجدة بن عامر حروری کے سوالات اور حضرت ابن عباسؓ کے جوابات

قوله: عن خمس خلال الخ (۱۱٦ سطر ۱۴)

نجدہ حروری نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں خط لکھ کر پانچ باتیں دریافت کیں:

(۱) ... ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا حضور ﷺ جہاد میں عورتوں کو شریک فرماتے تھے؟

(۲) ... کیا جہاد میں حصہ لینے والی عورتوں کے لئے مال غنیمت سے حصہ مقرر کیا جاتا تھا؟

(۳) ... کیا رسول اللہ ﷺ جنگ میں دشمن کے بچوں کو قتل کیا کرتے تھے؟

(۴) ... نابالغ کی حالتِ یتیمی کب ختم ہوتی ہے؟

(۵) ... خُمس کس کے لئے ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر علم کو چھپانا جائز نہ ہوتا، تو میں اس کو جواب نہ دیتا، کیونکہ یہ خارجی تھا جس کو جواب دینا گوارا نہ تھا۔ (۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۵۲

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم ج۲ ص۱۱٦

(۱) ... پہلے سوال کا جواب حضرت ابن عباسؓ نے دیا کہ آپ ﷺ عورتوں کو جہاد میں شریک فرماتے تھے، اور وہ (پردے کے ساتھ) زخمیوں کی دوا دارو کیا کرتی تھیں۔

(۲) ... دوسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ عورتوں کے لئے باقاعدہ مالِ غنیمت میں حصہ مقرر نہیں ہوتا تھا، البتہ ان کے لئے کچھ تھوڑا بہت مال بطورِ انعام دے دیا کرتے تھے، اس کو "حذوۃ" اور "رضخ" کا نام دیا جاتا تھا۔

(۳) ... تیسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ ﷺ جنگ کے دوران دشمنوں کے بچوں کو قتل نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے دشمن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام قرار دیا، بشرطیکہ وہ لڑائی میں شریک نہ ہوں۔

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ جنگ میں دشمن کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا، یہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، البتہ اگر عورتیں اور بچے لڑنے کیلئے سامنے آجائیں، یا دشمن ان کو اپنے لئے ڈھال بنالیں، تو پھر ان کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔

قوله: وكتبت تسألني متى ينقضي يتم اليتيم؟ (۱۱۷ سطر ۱)

"یُتم" سے نجدۃ کی مراد یہ نہیں تھی کہ حالتِ یتیمی کب ختم ہوگی؟ کیونکہ یہ تو سب کو پتہ تھا کہ جب نابالغ بچہ بالغ ہوجائے، تو اس کی یتیمی ختم ہوجاتی ہے، بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ بچے کو اس کا مال کب حوالے کرنا چاہئے؟ یعنی کوئی بچہ یتیم ہو، یا یتیم نہ ہو، اور اپنے ولی وغیرہ کے پاس موجود ہو، تو کس عمر میں اس کا یہ مال اس کے حوالے کیا جائے گا؟[1]

(۴) ... اس سوال کا جواب یہ دیا کہ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی داڑھی نکل آتی ہے، مگر انہیں نہ لینے کا شعور ہوتا ہے، اور نہ دینے کا، لہٰذا جب وہ لوگوں کی طرح اپنے فائدے کی باتیں کرنے اور سمجھنے لگے، تو پھر اس کی یتیمی ختم ہوجائے گی۔

یتیم کا مال اسکے حوالے کرنے کا حکم

اس مسئلے میں حضرت ابن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک بچے میں مال کے استعمال کرنے کی سمجھ بوجھ پیدا نہ ہو، اس وقت تک مال اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا، چاہے اس کی عمر کتنی ہی

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم ج۲ص۱۱۷

ہوجائے، بالغ ہوتے ہی سمجھ بوجھ آ گئی، تو مال اس کے حوالے کردیا جائے گا، ورنہ جس عمر میں جا کر سمجھ بوجھ پیدا ہوگی، اس وقت حوالے کیا جائے گا، اور دلیل ان کی قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

"فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ"(۱)

اس آیت میں "رُشد" کا لفظ آیا ہے، اور "رُشد" کہتے ہیں: سمجھ بوجھ کو، لہٰذا جب بچے میں مال کے استعمال اور خرچ کرنے کی سمجھ بوجھ پیدا ہوجائے، تو اس وقت اس کا مال اس کے حوالے کردیا جائے گا، یہی مسلک حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، ان کی دلیل بھی یہی آیت، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا موقف اس آیت کے مطابق ہے۔(۲)

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام صاحبؒ کا موقف نہایت دقیق اور لطیف ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شریعت نے اٹھارہ سال (امام صاحبؒ کے نزدیک بلوغت کی عمر کی شرعی حد) کی عمر میں اس پر بلوغت کا حکم لگایا ہے (صاحبینؒ کے نزدیک آخری حد پندرہ سال ہے، فتویٰ بھی اسی پر ہے(۳))، جس کی وجہ سے سارے احکامِ شرع اس کی طرف متوجہ ہوگئے، حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اس پر لاگو ہوگئے، پھر بھی ہم نے سات سال مزید احتیاط کی، اور اس میں مزید سمجھ بوجھ پیدا ہونے کا انتظار کیا، اور کہا کہ پچیس سال کی عمر میں اس کا مال اس کے حوالے کردیا جائے گا، کیونکہ اب بھی اگر اس کے اندر ناسمجھی ہوگی، تو وہ نابالغی کی وجہ سے ناسمجھی نہیں ہوگی، کیونکہ پچیس سال کی عمر تک وہ باقی نہیں رہتی، لہٰذا پچیس سال کی عمر تک پہنچنے میں اس کا مال اس کے حوالے کردیا جائے گا۔(۴)

(۵) ... پانچویں سوال کا جواب یہ دیا کہ مالِ غنیمت کا خمس ہمارے لئے ہے، لیکن ہماری قوم(۵) (یعنی امراءِ بنی اُمیہ) نے نہ مانا۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۷

(۲) شرح النوویؒ علی صحیح مسلم ج۲ ص۱۱۷

(۳) البحر الرائق باب الحجر فصل فی حد البلوغ: ج۲۱ ص۱۱۲

(۴) روح المعانی تفسیر سورۃ النساء آیت نمبر۶ ج۳ ص۳۳۳

(۵) شرح النوویؒ ج۲ ص۱۱۷

خُمس کا مسئلہ

مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق آیت یہ ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت میں سے جو خُمس نکالا جائے گا، اس کے پانچ مصارف ہیں:

(۱) ... اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے۔

(۲) ... ذوی القربیٰ کے لئے۔

(۳) ... یتیموں کے لئے۔

(۴) ... مسکینوں کے لئے۔

(۵) ... مسافروں کے لئے۔

حضرت ابن عباسؓ اور ائمہ ثلاثہؒ کا مذہب

اس میں ذوی القربیٰ کے حصے کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ خُمس کے خُمس کا حقدار کون ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ چونکہ حضور ﷺ کے ذوی القربیٰ میں داخل تھے، اس لئے وہ اپنے آپ کو اس کا حقدار سمجھتے تھے، ان کا موقف تھا کہ یہ ذوی القربیٰ کا حق ہے خواہ امیر ہوں یا فقیر، اور جس طرح حضور ﷺ کی زندگی میں ان کو ملتا تھا، اسی طرح حضور ﷺ کی وفات کے بعد، ملنا چاہئے، اور وہ ذوی القربیٰ میں "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہوتا ہے، ائمہ ثلاثہؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ (۲)

حنفیہؒ کا مسلک

حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں تو اسی طرح ہوتا تھا کہ ایک حصہ حضور ﷺ کا، ایک حصہ ذوی القربیٰ کا، اور باقی تین حصے دیگر مصارف کے لئے، لیکن حضور ﷺ

---

(۱) سورة الأنفال: ۴۱

(۲) شرح النووي على صحيح مسلم ج۲ ص ۱۱۷

کے وصال کے بعد مالِ غنیمت کے تین حصے کیے جائیں گے، حضور ﷺ کا حصہ، حضور ﷺ کے وصال کی وجہ سے ساقط ہوگیا، اور وہ مصالح مسلمین میں صرف کیا جائے گا، اسی طرح ذوی القربیٰ کا حق بھی ساقط ہوگیا، وہ بھی مصالحِ مسلمین میں صرف کیا جائے گا۔

اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ذوی القربیٰ کو جو ایک حصہ دیا جاتا تھا، وہ ان کی نصرت کی وجہ سے دیا جاتا تھا، حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ ضرورت باقی نہ رہی، لہٰذا وہ حصہ بھی ان کا نہ رہا، لہٰذا مالِ غنیمت کے خمس کے تین حصے کیے جائیں گے، جو یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے استعمال کیا جائے گا، البتہ اگر آپ ﷺ کے قرابت دار مسکین ہوں، تو وہ دیگر مساکین پر مقدم ہوں گے اور آپ کے قرابت دار اگر مالدار ہوں تو ان کو یہ خمس نہیں دیا جائے گا۔ یہ مؤقف حضراتِ خلفاءِ راشدینؓ کا ہے۔ (۱)

''کتاب الخراج ''میں حضرت امام ابویوسفؒ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آیت کے مطابق مال غنیمت کے خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے (جن کی تفصیل اوپر گذری)، پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں، اور اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے اور حضرت عثمانِ غنیؓ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں مالِ غنیمت کے خمس کے تین حصے کیے، حضور ﷺ اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کردیا اور ان تین حصوں کو تین مذکورہ بالا مصارف میں خرچ کیا، ان کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے، انہوں نے بھی اسی طریقے کو جاری رکھا، اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ (۲)

(۴۵)

باب عدد غزوات النبی ﷺ

(حضور ﷺ کے غزوات کی تعداد)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، (الی قوله) عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ، خَرَجَ يَسْتَسْقِي بِالنَّاسِ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ اسْتَسْقٰى، قَالَ :فَلَقِيتُ

(۱) البحر الرائق کتاب السیر فصل فی کیفیة قسمة الغنائم ج۱۳ص۲۶۳ ۳ ۲۶۴ ۳۔

(۲) الخراج لابی یوسف ج۱ص۳۰،۳۱ باب فی قسمة الغنائم الخ۔

يَوْمَئِذٍ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ، وَقَالَ :لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ غَيْرُ رَجُلٍ -أَوْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ رَجُلٌ -قَالَ :فَقُلْتُ لَهُ :كَمْ غَزَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: تِسْعَ عَشْرَةَ ، فَقُلْتُ :كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ؟ قَالَ :سَبْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً ، قَالَ: فَقُلْتُ :فَمَا أَوَّلُ غَزْوَةٍ غَزَاهَا؟ قَالَ :ذَاتُ الْعُسَيْرِ أَوِ الْعُشَيْرِ.(ص ۱۱۸ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

قولہ: کم غزا رسول اللہ ﷺ ؟(ص ۱۱۸ سطر ۲)

حضرت زید بن ارقم ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا، انہوں نے جواب دیا کہ انیس (۱۹)، پھر اس نے پوچھا کہ ان میں سے کتنے غزوات میں آپ کی شرکت رہی؟ حضرت زید بن ارقم ؓ نے فرمایا کہ سترہ (۱۷)، پھر پوچھا کہ سب سے پہلے کون سا غزوہ ہوا؟ حضرت زید بن ارقم ؓ نے فرمایا کہ **غزوۂ ذات العسیر**، یا فرمایا: **غزوۂ ذات العشیر**۔

غزوات اور سرایا کی کل تعداد

اس بارے میں **اصحابُ السیر والمغازی** کا اختلاف ہے کہ غزوات کی کل تعداد کتنی ہے؟ اور سرایا کی کل تعداد کتنی ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ غزوات کی کل تعداد ستائیس (۲۷) ہے، اور سرایا کی کل تعداد چھپن (۵۶) ہے۔[1]

غزوۂ ذات العشیر کا پسِ منظر

یہ غزوہ ہجرت کے سولہ مہینے بعد یعنی جمادی الاولیٰ ۱ھ میں ہوا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے، آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بہت سے مال واسباب کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ملکِ شام جا رہا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے دوسو آدمیوں کا ایک لشکر تیار فرمایا، اور اس کو لے کر اس قافلے پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے، اس غزوہ میں مسلمانوں کا علم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا۔ لیکن قریش کا یہ تجارتی قافلہ تبوک کے راستے سے بچ کر نکل گیا، اور مقابلے کی نوبت نہ آئی۔

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۴۴، ۴۵

ذات العشیر، کو ذات العسیر، ذات العشیرة اور ذات العسیرة بھی کہا گیا ہے، ذات العسیر کے بارے میں شارحینؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تبوک ہے، اور اس کو ذات العسیر اس لئے کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو "عسرت" یعنی تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔(۱)

(۴۶)

باب غزوة ذات الرقاع

(غزوۂ ذات الرقاع اور اس کا پس منظر)

یہ غزوہ ۴ھ یا ۵ھ میں خیبر کے بعد ہوا ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلۂ غفار اور قبیلۂ ثعلبة وغیرہ کی طرف سے حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہ قبیلے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے چار سو صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر تیار فرمایا اور ان سے لڑنے تشریف لے گئے، لیکن جب یہ لشکر وہاں پہنچا، تو ان کافروں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ مقابلہ کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے بلا مقابلہ فتح عطا فرمادی۔

"ذات الرقاع" کہنے کی چار وجہ

اس غزوہ کو "ذات الرقاع" کہنے کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس غزوہ میں صحابہ کرامؓ کے پاس سواریاں کم تھیں، چھ آدمیوں کے لئے ایک اونٹ تھا، جن پر وہ باری باری سوار ہوتے، پیدل چلنے کی وجہ سے پاؤں میں آبلے پڑگئے، جس کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ نے کپڑے کی پٹیاں اپنے پاؤں پر باندھیں، کپڑے کی پٹی کو "رقاع" کہتے ہیں۔

دوسری وجہ شارحینؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کے جھنڈوں میں پیوند لگے ہوئے تھے، یعنی اتنی زیادہ تنگدستی تھی کہ ایک جھنڈا بھی مختلف کپڑوں کے ٹکڑوں سے تیار کیا گیا تھا، اس لئے اس غزوہ کو "ذات الرقاع" کہتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جہاں یہ لشکر پہنچا، وہاں ایک درخت تھا، جس کا نام "ذات الرقاع" تھا، اس درخت کے نام کی وجہ سے اس غزوہ کو "ذات الرقاع" کہہ دیا گیا۔

---

(۱) تکملة فتح الملہم ج ۳ ص ۲۶۲ وسیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۴۸۔

چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس جگہ یہ غزوہ ہوا تھا، وہاں زمین میں سفید اور کالے نشانات تھے، اور کالے اور سفید نشانات کو "رقاع" کہا جاتا ہے، اس بناء پر اس کو "غزوۂ ذات الرقاع" کہتے ہیں۔ (۱)

(۴۷)

باب کراهة الاستعانة فی الغزو بکافر الخ

(اس باب میں جنگ میں کافروں سے مدد لینے کا مکروہ ہونا بیان کیا گیا ہے)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ :خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ بَدْرٍ، فَلَمَّا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ أَدْرَكَهُ رَجُلٌ قَدْ كَانَ يُذْكَرُ مِنْهُ جُرْأَةٌ وَنَجْدَةٌ، فَفَرِحَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَأَوْهُ، فَلَمَّا أَدْرَكَهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :جِئْتُ لِأَتَّبِعَكَ وَأُصِيبَ مَعَكَ، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ؟ قَالَ :لَا، قَالَ: فَارْجِعْ، فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ ، قَالَتْ :ثُمَّ مَضَى حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالشَّجَرَةِ أَدْرَكَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ، قَالَ :فَارْجِعْ، فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ ، قَالَ :ثُمَّ رَجَعَ فَأَدْرَكَهُ بِالْبَيْدَاءِ ، فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ :تُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ؟ قَالَ :نَعَمْ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فَانْطَلِقْ .(ص ۱۱۸ سطر ۱۴ تا ۲۰)

تشریح

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف تشریف لے چلے، جب مقام "حرۃ الوبرۃ" (مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر) پر پہنچے، تو حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا،

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۳ص ۲۶۵،۲۶۶۔

جس کی بہادری کا دور دور تک شہرہ تھا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اسے دیکھ کر خوش ہوئے، اس نے عرض کیا کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، تا کہ جو کچھ ملے، اس میں سے حصہ پاؤں، آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟

اس نے کہا کہ نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم واپس لوٹ جاؤ! میں کسی مشرک سے مدد نہیں لیتا، پھر جب آپ ﷺ مقامِ "شجرۃ" پر پہنچے، تو وہ شخص پھر سامنے آیا، اور یہی سوال وجواب ہوئے، اس کے بعد وہ مقامِ "بیداء" میں ملا، اس بار جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: تو چل۔

جہاد میں کافروں سے مدد لینے کا حکم

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ اگر ضرورت پیش آجائے، تو کافروں سے جہاد میں مدد لینا جائز ہے، ایک دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بنو قریظۃ کے خلاف بنو قینقاع سے مدد لی، جو کہ یہودی تھے، اور غزوۂ خیبر میں بھی بعض یہودیوں سے آپ ﷺ نے جنگی تعاون حاصل فرمایا، اسی طرح غزوہ حنین اور غزوۂ طائف میں "صفوان بن امیۃ" نامی کافر آپ ﷺ کے ساتھ شریکِ جنگ ہوا۔

تمام احادیث کو سامنے رکھ کر جو خلاصہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو کافروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو، اور کفار مدد کرنے میں مسلمانوں کے تابع رہیں، اور ان سے مسلمانوں کو کسی قسم کا دینی اور دنیاوی نقصان نہ پہنچے، تو ایسی صورت میں ان سے تعاون لینا جائز ہے، اور اگر مسلمانوں کو ان کی وجہ سے کوئی جانی، مالی نقصان پہنچے، یا وہ مسلمانوں پر احسان جتلائیں، یا اپنے مذموم مقاصد ان سے حاصل کرنا چاہیں، جیسا کہ آج کل ہے، یا وہ مسلمانوں پر غالب ہوجائیں، اور مسلمان انکے ماتحت ہوجائیں، تو ایسی صورت میں کافروں سے تعاون حاصل کرنا نا جائز ہے۔ (۱)

اس حدیث میں مطلق ممانعت ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس غزوہ میں جو کہ غزوۂ بدر ہے، اور یہ صحیح معنیٰ میں مسلمانوں کا پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے، جس میں حق وباطل کا ایک دوسرے سے امتیاز ہونے والا تھا اس لئے آپ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس موقع پر اس غزوہ کو صرف

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۲۶۹۔

مسلمانوں کو ہی سر کرنا چاہئے، اس میں کسی کافر کی شمولیت کو آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا، ورنہ فی نفسہٖ آپ ﷺ کفار سے مدد لینے کو جائز سمجھتے تھے۔[1]

کتاب الإمارة

(حکومت اور سیاست)

اس کتاب میں امام مسلمؒ نے وہ احادیثِ طیبہ بیان فرمائی ہیں، جن سے اسلامی حکومت اور اسلامی سیاست کے احکام واضح ہوں گے، اسلام میں سیاست اور حکومت بھی ایک اہم شعبہ اور اسلام کا ایک اہم پہلو ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں ایک جامع خلاصہ سمجھ لیا جائے۔

سیاست اور حکومت کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر

پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام، جس کو سیاست اور انتظام بھی کہتے ہیں، یہ ذرائع میں سے ہے، مقاصد میں سے نہیں ہے، اسلامی احکام دو قسم کے ہیں:

(۱) ... ایک مقاصد

(۲) ... ذرائع

مقاصد جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ، اور ذرائع جیسے نماز کے لئے وضو، غسل، مسجد، یا حج وعمرہ کے لئے احرام، .... جیسے علوم میں بھی ایک مقاصد میں سے ہیں، جن کو علومِ عالیہ کہا جاتا ہے، جیسے کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور فقہ، اور ایک ذرائع میں سے ہیں، جن کو علومِ آلیہ کہا جاتا ہے، جیسے صرف، نحو، ادب، منطق، فلسفہ وغیرہ۔

جو احکام مقاصد میں سے ہوتے ہیں، شریعت ان کی شکل بھی متعین کرتی ہے، اور اس کے فرائض وواجبات بھی متعین فرماتی ہے، جیسے نماز، اس کی ایک ہیئت ہے، جو بابُ صفةِ الصلوٰة میں بیان کی جاتی ہے، اس کے لئے کچھ فرائض اور واجبات بھی ہیں، جو اس سے پہلے بیان کیے جاتے ہیں، اسی طرح روزے، حج اور زکوٰۃ میں سمجھ لیجئے۔

اس کے علاوہ جو احکامات ذرائع میں سے ہوتے ہیں، ان کے فرائض وواجبات تو بیان کر دیے جاتے ہیں، لیکن ان کی کوئی خاص ہیئت لازم اور ضروری نہیں ہوتی، جیسے وضو، غسل نماز کے لئے ذریعہ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۲۶۹۔

ہیں، یہ خود بھی عبادت ہیں، ان کے لئے فرائض وواجبات بھی ہیں، لیکن یہ بالذات عبادت نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسری عبادت کے لئے ذریعہ ہیں، اس لئے ان کی کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی وضو اور غسل اس طرح کرے کہ حوض میں چھلانگ لگادے، اور باہر نکل آئے، تو اس کا وضو بھی ہو جائے گا، اور غسل بھی ہو جائے گا، اس لئے کہ وضو اور غسل دونوں کے فرائض ادا ہو گئے، لہٰذا وضو بھی ہو گیا، غسل بھی ہو گیا، خلاصہ یہ کہ وضو اور غسل کرنے کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں، چاہے حوض میں چھلانگ مارے، یا دریا میں یا فوارے کے نیچے کھڑا ہو جائے، یا بارش میں کھڑا ہو جائے، اگر اس کے فرائض وواجبات ادا ہو گئے، تو وضو اور غسل ہو جائے گا۔

اسی طرح مساجد، نماز ادا کرنے کا ذریعہ ہیں، اس لئے ان کی بھی کوئی ہیئت متعین نہیں ہے، اسی وجہ سے دنیا میں مساجد مختلف نمونہ کی ہوتی ہیں، کہیں ایک گنبد والی مسجد ہوتی ہے، کہیں دو گنبد والی اور کہیں تین گنبد والی ہوتی ہے، اور کہیں ایک بھی نہیں ہوتا، اسی طرح کسی مسجد کا ایک مینار ہوتا ہے، کسی کے دو، کسی کے دس، اور کسی کا ایک بھی مینار نہیں ہوتا۔

لیکن احکامِ مقصودہ کے لئے شرعاً جو ہیئت متعین کی گئی ہے، وہ اس ہیئت کے مطابق ادا کیے جائیں گے، تو ادا ہوں گے، ورنہ ادا نہیں ہوں گے، جیسے نماز، اگر کوئی شخص نماز اُلٹی پڑھنا چاہے، تو نماز نہیں ہوگی۔

اسلامی حکومت کا قیام ذرائع میں سے ہے، مقاصد میں سے نہیں ہے، اس لئے اس کے اصول تو مقرر ہیں، جو اِن شاء اللّٰہ تعالیٰ عنقریب بیان کیے جائیں گے، لیکن اس کی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں ہے، ہر زمانے میں، ہر علاقے کے مخصوص حالات کے مطابق اس کی جو شکل بھی اختیار کرلی جائے گی، وہ درست ہوگی، بشرطیکہ اس میں اصول کی پوری پوری رعایت کی گئی ہو۔

دورِ حاضر کے لوگوں کی افراط وتفریط

اس معاملے میں بعض لوگوں نے حد سے تجاوز کیا، اور بعض لوگوں نے حد سے زیادہ کمی کی، جبکہ ان دونوں کے درمیان، درمیان میں سیدھا راستہ وہ ہے جس کو راہِ اعتدال کہتے ہیں۔

انگریزوں نے تفریط سے کام لیتے ہوئے سیاست کو مذہب سے بالکل خارج کر دیا، انہوں نے

کہا کہ مذہب کا تعلق صرف گرجا تک ہے، اس کے بعد اپنی مرضی ہے، جو چاہے کرو، اس لئے ان کے نظامِ سیاست کو سیکولرازم کہا جاتا ہے، چنانچہ ان کا یہ مقولہ مشہور ما لقیصر لقیصر وما لله، لله.

ہمارے زمانے کے تجدید واحیاءِ دین کے نام نہاد دعویداروں نے انگریزوں کے برخلاف نہایت افراط سے کام لیا، اور سیاست وحکومت کو مقاصد میں داخل قرار دے دیا، اور اس میں اتنا آگے چلے گئے کہ جو مقاصد تھے، ان کو ذریعہ بنادیا، اور جو ذریعہ تھا، اس کو مقصود بنادیا، ان میں سرِ فہرست مولانا مودودی صاحب مرحوم ہیں، انہوں نے کہا کہ اصل مقصود اسلامی حکومت کا قیام ہے، اور اسلامی حکومت کا قیام جہاد کے بغیر ہو نہیں سکتا، لہٰذا جہاد بھی ضروری ہے، اور جہاد کے لئے چار باتوں کی ضرورت پڑتی ہے:

(۱) ... ورزش، اس کے لئے نماز ہے،

(۲) ... جہاد میں بھوک بھی برداشت کرنا پڑتی ہے، لہٰذا رمضان کے روزے اس کے لئے فرض کیے گئے ہیں،

(۳) ... اسی طرح جہاد میں مال کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لئے زکوٰۃ فرض ہے،

(۴) ... نیز جہاد بغیر سفر کے نہیں ہوتا، اس میں سفر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے وطن میں جانا پڑتا ہے، اس کے لئے حج فرض کردیا، تاکہ حج کے ذریعے سفر کرنے کی عادت پڑے،

گویا ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یہ جہاد کی ٹریننگ ہے، اور جہاد ذریعہ ہے اسلامی حکومت کے قیام کا، لہٰذا اسلام کا اصل مقصد "اسلامی حکومت" کا قیام ہے۔ جو سراسر غلط ہے کیونکہ انہوں نے سیاست کو دین بنانے کی بجائے دین کو سیاسی بنادیا۔

بہر حال! اسلام سے سیاست کو خارج کرنا بھی گمراہی ہے، اور پورے اسلام کا خلاصہ اور مقصد سیاست اور حکومت قرار دینا بھی گمراہی ہے۔

صحیح اور اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ سیاست اور اسلامی حکومت کا قیام ذرائع میں سے ہے، مقصودِ اصلی نہیں ہے، اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام میں اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں نبوّت ورسالت کے ساتھ حکومت نہیں ملی، لیکن انہوں نے احکامِ شرع دنیا میں جاری وساری فرمائے، اور انہیں لوگوں تک

پہنچایا، اگر اسلامی حکومت کے قیام کو مقصودِ اصلی مان لیں تو اس سے ان انبیاء کرام علیہم السلام پر اشکال ہوگا کہ جب دنیا میں مقصودِ اصلی حکومت کا قیام تھا، اور انہوں نے یہ کام نہ کیا، تو معاذ اللہ! ان سے اسلام کے سب سے بڑے مقصد میں کوتاہی ہوئی، چنانچہ ان متجددین نے برملا کہہ بھی دیا کہ ہاں! ان سے یہ کوتاہی ہوئی، لیکن اہلِ حق میں سے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا آدمی اس کا تصور نہیں کرسکتا۔

اسلامی سیاست ذرائع میں سے ہے، مقاصد میں سے نہیں

بندۂ ناچیز کے ناقص علم کے مطابق اسلامی سیاست اور قیامِ حکومت کا ذرائع میں سے ہونے اور مقاصد میں سے نہ ہونے کی طرف سب سے پہلے حکیم الأمت حضرت مولانا تھانویؒ نے متوجہ کیا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی صاحب دامت برکاتہم نے سیاست وحکومت سے متعلق حکیم الأمت حضرت مولانا تھانویؒ کے سیاسی افکار ایک رسالہ میں جمع فرمائے ہیں، جس کا نام ''حکیم الأمت اوران کے سیاسی افکار'' ہے، حضرت تھانویؒ نے اپنی آخری عمر میں، جبکہ آپؒ مرضِ وفات میں مبتلا تھے، اور اکثر آنکھ بند کیے لیٹے رہتے تھے، ایک دن آنکھیں کھولیں، اور فرمایا یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی حکومت کا قیام مقاصد میں سے نہیں ہے، ذرائع میں سے ہے، اور دلیل اس کی یہ آیت ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (حج: ۴۱)

معلوم ہوا کہ قیامِ حکومت خود ذریعہ ہے نظامِ عبادت (نماز، زکوٰۃ، وغیرہ) کے قیام کا۔

پھر فرمایا کہ اگر کسی کو دوسری آیت:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور: ۵۵)

سے شبہ ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ''وعدہ'' فرمایا، یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر حکومت کا ملنا موعود ہے، اور موعود کے لئے مقصود ہونا لازم نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (مائدہ: ۶۶)

یعنی اہلِ تورات وانجیل اگر ٹھیک ٹھیک ان کے احکامات پر عمل کرتے، تو اوپر نیچے سے ان کو روزی ملتی، یعنی ان کو روزی میں غیر معمولی برکت دی جاتی، حضرت فرماتے ہیں کہ کیا تورات، انجیل اور قرآن مجید کا یہ مقصد ہوسکتا ہے کہ ان پر عمل کرنے سے صرف دنیا میں رزق کی فراوانی حاصل ہو؟ نہیں ہوسکتا، اور جب نہیں ہوسکتا، تو معلوم ہوا کہ موعود کا مقصود ہونا لازم نہیں۔

لہٰذا اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود حکومت کا قیام نہیں ہے، بلکہ وہ نظامِ عبادت قائم کرنے کا ذریعہ ہے، اصل مقصود عبادت ہے، جسے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

اسلامی حکومت کے چھ اصول

جب اسلامی حکومت کا قیام مقاصد میں سے نہیں، بلکہ ذرائع میں سے ہے، تو شریعت میں اس کے کچھ اصول مقرر ہوں گے، کوئی خاص شکل وصورت ضروری نہ ہوگی ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے حالات کی صورت مختلف ہوسکتی ہے، چنانچہ اسلامی حکومت کے چھ اصول ہیں، یہ چھ اصول جہاں پائے جائیں گے، وہ حکومت اسلامی حکومت کہلائے گی۔ خواہ اس کی ظاہری شکل وصورت کچھ بھی ہو، ماحول اور زمانہ کے لحاظ سے اس میں فرق ہوسکتا ہے، لیکن اصول یہی ہوں گے۔

پہلا اصول

اسلامی حکومت کا پہلا اصول یہ ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (الأنعام:۵۷، یوسف: ۴۰)

اصل حکومت اللہ جل شانہ کی ہوگی، اسلامی حکومت کے حاکمِ اعلیٰ اور سربراہِ اعلیٰ اللہ جل شانہٗ ہیں امیر اور خلیفہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب اور قائم مقام ہوگا اور انہی کے احکامات کے مطابق حکومت کو چلایا جائے گا، حضراتِ علماء اور فقہاء نے قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ کی روشنی میں جو قواعد اور قوانین بیان فرمائے ہیں، انہی کے مطابق نظامِ حکومت چلایا جائے گا۔

اس سے جمہوریت اور سوشل ازم دونوں کی نفی ہوجاتی ہے اور یہ دونوں اسلامی نظام سے جدا ہوجاتے ہیں، کیونکہ سوشل ازم میں سربراہِ مملکت سب چیزوں کا مالک سمجھا جاتا ہے، عوام کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے، کمیونزم بھی اسی طرح ہے، جمہوریت میں حاکمِ اعلیٰ عوام کی منتخب کردہ پارلیمنٹ ہوتی ہے، اسی کو تمام فیصلے کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

دوسرا اصول

دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں خلیفہ، امیر اور حاکم کا تقرر کس طرح ہوگا؟ اس بارے میں یہ جاہیے کہ اہلِ حلّ وعقد مسلمانوں کے خلیفہ، امیر اور حاکم کا تقرر کریں گے، اور وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوگا، اور اہلِ حلّ وعقد سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اھلِ علم اور پڑھے لکھے ہوں، حکومت کا اور اجتماعی امور کو چلانے کا تجربہ رکھتے ہوں اور ان کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں، دیندار اور مخلص ہوں۔

یہ بھی اسلامی حکومت کا امتیاز ہے، جس پر عمل کیا جائے، تو بہترین شخص حکومت کے لئے میسر آسکتا ہے، جبکہ جمہوریت میں الیکشن جیت کر بد سے بدتر آدمی بھی سربراہِ حکومت بن سکتا ہے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہو رہا ہے۔

تیسرا اصول: امام وحاکم عادل ہو

جس شخص کو اصحابِ حلّ وعقد حاکم مقرر کریں، اس کا عادل ہونا ضروری ہے، عدالت کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

چوتھا اصول

اسلامی حکومت اور امارت اہم امانت اور بھاری ذمہ داری ہے اور اس امانت کی آخرت میں مسؤلیت ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

ألا كلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته[1]

پانچواں اصول

جو شخص حکومت کا طالب ہو، وہ حکومت وإمارت کے لئے لائق نہ ہوگا، بلکہ نااہل ہوگا، جیسے حدیثِ أبوذر رضی اللہ تعالیٰ میں ابھی آتا ہے یعنی جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مجھے حکومت یا اس کا کوئی عہدہ ملنا چاہئے، یا مجھے صدر یا وزیرِ اعظم یا وزیرِ اعلیٰ بنانا چاہئے، یا گورنر وغیرہ بنانا چاہئے، تو سمجھو وہ اس عہدہ کے لائق نہیں ہے بلکہ نااہل ہے، البتہ چند شرائط کے ساتھ آدمی کسی عہدے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرسکتا ہے، اس کی تفصیل اِن شاءاللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گی۔

(۱) صحيح البخاري كتاب الأحكام باب قول الله تعالى "اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر" رقم الحديث ٧٠٥٢.

چھٹا اصول

خلیفۃ المسلمین مجلسِ شوریٰ سے مشورے کا پابند ہوگا، اور اس کے لئے مجلسِ شوریٰ سے مشورہ کرنا واجب ہوگا، البتہ فیصلہ وہ اپنی رائے سے کرے گا، خواہ اپنی رائے کو حق سمجھتے ہوئے اس پر فیصلہ کرے، یا مجلسِ شوریٰ کی رائے کو حق سمجھتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ کرے، اس کی آزادی اسے حاصل ہوگی۔

عادل کسے کہتے ہیں؟

عادل کے لئے چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) ... مرد ہو، عورت نہ ہو، یعنی اسلامی حکومت میں کوئی عورت سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی، جمہوریت میں بن جاتی ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں ہوتا رہا ہے۔

(۲) ... عاقل ہو، پاگل نہ ہو۔

(۳) ... بالغ ہو، نابالغ نہ ہو۔

(۴) ... آزاد ہو، غلام نہ ہو۔

(۵) ... متقی، پرہیزگار ہو، فاسق و فاجر نہ ہو۔

(۶) ... اس کے ظاہری حواس بھی درست ہوں، اندھا، گونگا اور بہرہ وغیرہ نہ ہو۔

(۷) ... اس میں حکومت چلانے کی اہلیت اور صلاحیت ہو۔

(۸) ... بہادر ہو، بزدل اور کمزور نہ ہو، ظالم کو ظلم سے روک سکتا ہو، اور مظلوم کو اس کے ظلم کا بدلہ دلوا سکتا ہو، حدود و قصاص جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، دشمن سے لڑنے کی طاقت رکھتا ہو۔

(۹) ... عالم ہو، چاہے بالفعل ہو، یا بالقوۃ، عالم بالفعل ہو، تو بہت ہی اچھی بات ہے، اور عالم بالقوۃ کا مطلب یہ ہے کہ خود تو عالم نہ ہو، لیکن جتنے بھی فیصلے کرے، وہ سب علماء سے پوچھ پوچھ کر کرے۔

(۱۰) ... قریش میں سے ہو۔[1]

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم کتاب الامارۃ ج۳ ص۲۷۰ تا ۲۷۷ و اکمال اکمال المعلم ج۵ ص۱۵۹، ۱۶۰۔

تنبیہ

اگر یہ تمام شرائط یا چند ایک شرائط کسی حاکم میں نہ پائی جائیں، تو اس کو اصحابِ حلّ وعقد کی مجلسِ شوریٰ کے اکثریتی فیصلے کا پابند کیا جائے گا۔

باب الناس تبع لقریش، والخلافۃ فی قریش

لوگ قریش کے تابع ہیں اور خلافت قریش میں ہوگی

اس باب میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں، جن کو سمجھنا ضروری ہے:

(۱) ... ایک مسئلہ یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط ہے یا نہیں؟

(۲) ... حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے، اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟

پہلے مسئلہ کا خلاصہ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا بھی شرط ہے، اور اس پر انہوں نے اجماع بھی نقل کیا ہے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس باب کی پہلی چار حدیثوں، اور ان جیسی دیگر احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، اور قریش کے کے علاوہ کسی اور کا خلیفہ ہونا جائز نہیں، اس پر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانے سے اجماع ہے، اور اس کی مخالفت صرف خوارج اور اہلِ بدعت نے کی ہے، جو کہ معتبر نہیں۔ (۱)

دیگر بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط نہیں ہے، اور اس پر اجماع نقل کرنا صحیح نہیں ہے، اس کی چار وجوہات ہیں:

پہلی وجہ

ایک وجہ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" (۲) میں بیان فرمائی ہے، کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ اگر میرا انتقال ہوا، اور بوقتِ انتقال حضرت ابوعبیدۃ بن الجراحؓ حیات نہ ہوئے، تو میں اپنے بعد معاذ بن جبلؓ کو خلیفہ بناؤں گا، اور حضرت معاذ بن جبلؓ انصاری صحابی ہیں، اس

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۱۹

(۲) فتح الباری کتاب الأحکام باب الأمر من قریش ج۲۰/۱۵۶۔

سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط نہیں تھا۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے ''فیض الباری'' میں بیان فرمائی ہے، جس میں انہوں نے ''مواهب الرحمٰن'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونا متفق علیہ نہیں ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ کیلئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے۔

تیسری وجہ

علماءِ اصولیین اور علماءِ متکلمین یعنی علماءِ اصولِ فقہ اور علماءِ علم کلام کے نزدیک بھی خلیفہ کے لئے قریشی ہونا متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے۔

چوتھی وجہ

مسلم شریف کے دو شارح ہیں:

(۱) ... علامہ اُبیؒ،

(۲) ... علامہ سنوسیؒ،

ان کے نزدیک بھی خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے۔(۱)

ان چار وجوہات کی بناء پر بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا مجمع علیہ نہیں ہے، مختلف فیہ ہے، بعض کے نزدیک ضروری ہے، بعض کے نزدیک ضروری نہیں ہے،

جن احادیث میں خلافت کے لئے قریشی ہونا بتایا گیا ہے، ان کے بارے میں مخالف رائے رکھنے والے یہ جواب دیتے ہیں کہ ان احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ قریش کے لوگ خلیفہ ہوں گے، یعنی قریش کے لوگوں کے خلیفہ ہونے کی خبر دی گئی ہے، خلافت کا قریش میں منحصر ہونا یا ان کے ساتھ خاص ہونا بیان نہیں کیا گیا۔

---

(۱) اکمال اکمال المعلم لعلامہ اُبیؒ و مکمل کمال الاکمال لعلامہ سنوسیؒ ج۵ ص ۱۶۰، ۱۶۱

دلیل ان کی یہ ہے کہ نصوصِ صریحہ اور صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ غیر قریشی بھی ہوسکتا ہے، قریشی ہونا ایک نسلی علامت اور نشانی ہے، جس سے ایک دوسرے کی پہچان ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (حجرات: ۳۱)

اور اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

ألا لا فضل لعربي على عجمي و لا لعجمي على عربي و لا أحمر على أسود و لا أسود على أحمر (مسند احمد)[1]

تیسری دلیل آگے ایک حدیث آرہی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک کالا کلوٹا غلام بھی تمہیں قرآن وسنت کے مطابق چلائے، تو تم پر اس کی اطاعت ضروری ہے، یعنی وہ بھی تمہارا خلیفہ بن سکتا ہے۔

ان نصوصِ صریحہ اور صحیحہ کی وجہ سے ثابت ہوا کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ، قَالَ: نَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللهِ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ. (ص ۱۱۹ سطر ۶،۷)

تشریح

قوله: لا يزال هذا الأمر في قريش ما بقي من الناس اثنان الخ

(ص ۱۱۹ سطر ۶،۷)

قریش میں حکومت باقی رہے گی، جب تک دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے بڑا اشکال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہمارے زمانے میں قریش کی حکومت باقی نہیں جبکہ ہزاروں آدمی موجود ہیں شارح مسلم علامہ اُبیؒ نے اس کا بہترین جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مطلب

---

(۱) مسند احمد حديث رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۲۳۴۸۹

مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح زمانۂ جاہلیت میں تمام کفارِ عرب کے سردار قریش تھے اسی طرح مسلمان ہونے میں بھی وہ قریش کے تابع تھے، جیسا کہ آپ حضرات پڑھ چکے ہیں کہ بہت سے کفار، مکہ مکرمہ کے فتح ہونے اور قریشِ مکہ کے مسلمان ہونے کا انتظار کرتے تھے، کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں، یا مکہ مکرمہ فتح ہوجائے، تو ہم بھی مسلمان ہوجائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تو جس طرح قریش حالتِ کفر میں دیگر کافروں کے سردار تھے، اسی طرح حالتِ اسلام میں بھی قریش دیگر مسلمانوں کے سردار ہیں، خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

حدثنا قتيبة بن سعيد، (الى قوله) عن جابر بن سمرة، قال :دخلت مع أبي على النبي صلى الله عليه وسلم، فسمعته يقول :إن هذا الأمر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة.......الحديث(ص ۱۱۹ سطر ۷ تا ۹)

دوسرا مسئلہ: بارہ خلفاء ہونے کا کیا مطلب ہے؟

قوله: إن هذا الأمر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة (ص ۱۱۹ سطر ۹)

حضور ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے، یہ حدیث اپنے مصداق کے اعتبار سے ''مشکلات'' میں شمار ہوتی ہے، کیونکہ ان بارہ خلفاء سے کیا مراد ہے؟ اس کے مصداق میں شرّاح کا بہت اختلاف ہے، اس میں تقریباً پانچ قول ہیں۔

ان میں سے ایک قول جو سب سے زیادہ صحیح، راجح اور الفاظِ حدیث کے زیادہ قریب ہے، وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں خلافت اور امارت بہت مضبوط ہوگی، اور اسلام کو قوت حاصل ہوگی، مسلمانوں کے معاملات درست ہوں گے، اور سب کے سب ایک خلیفہ پر متفق ہوں گے، تو اس زمانہ میں بارہ خلیفہ میری امت میں ہوں گے، یعنی ان میں سے ہر ایک کے زمانے میں اسلام کو دنیا میں عروج حاصل ہوگا، مسلمان متفق اور متحد ہوں گے، تمام امور درست ہوں گے، امورِ خلافت صحیح صحیح انجام پائیں گے، اور لوگ سکون واطمینان کا سانس لیں گے، امن وامان

کا دور دورہ ہوگا، ہر آدمی آرام وسکون سے رہ رہا ہوگا، یہ بشارت پوری ہو چکی ہے اور ایسے بارہ خلفاء گزر چکے ہیں، ان میں سے چار حضرات خلفاءِ راشدینؓ، اور پانچویں اور چھٹے حضرت معاویہؓ اور ان کا بیٹا یزید، اور ساتویں عبدالملک بن مروان، اور چار اس کے بیٹے، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، اور ان کا پوتا یعنی ولید بن یزید، یہ بارہ خلیفہ گزر چکے، اور آپ ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہو چکی۔ (۱)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: كَتَبْتُ إِلَى جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ مَعَ غُلَامِي نَافِعٍ، أَنْ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَكَتَبَ إِلَيَّ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ جُمُعَةٍ عَشِيَّةَ رُجِمَ الْأَسْلَمِيُّ يَقُولُ: لَا يَزَالُ الدِّينُ قَائِمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ، أَوْ يَكُونَ عَلَيْكُمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً، كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: عُصَيْبَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَفْتَتِحُونَ الْبَيْتَ الْأَبْيَضَ، بَيْتَ كِسْرَى أَوْ آلِ كِسْرَى وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِينَ فَاحْذَرُوهُمْ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِذَا أَعْطَى اللهُ أَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: أَنَا الْفَرَطُ عَلَى الْحَوْضِ. (ص ۱۱۹ سطر ۱۸ تا ۱۲۰ سطر ۲)

تشریح

قوله: يفتتحون البيت الأبيض الخ (۱۲۰ سطر ۱)

بیت ابیض، بیت کسریٰ کا نام ہے۔ (۲)

قوله: إذا أعطى الله تعالىٰ أحدكم خيرا فليبدأ بنفسه وأهل بيته الخ (۱۲۰ سطر ۱،۲)

خیر سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ خیر سے مراد مال ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کو حلال مال عطا فرمائیں، تو وہ سب سے پہلے اپنے اوپر خرچ کرے، پھر اپنے اہل وعیال پر خرچ

(۱) شرح النووی: ج ۲ ص ۱۱۹

(۲) اور بیت ابیض یعنی بیت کسریٰ کو مسلمانوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح کیا۔ (شرح النووی)

کرے، اس کے بعد دوسرے عزیز و اقارب اور دوست احباب، اور دیگر مسلمانوں پر خرچ کرے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خیر سے مراد علم و عمل، وعظ و نصیحت، اور تبلیغ ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو علم و عمل، تقویٰ و طہارت اور تبلیغ کی نعمت عطا فرمائیں، تو وہ سب سے پہلے اپنی ذات سے اس کو شروع کرے، اس کے بعد اپنے گھر والوں کو دعوت دے، اس کے بعد دیگر لوگوں کو دعوت دے۔

قوله: أنا الفرط على الحوض الخ(۱۲۰ سطر۲)

فرط قافلے سے آگے چلنے والی اس جماعت کو کہتے ہیں جو آگے جا کر قافلے کے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرے، (۱) حضور ﷺ کے اپنے آپ کو "الفرط" فرمانے سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچوں گا، اور وہاں تمہارے آنے کا انتظار کروں گا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قوله) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّهُ أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ سَمُرَةَ الْعَدَوِيِّ، حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ حَاتِمٍ. (ص ۱۲۰ سطر ۲، ۳)

تشریح

قوله : عن عامر بن سعد، أنه أرسل إلى ابن سمرة العدوى، (ص ۱۲۰ سطر۲، ۳)

اکثر نسخوں میں لفظ "العدوی" لکھا ہے، لیکن شارح فرماتے ہیں کہ اصل میں "عامری" ہے، کتابت کی غلطی سے "العدوی" لکھا گیا۔ (۲)

باب الاستخلاف وتركه

(اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانا یا نہ بنانا)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : حَضَرْتُ أَبِي حِينَ أُصِيبَ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ، وَقَالُوا :جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا، فَقَالَ:

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۲۰

(۲) شرح النووی ج۲ ص۱۲۰

رَاغِبٌ وَرَاهِبٌ، قَالُوا :اسْتَخْلِفْ، فَقَالَ :أَتَحَمَّلُ أَمْرَكُمْ حَيًّا وَمَيِّتًا، لَوَدِدْتُ أَنَّ حَظِّي مِنْهَا الْكَفَافُ، لَا عَلَيَّ وَلَا لِي، فَإِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي -يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ -وَإِنْ أَتْرُكْكُمْ فَقَدْ تَرَكَكُمْ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ عَبْدُ اللهِ :فَعَرَفْتُ أَنَّهُ حِينَ ذَكَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ.(ص ۱۲۰ سطر ۳ تا ۶)

تشریح

یہ باب اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانے اور نہ بنانے کے بارے میں ہے، اس باب میں حضرت عمرؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جب ابو لؤلؤ فیروز نے حضرت عمرؓ کو زخمی کر دیا، تو آپؓ چند روز تک زندہ رہے، اس کے بعد آپؓ کی وفات ہوئی، اور آپؓ شہید ہو گئے، زخمی ہو جانے کے بعد جب آپؓ حیات تھے، آپؓ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپؓ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنا دیں، آپؓ نے فرمایا کہ میرے پاس دو راستے ہیں، ایک راستہ حضرت صدیق اکبرؓ کا کہ انہوں نے اپنے بعد مجھے خلیفہ بنایا، اور دوسرا یہ کہ میں کسی کو بھی اپنے بعد خلیفہ نہ بناؤں، اور اس سلسلے میں میرے سامنے آپ ﷺ کی ذات اقدس کی مثال موجود ہے، کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد کسی کو بھی خلیفہ نہیں بنایا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ بات سنی، تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ آپؓ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، کیونکہ حضور ﷺ کے برابر آپؓ کی نظر میں کوئی نہ تھا، اور حضور ﷺ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، لہٰذا آپؓ بھی کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، اگرچہ حضرت ابن عمرؓ کی خواہش یہ تھی کہ آپؓ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیں، تاکہ آپؓ کے بعد کسی قسم کا کوئی نزاع نہ ہو، لیکن حضرت عمرؓ نے اس سلسلے میں ایک درمیانی راہ اختیار کی، نہ تو کسی کو اپنے بعد خلافت کے لئے متعین کیا، اور نہ ہی بالکل خاموشی اختیار کی، بلکہ ایک جماعت مقرر کر دی، جس میں حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر عشرۂ مبشرہ صحابہ کرامؓ تھے، اور ان کے بارے میں فرمادیا کہ یہ حضرات میرے بعد اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں، چنانچہ ان حضرات نے آپؓ کے بعد بالاتفاق حضرت عثمان بن عفانؓ کو خلیفہ بنالیا۔

حدیث کی تشریح

قولہ : فأثنوا علیہ (۱۲۰ سطر ۴)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد زخمی ہوئے، تو میں ان کے پاس حاضر تھا، لوگوں نے ان کی تعریف کی، اور جزاک اللہ خیرا کہا، اس پر انہوں نے فرمایا: "راغب وراھب" اس کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور درجات کی طرف رغبت رکھتا ہوں، اور مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف بھی ہے، مجھے تمہاری تعریف کی حاجت نہیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ مجھ سے خلافت کے معاملے میں رغبت رکھتے ہیں کہ میں کسی کو خلیفہ بنادوں، اور بعض مجھ سے ڈرتے ہیں، [1] بہر حال لوگوں نے کہا "استخلف" آپ کسی کو خلیفہ مقرر فرمادیجئے، آپ نے فرمایا: "أتحمل أمرکم حیاو میتا" میں زندگی اور مرنے کے بعد دونوں حالتوں میں تمہارا بوجھ اٹھاؤں، زندگی میں بوجھ اٹھانے کا معاملہ تو واضح ہے کہ دس سال تک آپؓ نے خلافت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا، اور اس کا حق ادا فرمایا، لیکن "میتا" کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ مقرر کر کے جاؤں گا، تو اس کی ذمہ داری بھی میری گردن پر ہوگی، حالانکہ میں اس دنیا سے جاچکا ہوں گا۔

قولہ : "لوددت أن حظی منہا الکفاف" (ص ۱۲۰ سطر ۵)

فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ خلافت کے معاملے میں میرا حصہ کفاف ہو، یعنی برابر سرابر ہو، اس معاملے میں نہ مجھ پر کوئی وبال ہو، اور نہ مجھے کچھ ثواب ہو، آپؓ کا یہ فرمانا آپ کی شدتِ خشیت اور ورع وتقویٰ کی وجہ سے تھا۔

بعض حضرات نے اس کے برخلاف ایک دوسرے معنیٰ بیان فرمائے ہیں کہ میں اس خلافت کے دوران اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے بقدر کفاف رزق لیتا ہوں، اپنے بعد میں کسی پر کیسے اطمینان کرلوں کہ وہ بھی اسی طرح کرے گا، لیکن ظاہر یہی ہے کہ اس کا تعلق اس امرِ خلافت کے بارے میں، آخرت کے حساب وکتاب سے ہے۔ [2]

---

(۱) شرح النووی: ج ۲ ص ۱۲۰

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۲۸۹، ۲۹۰

ولی عہد کی نامزدگی کا حکم

یہاں یہ مسئلہ سمجھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ اپنی زندگی میں کسی کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ اپنے باپ اور اولاد کے علاوہ کسی اور شخص کو خلیفہ نامزد کرتا ہے، اور اس میں امورِ خلافت سنبھالنے کی اہلیت ہو، اور اصحابِ حل وعقد بھی اس کی تائید کرتے ہوں، تو اس طرح اپنے بعد کسی کو خلیفہ اور ولی عہد نامزد کرنا درست ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ جس کو اپنے بعد ولی عہد نامزد کرنا چاہتا ہے، اس میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت موجود ہو، لیکن اصحابِ حل وعقد اس کی تائید نہیں کرتے، تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اس کی بھی گنجائش دیتے ہیں، کہ اگر اس کے باوجود اس نے اس کو خلیفہ نامزد کر دیا، تو بھی درست ہے۔

اور اگر کوئی خلیفہ اپنی اولاد یا اپنے والد کو ولی عہد نامزد کرتا ہے، تو اس سلسلے میں تین مذہب ہیں:

پہلا مذہب

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر اصحابِ حل وعقد اجازت دیں، تو خلیفہ اپنی اولاد اور اپنے والد کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اور ولی عہد مقرر کر سکتا ہے، اور اگر وہ اجازت نہ دیں، تو نہیں کر سکتا۔

دوسرا مذہب

دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً کر سکتا ہے، چاہے اصحابِ حل وعقد اس کی تائید کریں، یا نہ کریں، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ خلیفہ ہے، صاحبِ اختیار ہے، لہٰذا اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے بعد جس کو مناسب سمجھے، اس کو ولی عہد مقرر کرے۔

تیسرا مذہب

تیسرا مذہب یہ ہے کہ خلیفہ اپنے والد کو اپنا ولی عہد مقرر کر سکتا ہے، اپنی اولاد کو نہیں کر سکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اولاد کی طرف آدمی کا طبعی طور پر میلان زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا اس میں ہو سکتا ہے کہ اولاد کی خیر خواہی کا پہلو مسلمانوں کی خیر خواہی کے پہلو پر غالب آجائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنا رجحان پہلے مذہب

کی طرف ظاہر فرمایا ہے، یعنی خلیفہ اپنے والد یا اولاد کو اصحابِ حل وعقد کی تائید سے ولی عہد بنا سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں اصحابِ حل وعقد کے مشورے کے بغیر اپنی اولاد کو خلیفہ بنانے کے مفاسد اظهر من الشمس ہیں۔[1]

باب النهی عن طلب الإمارة والحرص علیها

(حکومت طلب کرنے اور اس کی خواہش کی ممانعت)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قوله) عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ، قَالَ :قَالَ لِی رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّکَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ أُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا. (ص ۱۲۰ سطر ۱۲، ۱۳)

تشریح

حکومتی عہدہ طلب کرنے کا مسئلہ

قوله: یا عبد الرحمن، لا تسأل الإمارة، الخ (ص ۱۲۰ سطر ۱۳)

بعض حضرات نے اس حدیث کی رو سے فرمایا ہے کہ مطلقاً حکومت طلب کرنا، یا حکومت کا کوئی عہدہ طلب کرنا ممنوع ہے، لیکن دیگر نصوص سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (یوسف ۵۵)

اگر کوئی حکومتی عہدہ یا ذمہ داری طلب کرنا ناجائز ہوتا، تو حضرت یوسف علیہ السلام کیسے طلب کرتے؟ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے منصبِ قضاء طلب کیا، اور پھر اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب آگیا، تو اس کے لئے جنت ہے، اور اگر اس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب آگیا، تو اس کے لئے (دوزخ کی) آگ ہے[2]، آپ ﷺ کا منصبِ قضاء طلب کرنے کے بعد اس طرح سے تفصیل فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ عہدہ طلب کرنا بذاتِ خود ناجائز اور ممنوع نہیں ہے، ورنہ تو شروع میں ہی منع فرما دیتے کہ منصب طلب کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) تکملة فتح الملہم ج۳ ص۲۹۱ تحت هذا الحدیث۔

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الاقضیة باب فی القاضی یخطئ رقم الحدیث:۳۱۰۴

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت یا حکومت کا کوئی عہدہ طلب کرنا فی نفسہ جائز ہے، ان متعارض احادیث کی وجہ سے حضرات فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں تفصیل [1] بیان فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس آدمی میں کسی عہدے اور منصب کی ذمہ داری پوری کرنے کی صلاحیت نہ ہو، اور اس کے باوجود وہ مطالبہ کر رہا ہو، یا صلاحیت تو ہے، لیکن اس کا طلب کرنا حبِ دنیا کی وجہ سے ہے، یا حبِ جاہ کی وجہ سے ہے، تو ان صورتوں میں عہدہ طلب کرنا جائز نہیں ہے، اور منصب وعہدے کا سوال کرنے کی ممانعت کی احادیث کا مصداق یہی صورتیں ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کے اندر عہدہ اور منصب کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور اس کا طلب کرنا حبِ جاہ اور حبِ دنیا کی وجہ سے بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے پیشِ نظر ملک وملت کی خدمت ہے، تو اس کے لئے عہدہ طلب کرنے کی گنجائش ہے، اور اس میں بھی یہ احتیاط کرے کہ وہ خود اپنے آپ کو کسی عہدے کے لئے پیش نہ کرے، بلکہ اصحابِ حل وعقد کو اُسے آگے کرنا چاہئے، جو احادیث طلبِ منصب کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان کا مصداق یہی صورت ہے۔

دورِ حاضر کے الیکشن کا حکم

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں جو انتخابات کا طریقہ کار رائج ہے، اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے، کیونکہ اوّل تو ان انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں میں اکثر اہلیت نہیں ہوتی، دوسرا یہ کہ عموماً ان کے پیشِ نظر حبِ جاہ اور حبِ مال ہوتا ہے، [2] دراصل یہ لوگوں کا کاروبار ہے، مثلاً اگر کسی کو انتخابات کے بعد جیت کر دس کروڑ کمانے ہیں، تو وہ جیتنے کے لئے دس لاکھ روپے خرچ کرے گا، اور پیسوں کے ذریعے لوگوں کے ووٹ خریدے گا، کہیں دھونس، دھاندلی اور غنڈہ گردی کے ذریعے لوگوں کے ووٹ لے گا، لہٰذا اس مروجہ انتخابی عمل کا اسلام سے دور کا کوئی واسطہ نہیں، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس کے ذریعہ منتخب ہوگیا، اور اس میں صلاحیت بھی موجود ہے، اور اس کے پیشِ نظر حبِ جاہ اور حبِ مال بھی نہیں ہے، تو اس کا مقرر ہو جانا درست ہو جائے گا۔ اور حدیثِ ابوذرؓ کی تشریح اگلے باب میں آرہی ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ص۲۹۴

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ص۲۹۵

باب كراهة الإمارة بغير ضرورة

(بلا ضرورت حکومت طلب کرنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ حُجَيْرَةَ الْأَكْبَرِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ: فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَالَ :يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةُ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا. (ص ۱۲۱ سطر ۳ تا ۶)

تشریح

اس باب میں بیان کی گئی حدیث "حديثِ أبو ذرؓ" کہلاتی ہے، یہ اس بات کی اصل ہے کہ کسی شخص کو ازخود کوئی عہدہ طلب نہیں کرنا چاہئے، بالخصوص جس شخص میں اس عہدہ اور منصب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس کو ہرگز خلافت، وزارت، یا کسی عہدے اور منصب کے لئے اپنی خواہش طلب کا اظہار نہ کرنا چاہئے۔

البتہ جس شخص میں کسی عہدہ اور منصب کے حقوق و فرائض ادا کرنے کی صلاحیت ہو تو بضرورت اس کے لئے عہدہ اور منصب طلب کرنے کی دیگر نصوص کی بناء پر گنجائش ہے اور اس حدیث میں عہدہ ومنصب کو جو ذلت وندامت فرمایا ہے وہ اس شخص کے لئے ہے جس میں اس کی اہلیت نہ ہو یا اہلیت ہو مگر وہ عدل وانصاف سے کام نہ لے سکتا ہو تو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا فرمائیں گے اور وہ اپنی کوتاہیوں پر نادم ہوگا۔

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، كِلَاهُمَا عَنِ الْمُقْرِءِ، قَالَ زُهَيْرٌ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ الْقُرَشِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ، عَنْ أَبِيهِ .....(الحديث) (ص ۱۲۱ سطر ۶، ۷)

تشریح

مذکورہ بالا حدیث میں ابن حجيرة الاكبر سے مراد عبدالرحمن بن حجيرة الاكبر خولانیؒ ہیں۔

قوله: كلاهما عن المقرئ (ص ۱۲۱ سطر ٦)

المقرئ سے مراد عبداللّٰہ بن یزید ہیں،

قوله : الجيشاني (ص ۱۲۱ سطر ۷)

جیشان کی طرف منسوب ہے، جو یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔[۱]

باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق بالرعية، والنهي عن إدخال المشقة عليهم

(امام عادل کی فضیلت اور ظالم حاکم کی سزا وغیرہ)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو ،(الى قوله) قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا.(ص ۱۲۱ سطر ۸ تا ۱۰)

تشریح

قوله: وكلتا يديه يمين، الخ(ص ۱۲۱ سطر ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔

اس سلسلے میں جمہورِ سلفِ صالحین اور علماءِ متکلمین کا موقف یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے، اس میں توقف کیا جائے گا، ان کلمات کی حقیقت اور مراد جاننے کی کوشش کرنے سے بچنا چاہئے، صرف یہ ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کے داہنے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

لیکن علماءِ متکلمین میں سے اکثر کا خیال یہ ہے کہ ایسے کلمات کی کوئی مناسب تعبیر کر سکتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ فرماتے ہیں۔[۲]

---

(۱) شرح نووی ج۲ص۱۲۱۔

(۲) شرح نووی ج۲ص۱۲۱۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيرُ الَّذِى عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (ص ۱۲۲ سطر ۳ تا ۶)

تشریح

قوله: ألا كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته الخ(ص ۱۲۲ سطر ۴)

اس میں تمام وہ لوگ بھی آ گئے، جو کوئی عام سرکاری عہدہ رکھتے ہیں، صدر، وزیر اعظم سے لیکر، تھانیدار تک سب آ گئے، اور اسی طرح غیر سرکاری عہدے اور مناصب رکھنے والے لوگ بھی آ گئے، جیسے چوہدری، سرپنچ، سردار، نواب، وڈیرہ، جس کے ماتحت بہت سے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح باپ اپنی اولاد کے سلسلے میں، پیر اپنے مریدوں کے سلسلے میں، شوہر اپنی بیوی بچوں کے سلسلے میں، استاد اپنے شاگردوں کے بارے میں، اور ہر وہ شخص جس کے ماتحت کوئی ہے، وہ اس کا ذمہ دار ہے، اور قیامت کے دن اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا، یہاں تک کہ اگر کسی کے ماتحت کوئی بھی نہیں ہے، تنہا اس کی اپنی ذات ہے، تو وہ بھی اپنے جسم اور جان کا نگران اور راعی ہے، اور اس کی رعایا اس کا جسم ہے، اس کے اعضاء و جوارح ہیں، اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، کہ تم نے اپنے اعضاء و جوارح اور اپنے ظاہر و باطن کو کس طرح استعمال کیا؟ طاعت میں لگایا یا نافرمانی میں؟(۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کا جواب دینے کی تیاری کرو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! اس کے جواب دینے کی تیاری کیا ہے؟ فرمایا: کہ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے ماتحتوں کو اچھی باتوں کی تلقین کی تھی یا نہیں؟ بری باتوں سے بچنے کے لئے کہا تھا یا نہیں؟ اور جس کے ماتحت کوئی نہیں ہے، اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے آپ کو نیک بنایا تھا، یا نہیں؟(۲)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قوله) فَقَالَ مَعْقِلٌ :إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا

---

(۱) فتح الباری ج ۲۰ ص ۱۵۳ کتاب الأحکام باب قول اللہ تعالیٰ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الخ

(۲) فتح الباری ج ۲۰ ص ۱۵۳ و تکملة فتح الملہم ج ۳ ص ۳۰۲۔

سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (ص ۱۲۲ سطر ۱۵ تا ۱۷)

تشریح

قوله: وهو غاش الخ (ص ۱۲۲ سطر ۱۷)

"غاش" کے معنی خیانت کرنے والے کے ہیں، یعنی جو اپنی رعایت کا حق ادا کرنے میں خیانت کرے گا، ان کا جو حق اور جو ذمہ داری ہے، اس کو پورا نہیں کرے گا، تو اس پر جنّت حرام ہو جائے گی۔ (۱)

جنّت حرام ہونے کے دو مطلب

پہلا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ خیانت کرنے کو حلال سمجھتا تھا، تو حلال سمجھنے کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا، اور کافر پر ہمیشہ کے لئے جنّت حرام ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ خیانت کو حلال تو نہیں سمجھتا، لیکن کوتاہی اور غفلت برتتا ہے، ایسی صورت میں ابتداءً اس کے لئے جنّت میں جانا حرام ہوگا، اپنے کئے کی سزا پا کر جنّت میں جا سکے گا۔ (۲)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الى قوله) أَنَّ عَائِذَ بْنَ عَمْرٍو، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ زِيَادٍ، فَقَالَ :أَيْ بُنَيَّ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ ، فَقَالَ لَهُ :اجْلِسْ فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ نُخَالَةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :وَهَلْ كَانَتْ لَهُمْ نُخَالَةٌ؟ إِنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَةُ بَعْدَهُمْ، وَفِي غَيْرِهِمْ. (ص ۱۲۲ سطر ۲۲ تا ۲۵)

تشریح

قوله: إن شر الرعاء الحطمة، الخ (ص ۱۲۲ سطر ۲۴)

"**الحطمة**"، حطم سے مشتق ہے، اور **الحطمة** میں مبالغہ ہے، اس کے معنی ہیں: بہت

(۱) مرقاۃ المفاتیح کتاب الامارۃ والقضاء ج ۱۱ ص ۳۲۳۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۲۲

زیادہ سختی کرنے والا۔ (۱)

باب غلظ تحریم الغلول

مالِ غنیمت میں خیانت سخت حرام ہے

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز چرانا قطعاً حرام اور ناجائز ہے، اور چرایا ہوا مال کل قیامت میں چور کی گردن پر سوار ہوگا۔

چوری شدہ مالِ غنیمت کا حکم

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اگر کوئی خیانت کرلے، تو اگر مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں واپس کرے، تا کہ وہ تقسیم میں شامل ہوجائے، اور اگر مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کردیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں کیا کرے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ اور علماء کی ایک جماعت کا یہ فرمانا ہے کہ یہ مال حاکم کے حوالے کردیا جائے، اس لئے کہ جتنے بھی لقطے اور مسلمانوں کے گمشدہ اموال ہوتے ہیں، وہ سب حاکم کے پاس جمع ہوتے ہیں، وہ اپنی صوابدید پر شرعی طریقے کے مطابق ان کو خرچ کرتا ہے۔

جمہورِ صحابہؓ، تابعین، ائمہِ مجتہدین، مالکیہ اور حنابلہ کا مؤقف یہ ہے کہ اس کا خُمس امام کو دے دیا جائے، اور باقی چار حصے خیرات کردیے جائیں۔ (۲)

مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

مالِ غنیمت میں چوری اور خیانت کرنے والے کی سزا کے بارے میں جمہورِ علماء وائمہ مجتہدین کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اس کو اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر دے گا، لیکن اس کے ساز و سامان کو نہیں جلا سکتا، سامان نہ جلانا اس لئے کہا کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں چوری کرنے والے کے مال واسباب کو بھی جلا دیا جائے، جیسا کہ امام مکحولؒ، امام حسنؒ اور امام اوزاعیؒ کا مسلک ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ سارا ساز و سامان نہیں جلایا جائے گا، بلکہ اس میں سے چند چیزیں مستثنیٰ رہیں گی، مثلاً اس کے جسم کے کپڑے، اس کے ہتھیار، اس کے مویشی اور قرآن کریم، ان کو نہیں جلایا

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۲۳۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۲۳۔

جائے گا، باقی سب کو جلا دیا جائے گا۔[1]

جلانے کے قائل حضرات اس سلسلے میں جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جمہور کے نزدیک وہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اور حدیثِ ضعیف سے استدلال درست نہیں۔[2]

حدثنی زهیر بن حرب (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَذَكَرَ الْغُلُولَ، فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ، ثُمَّ قَالَ: لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ، فَيَقُولُ:يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ :لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ، فَيَقُولُ:يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ (ص ۱۲۲ سطر ۲۴ تا ص ۱۲۳ سطر ۴)

تشریح

قوله: رُغاء.....حَمْحَمَة......ثُغاء ..... صِياح....رِقاع. الخ

(ص ۱۲۲ تا ص ۱۲۳ سطر ۲۴ تا ۴)

رغاء: اونٹ کا بلبلانا، **حمحمة:** گھوڑے کا ہنہنانا، **ثغاء:** بکری کا منمنانا، **صیاح:** انسان کا چلّانا، **رقاع:** کپڑے، **تخفق:** اڑ رہے ہوں گے، **صامت:** سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، اس لئے کہ یہ

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۲۳۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۲۳۔

خاموش ہوتا ہے۔[1]

باب تحريم هدايا العمال

(حاکموں اور عاملوں کے ھدایا حرام ہیں)

اس باب میں عاملینِ حکومت کو ہدیہ یا تحفہ دینے کے بارے میں حکم بیان کیا گیا ہے، اگر کوئی شخص، کسی حاکم، گورنر، عامل، صدر، وزیر کو ہدیہ دینا چاہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس باب میں بیان کی گئیں احادیث سے ان سب کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن علماءِ کرام نے تمام نصوص کو سامنے رکھ کر اس کا جو خلاصہ بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہے۔

حاکم کو ہدیہ دینے کی تین صورتیں

حاکم کو ہدیہ دینے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) ... پہلی صورت یہ ہے کہ ہدیہ دینے والے کا اس کے حاکم بننے سے پہلے بھی اس کو ہدیہ دینے کا معمول تھا، اسی معمول کے مطابق وہ اس کے حاکم اور عامل بننے کے بعد بھی ہدیہ دے رہا ہے، اور اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کر رہا ہے، تو یہ جائز ہے، اور یہ ان احادیث کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

(۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عامل بننے کے بعد ہدیہ دے رہا ہے، لیکن یہ ہدیہ دینا اخلاص کی وجہ سے ہے، اس سے پرخلوص محبت کی وجہ سے ہے، یا کسی اور دینی یا دنیاوی تعلق اور محبت کی وجہ سے ہے، اسکے عامل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، تو یہ صورت بھی جائز ہے، اور یہ ان احادیث کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

(۳) ... تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی عامل کو بحیثیت عامل ہونے کے ہدیہ دے، اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ... اس کو اُس حاکم سے اپنا کوئی کام نکالنا مقصود ہے، جیسا کہ آج کل عام طور پر یہ صورت ہوتی ہے، تو یہ بلاشبہ رشوت ہے، اس کا دینا لینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے کوئی کام نکالنا مقصود نہیں ہے، لیکن وہ چونکہ وزیر بن

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۲۳۔

گیا، وزیراعظم بن گیا، اب وہ اس کو ہدیہ اس لئے دے رہا ہے، تاکہ یہ ہمارا خیال رکھے، یہ صورت حقیقۃً رشوت تو نہیں ہے، لیکن بحکمِ رشوت ہے، اور وہ بھی ان احادیث کی وعید میں داخل ہے،[1] اور ناجائز ہے۔

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة (الی قوله) عَنْ أَبِی حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنَ الْأَسْدِ، يُقَالُ لَهُ ابْنُ اللُّتْبِيَّةِ وَ قَالَ عَمْرٌو وَابْنُ أَبِي عُمَرَ: عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِيَ لِي، قَالَ: فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: مَا بَالُ عَامِلٍ أَبْعَثُهُ، فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِيَ لِي، أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، أَوْ فِي بَيْتِ أُمِّهِ، حَتَّى يَنْظُرَ أَيُهْدَى إِلَيْهِ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَنَالُ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى عُنُقِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةٌ لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةٌ تَيْعِرُ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ، هَلْ بَلَّغْتُ؟ مَرَّتَيْنِ (ص ۱۲۳ سطر ۹ تا ۱۳)

تشریح

قوله: رجلا من الأسد. الخ (ص ۱۲۳ سطر ۱۰)

اس کو اسْد اور اَزْد دونوں طرح کہتے ہیں، ابن اللتبية، اور آگے ہے: ابن الأتبية، یہ انکی کنیت ہے، اور ان کا نام عبداللہ ہے۔[2]

قوله : عُفْرَتَيْ إبطيه.... الخ (ص ۱۲۳ سطر ۱۳)

عفرتي إبطيه: بغلوں کی سفیدی۔[3]

حدثنا اسحاق بن ابراهيم ــــ (الی قوله) ــ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ، فَجَاءَ

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: العناية شرح الهداية كتاب ادب القاضي ج ۱۰ ص ۲۳۲ و ۲۳۳

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۲۳۔

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۱۲۳۔

بِسَوَادٍ كَثِيرٍ، فَجَعَلَ يَقُولُ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِىَ إِلَيَّ ...
.الحديث.....(ص ۱۲۴ سطر ۲،۳)

تشریح

قوله : فجاء بسواد كثير، (ص۱۲۴سطر۳) سواد کے معنی اشیاء،[1]

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة (الی قوله) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيرَةَ الْكِنْدِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا، فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ص ۱۲۴ سطر ۴ تا ۶)

تشریح

قوله :عن عدى بن عميرة الكندى:(ص ۱۲۴ سطر ۵)

ان کی کنیت ابوزرارہ ہے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا عجیب وغریب ہے، یہ فرماتے ہیں کہ میرے علاقے میں ایک یہودی عالم تھا، جس کا نام ابنِ شهلة تھا، اور اس نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب (توریت، زبور یا انجیل) میں یہ پڑھا ہے کہ جنت الفردوس میں وہ لوگ جائیں گے، جو زمین پر پیشانی رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوں گے، اور اس یہودی عالم نے کہا کہ اس کا مصداق ہم یہودی، یا پھر وہ نبیٔ آخر الزماں ہیں، جو عرب کے اندر ظاہر ہوں گے، یہ فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ دن بعد ہی مجھے اطلاع ملی کہ مکہ مکرمہ میں بنوہاشم میں سے ایک شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، جیسے ہی میں نے یہ سنا، تو مجھے ابنِ شهلة کی بتائی ہوئی بات یاد آگئی، تو میں اپنے علاقے سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی زیارت کے لئے چلا، جب میں مکہ مکرمہ پہنچا، تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے صحابہؓ سجدے میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہے ہیں، یہ علامت دیکھ کر میں مسلمان ہوگیا۔[2]

باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية

(غیر معصیت میں حکام کی اطاعت ضروری ہے اور معصیت میں حرام ہے)

حدثنی زهير بن حرب (الی قوله) قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: نَزَلَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۲۴۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ص۳۱۳

آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ السَّهْمِيِّ، بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ، أَخْبَرَنِيهِ يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ(۱۲۴ سطر ۱۰ تا ۱۲)

تشریح

قوله: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (۱۲۴ سطر ۱۰، ۱۱)

یہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۹ ہے، یہ حضرت **عبد اللّٰہ بن حذافۃ بن قیس بن عدی السہمی** کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اولو الأمر سے کون مراد ہیں؟

اس آیت میں اولو الأمر سے کون مراد ہیں؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) ... امراء و حکام،

(۲) ... علماءِ کرام،

(۳) ... صحابہ،

اس میں راجح قول پہلا ہے، یعنی امراء و حکام کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے۔[1]

حدثنا سعید بن منصور (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ، وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ(۱۲۴ سطر ۲۱ تا ۲۳)

تشریح

قوله: علیک السمع و الطاعة فی عسرک و یسرک، الخ

(۱۲۴ سطر ۲۳)

تم پر لازم ہے سننا اور ماننا تنگی میں، آسانی میں، خوشی میں اور ناگواری میں، **و اثرة علیک**: اور تم پر دوسروں کو ترجیح دینے کے سلسلے میں بھی، لفظ اثرة کو اِثْرَة، اُثْرة اور اَثَرَة تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اور

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۲۴۔

اس کے معنیٰ ہیں: ترجیح دینا۔(۱)

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِی ذَرٍّ، قَالَ إِنَّ خَلِیلِی أَوْصَانِی أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِیعَ، وَإِنْ کَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ. (۱۲۴ سطر ۲۳ تا ۲۵)

تشریح

قوله: مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ(۱۲۴ سطر ۲۵)

اس کے معنیٰ ہیں: **مقطوع الأطراف**(۲)، یعنی جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، وہ بھی اگر تمہارا حاکم بن جائے، اور تمہیں کتاب وسنت کے مطابق چلائے، تو اس کی اطاعت تم پر لازم ہے۔

حدثنا محمد بن مثنی (الی قوله) عَنْ عَلِیٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَیْشًا، وَأَمَّرَ عَلَیْهِمْ رَجُلًا، فَأَوْقَدَ نَارًا، وَقَالَ: ادْخُلُوهَا، فَأَرَادَ نَاسٌ أَنْ یَدْخُلُوهَا، وَقَالَ الْآخَرُونَ: إِنَّا فَرَرْنَا مِنْهَا، فَذُکِرَ ذٰلِکَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِلَّذِینَ أَرَادُوا أَنْ یَدْخُلُوهَا: لَوْ دَخَلْتُمُوهَا لَمْ تَزَالُوا فِیهَا إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَقَالَ لِلْآخَرِینَ قَوْلًا حَسَنًا، وَقَالَ: لَا طَاعَةَ فِی مَعْصِیَةِ اللّٰهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوفِ (ص۱۲۵ سطر ۹ تا ۱۲)

تشریح

قوله: أن رسول الله ﷺ بعث جیشا، وأمر علیهم رجلا، الخ (ص۱۲۵ سطر ۹ تا ۱۱)

نافرمانی میں اطاعتِ امیر نہیں

اس حدیث میں اور اس کے بعد والی حدیث میں بیان کیا جانے والا واقعہ ایک ہی نوعیت کا ہے، دونوں حدیثوں میں لشکر پر امیر بنائے جانے والے شخص کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت **عبداللّٰه بن حذافة سهمی** رضی اللہ عنہ ہیں، بہر حال! واقعہ یہ ہے کہ کسی بات پر امیر لشکر کو غصہ آیا، تو انہوں نے حکم دیا کہ تم لکڑیاں جلاؤ، چنانچہ لکڑیاں جلائی گئیں، اس کے بعد امیر نے

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۲۴۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص۱۲۴۔

کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ امیر کی اطاعت لازم ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں! فرمایا تھا، امیر نے کہا کہ میرا حکم ہے کہ تم اس آگ میں داخل ہو جاؤ، بعض لوگوں نے ارادہ کیا کہ امیر کی اطاعت لازم ہے، چنانچہ حکم مان کر آگ میں داخل ہو جانا چاہئے، جبکہ بعض دیگر اصحاب نے کہا کہ ہم آگ سے بچ کر ہی تو حضور ﷺ کے پاس آئے تھے، یعنی ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچے، اور امیر صاحب ہمیں پھر آگ میں جانے کا حکم دے رہے ہیں، جب آپ ﷺ کے پاس یہ واقعہ پہنچا، تو آپ ﷺ نے آگ میں جانے سے رک جانے والوں کو شاباش دی، اور جنہوں نے آگ میں جانے کا ارادہ کیا تھا، ان کو آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم آگ میں چلے جاتے، تو ہمیشہ دوزخ میں رہتے، کیونکہ یہ خودکشی ہوتی، اور خودکشی حرام اور ناجائز ہے، اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت صرف جائز امور میں ہے، ناجائز امور میں امیر کی اطاعت درست نہیں ہے۔ (۱)

حدثنا احمد بن عبد الرحمن بن وهب بن مسلم (الی قوله) عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ، قَالَ :دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا أَصْلَحَكَ اللّٰهُ، بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللّٰهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:دَعَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ، فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَلَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (ص۱۲۵ سطر ۲۱ تا ۲۵)

تشریح

قوله: إلا أن تروا كفرا بواحا. الخ (ص۱۲۵ سطر ۲۵)

بواحا، باح یبوح بوحا سے ہے، اس کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، بعض روایات میں براحا، اور بعض میں سراحا کا لفظ ہے، سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ (۲)

فاسق وفاجر حاکم کے خلاف بغاوت کرنے کا حکم

شارحین نے یہاں ایک بحث فرمائی ہے کہ اگر مسلمانوں کا حاکم عادل نہ ہو، بلکہ فاسق

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۲۱، ۳۲۲

(۲) شرح النووی ج۲ ص۱۲۵۔

وفاجر ہو، تو پھر کیا حکم ہے؟ اس بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ اگر حاکم فاسق وفاجر بھی ہو، تب بھی وہ خود بخود حکومت سے معزول نہیں ہوگا، اور جب معزول نہیں ہوگا، تو اس کی بغاوت جائز نہیں ہوگی۔

اور اسی طرح اگر کوئی حاکم زبردستی حاکم بن گیا، جیسا کہ پاکستان میں کئی مرتبہ ایسا ہو چکا ہے، اس صورت میں اس کے خلاف بغاوت کرنا اور اس کی مخالفت کرنی درست نہ ہوگی۔

لیکن اس قسم کی نصوص اور صراحتوں سے امام کی مخالفت اور اس کے خلاف بغاوت مطلقاً درست نہ ہونا صحیح نہیں، چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ نے ''احکام القرآن'' میں آیت '' لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ'' بقرۃ ۱۲۴ کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر حاکم فاسق وفاجر ہو، تو اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اس کو معزول کرنے کی کوشش کرنا جائز ہے، اور تاریخِ اسلام میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں، جیسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے زمانے میں زید بن علیؒ نے خلفاءِ بنوامیہ کے خلاف بغاوت کی، اور ان کا مقابلہ کیا، ان کو ہٹانے کی کوشش کی، اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ان کی حمایت کی، نہ صرف حمایت کی، بلکہ دس ہزار درہم ان کی معاونت کے لئے روانہ فرمائے، اور ساتھ ہی اپنے کچھ اعذار کی بناء پر ان کے ساتھ عملی شرکت کرنے سے معذرت کی۔

اسی طرح امام صاحبؒ کے زمانے میں محمد النفس الذکیۃ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے منصور کے خلاف آواز اٹھائی، اور اس کے خلاف اس کے مقابلے میں لڑائی کی، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان کی بھی حمایت کی، اور لوگوں کو ان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے آمادہ کیا، یہاں تک کہ جب منصور کو پتہ چلا کہ امام صاحبؒ در پردہ ان کی حمایت کر رہے ہیں، تو اس نے حضرت امام صاحبؒ کو زہر دلوادیا، جس سے حضرت امام صاحبؒ کی وفات ہوگئی۔

اسی طرح حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف لڑائی کی، جس میں وہ شہید ہوگئے، اور متقی، پرہیزگاروں کی ایک جماعت نے حجاج بن یوسف کے خلاف آواز اٹھائی اور اس کا مقابلہ کیا۔

یہ وہ واقعات ہیں، جو تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، اس لئے حضراتِ علماءِ کرام اور فقہاءِ عظام نے ان تمام واقعات اور احادیثِ طیبہ کو سامنے رکھ کر حکم بیان کیا ہے، جس میں سب سے زیادہ جامع، بہترین اور مکمل حکم وہ ہے، جو حضرت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ کی پانچویں جلد کے ایک

رسالہ میں لکھا ہے، جس کا نام ہے: "جزل الکلام فی عزل الإمام" ہے،اس رسالے میں حضرت تھانویؒ نے یہ مسئلہ نہایت تفصیل سے مع دلائل ذکر فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام سے خدانخواستہ! کفرِ صریح ظاہر ہو جائے، تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا، اس کے خلاف آواز اٹھانا، اور اس کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی دوسرے مسلمان اور عادل حکمران کو لانا بشرطِ قدرت لازم ہوگا، قدرت کی تفصیل إن شاء اللّٰہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کفر ظاہر نہ ہو، لیکن حاکم کا فسق ظاہر ہو جائے، اور وہ کھلم کھلا فسق وفجور میں مبتلا ہو جائے، تو پھر کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں سمجھئے کہ فسق وفجور کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ... فسقِ متعدی، (۲) ... فسقِ غیر متعدی۔

فسقِ متعدی اس فسق کو کہتے ہیں، جس میں وہ خود بھی مبتلا ہے، اور دوسروں کو بھی مبتلا کر رہا ہے، مثلاً خود بھی شراب پی رہا ہے، اور دوسروں سے بھی کہہ رہا ہے کہ تم بھی شراب پیو، خود بھی جوا کھیلتا ہے، دوسروں کو بھی جوا کھیلنے کے لئے بلاتا ہے، خود بھی بدکاری میں مبتلا ہے، دوسروں کو بھی دعوت دیتا ہے، یہ فسقِ متعدی ہے، اس کا حکم وہی ہے، جو کفرِ بواح کا ہے، بشرطِ قدرت اس کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کرنا ضروری ہے۔

اگر فسقِ غیر متعدی ہو، یعنی وہ اپنی ذات کی حد تک گناہوں میں مبتلا ہے، لیکن دوسروں کو دعوت نہیں دیتا، اس پر مجبور نہیں کرتا، تو پھر اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، اس کو وعظ ونصیحت اور تبلیغ کے ذریعہ سمجھایا جائے، اس کے لئے دعا کریں، یا صبر کریں، لیکن اس سے لڑنا اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں۔

لہٰذا کفرِ بواح یا فسقِ متعدی کی صورت میں بشرطِ قدرت اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اس سے لڑنا درست ہے۔[1]

قدرت کا مطلب

قدرت کا مطلب یہ ہے کہ کسی جماعت میں تین باتیں پائی جائیں، تو سمجھا جائے گا کہ اس کو قدرت حاصل ہے:

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۳۲۶ تا ۳۲۸

(۱) ... ان کا کوئی امیر ہو، کیونکہ امیر کے بغیر نظم وضبط نہیں ہوسکتا۔

(۲) ... ان کے پاس اتنی قوت ہو کہ حاکمِ وقت کا مقابلہ کرنے میں فتح کا یقین یا غالب گمان ہو۔

(۳) ... تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو ہٹانے میں اس سے بڑے کسی دوسرے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

ان تین شرائط کے ساتھ قدرت حاصل ہوگی، جس کے ذریعے کفرِ بواح، یا فسقِ متعدی میں مبتلا حاکم کو ہٹایا جاسکتا ہے، ورنہ صبر کرنا ضروری ہے۔ (۱)

باب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء ، الأول فالأول

(پہلے خلیفہ کی بیعت کا حق ادا کرنے کا حکم)

حدثنا محمد بن بشار (الى قوله) عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ :قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ ، قَالُوا :فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ :فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ

(ص ۱۲۶ سطر ۲ تا ۴)

تشریح

قوله: كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء ،الخ (ص ۱۲۶ سطر ۳)

بنو اسرائیل کے انبیاء کرام ان کا انتظام سنبھالتے تھے، جب ایک نبی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو دوسرے نبی آکر ان کا انتظام سنبھال لیتے، یعنی بنی اسرائیل میں انبیاء کرام حکومت بھی کیا کرتے تھے۔

قوله: فوا ببيعة الأول، فالأول، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۴)

پہلے خلیفہ کی بیعت کرو، اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوسکتے، اور یہ بات بھی ناجائز ہے کہ جب ایک شخص خلیفہ بنادیا گیا، اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی، تو

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۲۹

اب اس کی موجودگی میں دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، یہ دوسری بیعت باطل ہوگی، چاہے پہلے خلیفہ کے خلیفہ ہونے کا کسی کو علم ہو، یا نہ ہو۔ (۱)

حدثنا زهير بن حرب (الى قوله) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّ الْكَعْبَةِ، قَالَ :دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ جَالِساً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، وَالنَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلَيْهِ، فَأَتَيْتُهُمْ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ :كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا _ إِذْ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصَّلَاةَ جَامِعَةً، فَاجْتَمَعْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ__ وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا__ وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ، وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ، فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ، فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخَرِ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ لَهُ: أَنْشُدُكَ اللّٰهَ آنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَأَهْوَى إِلَى أُذُنَيْهِ، وَقَلْبِهِ بِيَدَيْهِ، وَقَالَ: سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي فَقُلْتُ لَهُ: هٰذَا ابْنُ عَمِّكَ مُعَاوِيَةُ، يَأْمُرُنَا أَنْ نَأْكُلَ أَمْوَالَنَا بَيْنَنَا بِالْبَاطِلِ، وَنَقْتُلَ أَنْفُسَنَا، وَاللّٰهُ يَقُولُ: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" قَالَ: فَسَكَتَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: أَطِعْهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ، وَاعْصِهِ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ عزوجل (ص ۱۲۶ سطر ۸ تا ۱۲۷ سطر ۱)

تشریح

قوله: وتجيء فتنة فيرقق بعضها بعضا، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۱۲)

بعض فتنہ بعض کو پتلا کردے گا، مراد یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، جس کو لوگ بہت بڑا سمجھیں گے کہ یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے، بہت بڑا سانحہ ہے، لیکن جب دوسرا فتنہ آئے گا، تو وہ اس سے بھی

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص ۱۲۶۔

بڑا ہوگا، اس کے مقابلے میں پہلے والا بالکل ہلکا معمولی معلوم ہوگا۔ [1]

قولہ: ومن بايع إماما فأعطاه صفقة يده و ثمرة قلبه، الخ (ص ۱۲٦ سطر ۱۴)

جس نے کسی امام سے بیعت کرلی، اپنے ہاتھ کا معاملہ اس کو دیدیا، (یعنی اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی)، اور دل سے اس پر راضی ہوگیا۔

اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے ایک سفر کا حال بتارہے تھے، جب انہوں نے یہ فرمایا کہ ایک امام کی بیعت کرنے اور دل سے اس کی امامت مان لینے کے بعد جہاں تک ہوسکے، اس کی اطاعت کرو، اگر کوئی دوسرا شخص امامت وامارت کے لئے اٹھے، تو اس کو قتل کردو، تو حضرت عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ فرماتے ہیں کہ میں ان سے ذرا قریب ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ تو انہوں نے اپنے کانوں اور دل کی طرف اشارہ فرمایا کہ میرے کانوں نے یہ بات سنی ہے، اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا آپ اپنے چچازاد بھائی حضرت معاویہؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

قولہ: هذا ابن عمك معاوية، يأمرنا أن نأكل أموالنا بيننا بالباطل، الخ

(ص ۱۲٦ سطر ۱۵، ۱٦)

لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عبدرب الکعبہ کا یہ کہنا بطور اعتراض کے نہ تھا، نہ ہی ان کا معاذ اللہ! حضرت معاویہؓ پر طعن کرنا مقصود تھا، بلکہ جب انہوں نے دوسرے خلیفہ کو قتل کرنے کی بات سنی، تو چونکہ حضرت معاویہؓ کی بیعت بعد میں ہوئی، اس سے پہلے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوچکی تھی، تو انہوں نے سمجھا کہ حضرت معاویہؓ کی بیعت باطل ہوئی، تو گویا حضرت معاویہؓ نے جو مال بیت المال کا استعمال کیا، یا کسی کو استعمال کرنے کا حکم دیا، وہ اکل بالباطل کے زمرے میں آیا ہے۔ [2] وہ اس کا حکم دریافت کرنا چاہتے تھے، جبکہ حضرت معاویہؓ کی شان اس سے بالاتھی کہ وہ جانتے بوجھتے یہ کام کرتے،

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۲٦۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۲۴۔

کیونکہ وہ حضور ﷺ کے خاص الخاص صحابہ کرامؓ میں سے ہیں، تاہم ان کی حضرت علیؓ سے جولڑائی ہوئی، جس کو جنگِ صفین کہتے ہیں، یہ ان کی اجتہادی خطا تھی، اور حدیثِ پاک میں ہے کہ مجتہد کا کوئی فیصلہ اور مسئلہ اگر صحیح ہو، تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور اگر خطا ہو جائے، تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ (۱)

قولہ: فسکت ساعة، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے، پھر گویا ہوئے کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جو حکم دیں، اس میں ان کی اطاعت کرو، اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی حکم دیں، تو اس میں تم ان کی اطاعت نہ کرو، مطلب یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ جلیل القدر صحابی ہیں، انہوں نے جو کچھ کیا ہے، وہ اجتہاد کی بنیاد پر کیا ہے، لہٰذا جو کچھ انہوں نے کیا، وہ اپنے نزدیک درست سمجھ کر کیا، جب وہ درست ہے، تو ان کی بیعت کرنے والے کو ان کی اطاعت کرنی چاہئے، نہ کہ نافرمانی۔

دوسرے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی ہو، جس وقت حضرت علیؓ شہید ہو چکے ہوں، ایسی صورت میں حضرت معاویہؓ ہی خلیفۂ برحق تھے۔ (۲) اس صورت میں مذکورہ حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے درست ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

حدثنی محمد بن رافع (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّ الْكَعْبَةِ الصَّائِدِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ جَمَاعَةً عِنْدَ الْكَعْبَةِ (ص ۱۲۷ سطر ۲،۳)

تشریح

قولہ: عن عبد الرحمن بن عبد رب الكعبة الصائدی، (ص ۱۲۷ سطر ۳)

الصائدی کے بجائے صحیح لفظ العائذی ہے۔ (۳)

باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر

(جماعتِ حقہ سے وابستہ رہنا فتنوں کے زمانہ میں)

حدثنی محمد بن مُثَنّٰی العنزی (الی قولہ) سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ،

(۱) عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله ﷺ يقول: اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطا فله اجر، صحيح البخاری كتاب الاحكام باب اجر الحاكم الخ رقم الحديث: ۶۸۰۵

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۳۸

(۳) شرح النووی ج۲ ص۱۲۷۔

يَقُولُ :كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي (الی قوله) فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ :نَعَمْ، وَفِيهِ دَخَنٌ ،قال: قُلْتُ :وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّونَ بِغَيْرِ سُنَّتِي، وَيَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي۔ (ص۱۲۷ سطر ۱۰ تا۱۳)

تشریح

قوله: نعم، وفيه دخن الخ (۱۲۷ سطر۱۳)

یعنی شر کے بعد آنے والی خیر بھی خالص نہیں ہوگی، اس میں کچھ نہ کچھ ضرور کمی ہوگی۔

حدثني محمد بن سهل بن عسكر التميمي (الى قوله) عن ابی السلام قال: قال حذيفة بن اليمان قلتُ يا رسول اللّٰه! انا كنا بشر (الی قوله) وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ ، قَالَ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ؟ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ (ص۱۲۷ سطر ۱۶ تا ۲۰)

تشریح

قوله: فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ الخ(ص۱۲۷ سطر ۱۹)

جثمان سے مراد جسم ہے۔

حدثنا شيبان بن فرّوخ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ (ص۱۲۷ سطر ۲۰،۲۱)

تشریح

قوله: وَمَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ، (ص۱۲۷ سطر ۲۱)

اندھے جھنڈے سے مراد یہ ہے کہ اس کا حق اور ناحق ہونا واضح نہ ہو۔[1]

حدثنا حسن بن الربيع (الى قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، يَرْوِيهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۲۵

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ (ص۱۲۸ سطر ۷،۸)

تشریح

قوله: فإنه من فارق الجماعة شبرا، فمات، فميتة جاهلية الخ

(ص۱۲۸ سطر۸)

یعنی جماعتِ حقہ سے ذرا بھی جدا نہ ہونا جاہلیت کا مرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بلا عذرِ شرعی امام کی بیعت تھوڑی سی بھی توڑ دے، تو اس کا مرنا جاہلیت کا مرنا ہوگا، جاہلیت کے مرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح زمانۂ جاہلیت میں لوگ کسی امیر کے تابع نہ ہوتے تھے اور اس کی اطاعت سے بیزاری کا اظہار کیا کرتے تھے، اسی طرح ناحق امام کی بیعت توڑنے والے کا مرنا بھی حق پر نہیں ہوگا۔ (۱)

حدثنا عبيد الله بن معاذ العنبرى (الى قوله) عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُطِيعٍ حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ مَا كَانَ زَمَنَ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ :اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وِسَادَةً، فَقَالَ :إِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلِسَ، أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (ص۱۲۸ سطر ۱۱ تا ۱۴)

تشریح

قوله: جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة ما كان،(ص۱۲۸ سطر ۱۲)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے، جب حرّہ کا معاملہ چل رہا تھا، عبداللہ بن مطیعؒ نے ان کے لئے تکیہ لگانے کا حکم دیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے نہیں آیا، بلکہ ایک حدیث سنانے کے لئے آیا ہوں، اس کے بعد انہوں نے یہ حدیث سنائی، جو کتاب میں مذکور ہے۔

واقعۂ حرّہ کا خلاصہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن مطیع کو سمجھانے آئے تھے کہ تم جو امامِ وقت سے لڑائی

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: منازل الانوار ج۱ ص۲۲۷

کی تیاری کررہے ہو، ایسے شخص کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص کا مرنا جاہلیت کا مرنا ہوگا۔

حرہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت معاویہؓ کا انتقال ہوگیا، اوران کے بعدان کا بیٹا یزید بن معاویہ خلیفہ بنا، تو اہلِ مدینہ نے اس کی خلافت کو قبول نہیں کیا، اورانہوں نے ارادہ کیا کہ یزید کو اس عہدے سے ہٹایا جائے، اور کسی دوسرے صالح شخص کو مقرر کیا جائے، یزید کا عامل، جو مدینہ میں مقرر تھا، اس نے پہلے ان حضرات کو منانے کی کوشش کی، ان حضرات کے اشراف اور بڑے بڑے حضرات کا ایک وفد یزید کے پاس بھیجا، جب یہ وفد یزید کے پاس پہنچا، تو یزید نے ان حضرات کی بڑی خاطر تواضع کی، بڑا اعزاز و اکرام کیا، اوران کو بڑے بڑے تحائف دیے، اور یہ سب لوگ وہاں سے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت ہوئے، مدینہ منورہ میں آکران کی رائے تبدیل ہوگئی، بلکہ رائے تو شروع سے نہ تھی، لیکن یزید کے پاس سے آنے کے بعد انہیں اصل صورتحال کا اندازہ ہوا، اورانہوں نے کہا کہ ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں، جس کا دین سے کوئی واسطہ نہیں، جو شرابی کبابی آدمی ہے، گانے بجانے کا شوق رکھتا ہے، یہ ہرگز لائقِ امامت اور لائقِ خلافت نہیں۔

اہلِ مدینہ میں مہاجرین وانصار دونوں تھے، مہاجرین نے حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کو اپنا رئیس مقرر کرلیا، اور انصار نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کو اپنا امیر مقرر کیا اوران کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اور پھر انہوں نے ارادہ کیا کہ یزید کے عامل اور بنوامیہ کے لوگوں کو مدینے سے بے دخل کیا جائے، اس پر انہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سمجھایا، اور وہ حدیث سنائی، جو اس باب میں آئی ہے، کہ تم لڑائی نہ کرو، اس سے خون خرابہ اور فساد ہوگا، تباہی ہوگی، اور حاصل کچھ نہ ہوگا، مگر یہ لوگ باز نہیں آئے، چنانچہ بنوامیہ کے سارے لوگ مروان بن حکم کے گھر میں جمع ہوگئے، اور اہلِ مدینہ نے ان کا محاصرہ کرلیا، اوران کا کھانا، پانی بند کردیا، انہوں نے یزید کو اطلاع دی، کہ ہم بھوکے پیاسے ہیں، اور محصور ہیں، ہماری مدد کی جائے، تو ایک روایت کے مطابق یزید نے دس ہزار، دوسری روایت کے مطابق بارہ ہزار، اور تیسری روایت کے مطابق پندرہ ہزار کا ایک لشکر مسلم بن عقبة کی سربراہی میں روانہ کیا، وہ آکر مقامِ حرہ میں ٹھہر گیا، یزید نے مدینہ پر لشکر کشی سے پہلے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو اہلِ مدینہ کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہوں نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرح اہلِ مدینہ کو سمجھایا، انہوں نے کہا کہ بے شک یزید فاسق سہی، لیکن جب

حاکم فاسق ہو، اور اس کا فسق متعدی نہ ہو، تو اس کی بیعت کرنی چاہئے، اور اس کی بیعت کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے، اور لڑائی میں سوائے قتل وغارت گری اور ذلت ورسوائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، لیکن انہوں نے ان کی بات بھی نہ مانی، بہر حال یزید نے جو لشکر ان سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا اس نے اہلِ لشکر کو تلقین کی، کہ تم تین دن تک اہلِ مدینہ کو مصالحت کی دعوت دینا، اور ان کو لڑائی کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنا، اگر وہ پھر بھی نہ مانیں، تو تم حملہ کر دینا، چنانچہ مسلم بن عقبہ نے تین دن تک اہلِ مدینہ کو سمجھایا، لیکن اہلِ مدینہ اپنی بات پر مصر رہے، چنانچہ مسلم بن عقبہ نے مدینہ پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں زبردست قتل وغارت گری ہوئی، مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ منورہ کو اپنی فوج کے لئے حلال رکھا، چنانچہ عبداللہ بن مطیعؓ کو شکست ہوئی، مدینہ منورہ میں موجود بڑے بڑے صحابہؓ، تابعین، سردارانِ قوم اور شرفاء کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہوگئی، تین دن تک مسجدِ نبوی بھی بند رہی، جس میں اذان ونماز تک نہ ہوسکی، اور مدینہ منورہ، جو امن وامان کا گہوارہ تھا، وہاں خون کی ندیاں بہہ گئیں، یہ خلاصہ ہے حرہ کے واقعہ کا۔[1]

باب حكم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع

(مسلمانوں کی متفقہ حکومت کی مخالفت کرنے والے کا حکم)

حدثنيابو بكر بن نافع ومحمد بن بشار (عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَرْفَجَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ، فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ (ص ۱۲۸ سطر ۱۷، ۱۸)

تشریح

قوله: إنه ستكون هنات وهنات الخ (ص ۱۲۸ سطر ۱۸)

هنات جمع ہے: هنة کی، جس کے معنیٰ ہیں: گندی اور بری چیز، مراد اس سے فتنے ہیں[2]، کہ عنقریب فتنے ہی فتنے برپا ہوں گے، فتنوں کے دور میں لائحہ عمل یہ بتایا گیا ہے، کہ اس وقت بھی حکومت کی اطاعت کرنا ضروری ہے، اس کی مخالفت کرنا درست نہیں، جب تک وہ لائقِ حکومت رہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۴۸ تا ۳۵۰

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۲۸۔

باب وجوب الإنكار على الأمراء فيما يخالف الشرع الخ

(جو حکام خلافِ شرع کام کا حکم دیں اس کو نہ ماننا)

حدثنا هداب بن خالد الازدی (الی قوله) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَتَكُونُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ، وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلَّوْا (ص ۱۲۸ سطر ۲۴،۲۵)

تشریح

قوله: ستكون أمراء فتعرفون وتنكرون، الخ (ص ۱۲۸ سطر ۲۴،۲۵)

یعنی آئندہ زمانے میں ایسے حکمران آئیں گے، جن کے اندر کچھ اچھی باتیں بھی ہوں گی، اور بری باتیں بھی ہوں گی۔

قوله: فمن عرف برئ (ص ۱۲۸ سطر ۲۵)

جو ان میں بری بات دیکھ کر اس پر نکیر کرے گا، وہ نفاق سے بری ہو جائے گا،

قوله: و من أنكر سلم: (ص ۱۲۸ سطر ۲۵) اور جو دل سے برا سمجھے گا، وہ بھی سلامت رہے گا، کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

قوله: ولكن من رضى وتابع (فقدهلك) (ص ۱۲۸ سطر ۲۵)

اور جو شخص اپنے امیر کی برائی پر راضی ہو گیا، اور اس برائی میں اس کی پیروی کر لی، تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

قوله: أفلا نقاتلهم قال: ما صلوا (۱۲۸ سطر ۲۵)

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! کیا ہم ایسے امراء سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں، ان کی بغاوت نہ کرنا، اور "ماصلوا" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں اسلام اور نماز لازم وملزوم تھے، جو مسلمان ہوتا تھا، وہ نمازی بھی ہوتا تھا۔[1]

حدثنا ابو غسان المِسْمَعِيُّ (الی قوله) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۳۵۲

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ، فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ ـــــ (الحديث)(ص ۱۲۸ سطر ۲۵ تا ص ۱۲۹ سطر ۱)

تشریح

قوله: فمن کره فقد برئ الخ (۱۲۹ سطر ۱)

مطلب یہ ہے کہ جس نے ان امراء کی برائی کو برا سمجھا، اس کو ناپسند کیا، وہ بھی نفاق سے بری ہو جائے گا۔

باب خيار الأئمة وشرارهم

(اچھے اور بُرے حکام)

حدثنا داؤد بن رشيد (الى قوله) عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يَزِيدَ ابْنِ جَابِرٍ،قَالَ أَخْبَرَنِي مَوْلَى بَنِي فَزَارَةَ، وَهُوَ رُزَيْقُ بْنُ حَيَّانَ، أَنَّهُ سَمِعَ مُسْلِمَ بْنَ قَرَظَةَ ابْنَ عَمِّ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ ، (الى قوله) قَالَ ابْنُ جَابِرٍ: فَقُلْتُ: يَعْنِي لِرُزَيْقٍ حِينَ حَدَّثَنِي بِهَذَا الْحَدِيثِ: آللَّهِ، يَا أَبَا الْمِقْدَامِ، لَحَدَّثَكَ بِهَذَا، أَوْ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ مُسْلِمِ بْنِ قَرَظَةَ يَقُولُ :سَمِعْتُ عَوْفًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ :فَجَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَقَالَ: إِي وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، لَسَمِعْتُهُ مِنْ مُسْلِمِ بْنِ قَرَظَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۱۲۹ سطر ۷ تا ۱۴)

تشریح

قوله: آللّٰه، يا أبا المقدام، الخ (ص ۱۲۹ سطر ۱۲)

آللّٰہ، یہ واللّٰہ کے قائم مقام ہے، اور واللّٰہ اصل میں ہے: أ و اللّٰہ۔[1]

باب استحباب مبايعة الإمام الجيش عند إرادة القتال، وبيان بيعة الرضوان تحت الشجرة

لڑائی کے ارادہ پر بیعت مستحب ہے اور بیعتِ رضوان

حدثنا قتيبة بن سعيد (الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةً، فَبَايَعْنَاهُ وَعُمَرُ آخِذٌ بِيَدِهِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَهِيَ سَمُرَةٌ، وَقَالَ: بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ، وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ (ص ۱۲۹ سطر ۱۵ تا ۱۷)

تشریح

قوله: كنا يوم الحديبية ألفا و أربع مائة، (ص ۱۲۹ سطر ۱۶)

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ تیرہ سو تھے،

(۲) ... دوسرا قول چودہ سو کا ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ وہ پندرہ سو تھے۔

ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے شروع میں تیرہ سو ہوں، پھر کچھ اور صحابہ کرامؓ آملے ہوں، تو چودہ سو ہوگئے، پھر کچھ اور آگئے، تو پندرہ سو ہوگئے۔[2]

قوله: تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَهِيَ سَمُرَةٌ، الخ (۱۲۹ سطر ۱۶، ۱۷)

سَمُرة: سَمُرة کے معنیٰ ہیں: کیکر کا درخت۔

قوله: بايعناه على أن لا نفر، ولم نبايعه على الموت (۱۲۹ سطر ۱۷)

راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے دشمن کے مقابلے میں فرار نہ ہونے پر بیعت کی تھی، نہ کہ موت پر جبکہ اس باب کی آخری حدیث میں ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے موت پر بیعت کی تھی۔ اس طرح دونوں میں تعارض ہوگیا۔

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۵۹

(۲) ان روایاتِ مختلفہ میں تطبیق کی ایک صورت علامہ نوویؒ نے بھی اپنی شرح میں لکھی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ج ۲ ص ۱۲۹۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صورتِ بیعت کا ذکر ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے جنگ میں فرار نہ ہونے پر بیعت کی، اور آخری حدیث میں لازمِ بیعت کا ذکر ہے، کیونکہ جب ثابت قدمی کے ساتھ لڑائی کی جائے گی، اور دشمن کے مقابلے میں نہ بھاگا جائے گا، تو پھر دو چیزوں میں سے ایک کا سامنا کرنا پڑے گا:

(۱) ... قید یا (۲) ... شہادت،

تو اس شہادت کے احتمال کی وجہ سے آخری حدیث میں اس بیعت کو **بیعت علی الموت** سے تعبیر کیا۔[۱]

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ابتداءِ بیعت کا ذکر ہے، اور آخری حدیث میں انتہاءِ بیعت کا ذکر ہے۔[۲]

حدثنا محمد بن حاتم(الی قوله) جَابِرًا، يَسْأَلُ، كَمْ كَانُوا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ؟ قَالَ: كُنَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، فَبَايَعْنَاهُ، وَعُمَرُ آخِذٌ بِيَدِهِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَهِيَ سَمُرَةٌ، فَبَايَعْنَاهُ غَيْرَ جَدِّ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيِّ، اخْتَبَأَ تَحْتَ بَطْنِ بَعِيرِهِ. (ص ۱۲۹ سطر ۱۸ تا ۲۰)

تشریح

قوله: فبایعناه غیر جد بن قیس الأنصاری، الخ (ص ۱۲۹ سطر ۱۹، ۲۰)

صلح حدیبیہ میں حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر جد بن قیس انصاری نے بیعت نہیں کی، وہ اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا، شارحین فرماتے ہیں کہ اس کے بیعت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص منافق تھا۔[۳]

قوله: أنتم الیوم خیر أهل الأرض الخ (ص ۱۲۹ سطر ۲۳، ۲۴)

آج کے دن تم روئے زمین کے لوگوں میں سب سے بہتر ہو، جن صحابہ کرامؓ نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان میں حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اس بیعت کی وجہ سے یہ لوگ زمین

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۲۹۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۵۸

(۳) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۵۸

پر سب سے افضل لوگ قرار پائے، ان مسلمانوں سے بھی، جو مکہ مکرمہ میں تھے، اور ان مسلمانوں سے بھی، جو مدینہ منورہ میں تھے، اور ان مسلمانوں سے بھی، جو ان کے علاوہ کہیں اور تھے۔[1]

حدثنا عبید اللّٰہ بن معاذ (الی قولہ) قال: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ الشَّجَرَةِ أَلْفًا وَثَلَاثَ مِائَةٍ، وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثُمْنَ الْمُهَاجِرِينَ (ص ۱۳۰ سطر ۲، ۳)

تشریح

قولہ: وكانت أسلم ثمن المهاجرين الخ (ص ۱۳۰ سطر ۳)

قبیلۂ اسلم کے آدمی مہاجرین کا ثُمن تھے، مہاجرین کی تعداد آٹھ سو تھی، اور قبیلۂ اسلم کے لوگوں کی تعداد سو تھی، سو (۱۰۰) آٹھ سو (۸۰۰) کا ثُمن یعنی آٹھواں حصہ ہے۔

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات اولیاء عظامؒ کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا مسئلہ

یہاں یہ مسئلہ سمجھنے کا ہے کہ جس میدان میں صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے میدانِ جہاد میں نہ بھاگنے کی بیعت کی تھی، وہ درخت پھر بعد میں کاٹ دیا گیا، اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا کہ انبیاء اور اولیاء کی مبارک اشیاء سے تبرک حاصل کرنا منع ہے، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، درست بات یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور نیک لوگوں کے آثار اور اشیاء سے برکت حاصل کرنا نہ صرف جائز، بلکہ ثابت ہے، اور میدانِ حدیبیہ کے اس درخت کے کاٹنے کی وجہ دوسری ہے، وہ یہ ہے کہ دراصل لوگ وہاں جا کر عبادت کرنے لگے تھے، نمازیں پڑھنے لگے تھے، اور کچھ حد سے تجاوز کر کے اس جگہ کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرنے لگے تھے، جس کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ آگے چل کر اس جگہ اور اس درخت کو نفع و نقصان پہنچانے والا سمجھ کر لوگ شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس وجہ سے ایک قول کی بناء پر حضرت عمرؓ نے اس کو کٹوا دیا[2] تھا۔

لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظامؒ کے آثار سے برکت حاصل کرنا متعدد حدیثوں میں

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۶۰ تحت هذا الحديث۔

(۲) فتح الباری ج ۱۱ ص ۹۴۰ کتاب المغازی باب غزوة الحديبية۔

آیا ہے، جن میں سے ایک اثر حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ان کے پاس سرکار دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال مبارک تھے، جو انہوں نے ایک نلکی کے اندر رکھے ہوئے تھے، جب کسی کے گھر میں کوئی بیمار ہوتا، یا کسی کو کوئی تکلیف ہوتی، تو اس کے گھر والے پانی کا ایک پیالہ ان کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے، اور حضرت ام سلمہؓ اس نلکی میں سے آپ ﷺ کے بال مبارک نکال کر اس میں ڈبو کر اور گھما کر وہ پیالہ واپس دے دیا کرتی تھیں، پھر وہ پانی مریض کو پلاتے، تو وہ ٹھیک اور صحت یاب ہو جاتا تھا۔[1] یہ حضور ﷺ کے بالوں کی برکت ہوتی تھی۔

دوسری دلیل حضرت ام سلیمؓ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ اکثر ان کے ہاں دوپہر کے وقت قیلولہ فرمایا کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کے آرام کیلئے چمڑے کا ایک بستر بچھا دیا کرتی تھیں، اور نیند میں آپ ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا، پسینہ مبارک کچھ چمڑے کے بستر پر، اور کچھ پیشانی مبارک پر بھی جمع ہو جاتا تھا، حضرت ام سلیمؓ آپ ﷺ کے سونے کے بعد ایک تنکا اور شیشی لے کر آپ ﷺ کے پسینے مبارک کا ایک ایک قطرہ شیشی میں ڈالتی رہتی تھیں، اور یہ فرماتی تھیں کہ یہ **اطیب الطیب** ہے[2]، اور جس خوشبو میں آپ ﷺ کا پسینہ مبارک شامل فرماتیں، وہ خوشبو دوسری ساری خوشبوؤں سے بہتر ہو جاتی تھی، اور وہ شادی بیاہ میں دولہا، دلہن کو لگائی جاتی تھی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے پاس ایک پیالہ تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو اس پیالے میں ہر چیز پلائی، یعنی پانی بھی پلایا، نبیذ بھی پلائی، شہد بھی پلایا، دودھ بھی پلایا،[3] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب یہ سنا کہ یہ ایسا بابرکت پیالا ہے، تو انہوں نے ان سے وہ پیالہ مانگ لیا، جس پر انہوں نے یہ پیالہ ان کو دے دیا۔

ایسے ہی حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ثقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف لائے، حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ سہل! کچھ پلاؤ، تو میں نے حضور ﷺ کو ایک پیالے میں پانی پلایا، اس

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطب والرقی رقم الحدیث : ۴۵۲۸۔

(۲) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفضائل باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رقم الحدیث:۵۷۸۸ وصحیح مسلم کتاب الفضائل باب طیب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ رقم الحدیث:۴۳۰۱۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الأشربة باب إباحة النبیذ الخ رقم الحدیث :۳۷۴۸.

کے بعد انہوں نے وہ پیالہ نکال کر دکھایا کہ یہ وہ پیالہ ہے، جس سے حضور ﷺ نے پانی پیا ہے، لوگوں نے درخواست کی کہ ہمیں بھی اس میں کچھ پانی ڈال کر پانی پلایئے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام ؒ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا نہ صرف جائز، بلکہ بہت مبارک ہے، لیکن اس میں اعتدال سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

مبارک اور تاریخی مقامات کی زیارت کا مسئلہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو مبارک اور تاریخی مقامات ہیں، جیسے غارِ حرا، غارِ ثور، میدانِ بدر اور میدانِ احد وغیرہ، ان کی زیارت کرنا کیسا ہے؟ تو اس میں بھی مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی وہاں اعتدال کے ساتھ جائے، اور اس نیت سے جائے کہ وہاں جانے سے وہ تاریخی واقعات تازہ ہوں گے، جس سے ایمان تازہ ہوگا، شرح صدر ہونے میں اضافہ ہوگا، دین کی طرف طبیعت کا جھکاؤ ہوگا، تو یہ نہ صرف جائز، بلکہ بہتر ہے۔ (۲)

حدثنا اسحاق بن ابراهیم (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: أَتَاهُ آتٍ، فَقَالَ: هَا ذَاکَ ابْنُ حَنْظَلَةَ يُبَايِعُ النَّاسَ، فَقَالَ: عَلَى مَاذَا؟ قَالَ: عَلَى الْمَوْتِ، قَالَ: لَا أُبَايِعُ عَلَى هَذَا أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۱۳۰ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

قوله: لا أبايع على هذا أحدا بعد رسول الله ﷺ، الخ (ص ۱۳۰ سطر ۱۴)

حضرت عبداللہ بن زید ؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کی، تو آپ ﷺ کے بعد کسی اور کے ہاتھ پر بھی موت کی بیعت نہیں کروں گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر تو موت کی بیعت کی تھی، آپ ﷺ کے بعد میں کسی اور کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کروں گا۔ (۳)

(۱) صحیح البخاری کتاب الاشربة باب الشرب من قدح النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وآنیتہ، رقم الحدیث: ۵۲۰۲۔

(۲) تکملة فتح الملہم ج۳ ص۳۶۳ تا ۳۶۶۔

(۳) تکملة فتح الملہم ج۳ ص۳۶۸

باب تحريم رجوع المهاجر إلى استيطان وطنه

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْحَجَّاجِ، فَقَالَ: يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ، ارْتَدَدْتَ عَلَى عَقِبَيْكَ؟ تَعَرَّبْتَ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لِي فِي الْبَدْوِ. (ص ۱۳۰ سطر ۱۴، ۱۵)

تشریح

قوله: يا ابن الأكوع، ارتددت على عقبيك؟ الخ (ص ۱۳۰ سطر ۱۵)

حجاج بن یوسف نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنی ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے؟

قوله : تعربت؟ (ص ۱۳۰ سطر ۱۵)

آپ نے دیہات میں رہنا اختیار کر لیا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہات میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے باہر سکونت اختیار کرنے کی وجہ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مقام رَبذہ میں جا کر مقیم ہو گئے تھے، وہاں جا کر شادی کی اور اولاد بھی ہوئی، پھر وہیں مقیم ہو گئے تھے، انتقال سے کچھ روز قبل مدینہ منورہ آئے تو حجاج بن یوسف سے ملاقات ہوئی اس پر حجاج بن یوسف نے آپ پر طعن کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتح مکہ سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک مدینہ چھوڑ کر کہیں اور جا کر رہنا بحکم مرتد تھا، یعنی ایسے شخص کو مرتد کی طرح سمجھا جاتا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حکم نہیں تھا، اس لئے حجاج بن یوسف کا آپ کو یہ طعنہ دینا ناجائز تھا؛ کیونکہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے جانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی اجازت دے دی تھی، دوسرا یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ فتنے سے بچنے کے لئے دیہات میں جا کر مقیم ہوئے تھے، کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ پہلا فتنہ تھا، جو ظاہر ہوا، تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ چھوڑنے کی ممانعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ منورہ چھوڑنا جائز تھا۔[1] کیونکہ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض نہیں تھا۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۲۷۰

باب المبايعة بعد فتح مكة على الإسلام والجهاد والخير، وبيان معنٰى "لا هجرة بعد الفتح"

(فتحِ مکہ کے بعد اسلام، جہاد اور امورِ خیر پر بیعت وغیرہ کا حکم)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ (الى قوله) عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، حَدَّثَنِي مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ السُّلَمِيُّ، قَالَ :أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُبَايِعُهُ عَلَى الْهِجْرَةِ، فَقَالَ :إِنَّ الْهِجْرَةَ قَدْ مَضَتْ لِأَهْلِهَا، وَلَكِنْ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ. (ص ۱۳۰ سطر ۱۵ تا ۱۷)

تشریح

قوله: إن الهجرة قد مضت لأهلها، الخ(ص ۱۳۰ سطر ۱۷)

بیعتِ طریقت کا ثبوت

وہ ہجرت جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف فرض تھی، وہ فتح مکہ کے بعد ختم ہوگئی، البتہ مطلق ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے، اور قیامت تک باقی رہے گا، لہٰذا اسلام لانے پر، جہاد کرنے پر بیعت کرنا اور اسی طرح بیعت علی الخیر یعنی بیعت علی التقویٰ باقی ہے، خیر سے مراد تمام نیک کام ہیں، اس سے وہ بیعت ثابت ہوتی ہے، جو صوفیاء کرام میں جاری وساری ہے، کیونکہ اس میں مرید اپنے شیخ کے ہاتھ پر یہ بیعت کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاروں گا، اپنے ظاہر وباطن کو تقویٰ سے آراستہ کروں گا، اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کروں گا، اس کے لئے آپ سے رہنمائی چاہوں گا، اس کو بیعت علی الخیر اور بیعت علی التقویٰ کہتے ہیں، یہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔[1]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ -فَتْحِ مَكَّةَ -لَا هِجْرَةَ، وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا. (ص ۱۳۰ سطر ۲۰، ۲۱)

جہاد کی دو قسمیں

قوله: وإذا استنفرتم فانفروا الخ (۱۳۰ سطر ۲۱)

جب تم سے جہاد کے واسطے نکلنے کے لئے کہا جائے تو نکلا کرو،

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۷۹

جہاد کی دو قسمیں ہیں: ایک جہاد فرض عین، اور ایک جہاد فرضِ کفایہ، اگر کسی علاقے پر خدانخواستہ کافر مسلمانوں پر حملہ کردیں، ایسی صورت میں اس علاقے کے مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہوجائے گا، اگر یہ لوگ دشمن کے مقابلے میں کافی ہوجائیں تو پھر دیگر مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہوگا، اور اگر یہ مسلمان کافی نہ ہوں، دشمن زیادہ ہوں، تو پھر قرب وجوار کے اتنے مسلمانوں پر بھی جہاد فرضِ عین ہوجائے گا، جن کے ساتھ ملنے کی وجہ سے اس علاقے کے مسلمان دشمن سے مقابلہ کرنے میں کافی ہوجائیں، اس کے علاوہ باقی مسلمانوں پر فرضِ کفایہ رہے گا۔[1]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ، (الی قوله) قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ :وَيْحَكَ، إِنَّ شَأْنَ الْهِجْرَةِ لَشَدِيدٌ، فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :فَهَلْ تُؤْتِي صَدَقَتَهَا؟ قَالَ :نَعَمْ، قَالَ :فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ، فَإِنَّ اللهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا. (ص ۱۳۱ سطر ۳ تا ۵)

تشریح

قوله: أن أعرابيا سأل رسول الله ﷺ عن الهجرة، فقال :ويحك، الخ (ص ۱۳۱ سطر ۳)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس اعرابی کو ہجرت کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس کو رخصت دیدی، اس رخصت دینے کی شارحین نے دو وجوہات بیان فرمائی ہیں:

(۱) ... ایک وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا، مکہ مکرمہ کے علاوہ دیگر علاقوں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض نہیں تھا، اور یہ دیہاتی مکہ مکرمہ کا رہنے والا نہیں تھا۔ یا یہ ارشاد فتح مکہ کے بعد کا ہے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا فرض نہ رہا تھا۔

(۲) ... دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اس اعرابی کی خصوصیت ہے، آپ ﷺ نے محسوس فرمالیا تھا کہ ہجرت کی مشقت اور قربانی یہ برداشت نہ کرپائے گا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو ہجرت کرنے

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع كتاب السير فصل وأما بيان كيفية فرضية الجهاد: ج ۷ ص ۹۷، ۹۸۔

سے منع فرمادیا۔[1]

البحار، جمع ہے بحرۃ کی، اور بحرۃ کے معنیٰ ہیں: دیہات، لن یترک معنیٰ میں ہے لن ینقص یعنی اگر تم نے ہجرت نہ کی تو اللہ تعالیٰ تیرے عمل کے ثواب میں کچھ کمی نہ فرمائیں گے۔[2]

باب كيفية بيعة النساء

(عورتوں کی بیعت کا طریقہ)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الى قوله) أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ :كَانَتِ الْمُؤْمِنَاتُ إِذَا هَاجَرْنَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْتَحَنَّ بِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ" إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ، فَقَدْ أَقَرَّ بِالْمِحْنَةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْرَرْنَ بِذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ، قَالَ لَهُنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :انْطَلِقْنَ، فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ، غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ

الحديث (ص ۱۳۱ سطر ۷ تا ۱۰)

تشریح

قوله: كانت المؤمنات إذا هاجرن إلى رسول الله ﷺ يمتحن الخ
(ص ۱۳۱ سطر ۸)

جب مکہ مکرمہ سے عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ پہنچتیں، تو آپ ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے، کیونکہ حدیبیہ میں آپ ﷺ نے کفارِ مکہ سے اس بات پر صلح فرمائی تھی کہ مکہ مکرمہ کے لوگوں میں سے اگر کوئی مدینہ منورہ آئے گا، تو حضور ﷺ اس کو واپس کریں گے، اگر آنے والے مرد ہوتے تو ان

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۲۷۶ تحت هذا الحديث۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۳۱۔

کو واپس کر دیا جاتا، خواہ وہ مسلمان ہو کر آئے ہوں، لیکن جب کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا جَاءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِیْمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْکُفَّارِ.

(الممتحنة: ۱۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو واپس کرنے سے روک دیا، البتہ کافر عورتوں کو واپس کرنے کا حکم باقی رہا، چنانچہ آپ ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہیں، یا حالتِ کفر پر رہتے ہوئے محض مدینہ میں رہنے کے لئے آئی ہیں، یا اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے آئی ہیں، یا کسی اور دنیاوی غرض سے آئی ہیں۔

علماءِ کرام نے آپ ﷺ کے مؤمن عورتوں کو واپس نہ کرنے کے سلسلے میں کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں، ایک وجہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ ہوا تھا، وہ مردوں کے بارے میں تھا، نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عورتوں کے بارے میں معاہدہ یہ تھا کہ جو عورت مسلمان ہو کر آئے گی، اسے واپس نہیں کیا جائے گا، اور جو عورت کافر ہو کر آئے گی، اس کو واپس کیا جائے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اصل معاہدہ تو عام تھا، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، سب کو واپس کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے خاص مراد تھی، وہ یہ کہ جب عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو ان کو واپس نہیں کیا جائے گا چنانچہ اس موقعہ پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرما دی اور مسلمان عورتوں کو واپس کرنے سے منع فرما دیا۔[1]

عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جس طرح مردوں کو بیعت فرماتے تھے، اسی طرح عورتوں کو بھی بیعت فرماتے تھے، اس باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زبانی بیعت فرماتے تھے، عورت کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں لگاتے تھے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی بھی آپ ﷺ

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۷۸.

کو واپس کر دیا جاتا، خواہ وہ مسلمان ہو کر آئے ہوں، لیکن جب کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ.

(الممتحنة: ١٠)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو واپس کرنے سے روک دیا، البتہ کافر عورتوں کو واپس کرنے کا حکم باقی رہا، چنانچہ آپ ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہیں، یا حالتِ کفر پر رہتے ہوئے محض مدینہ میں رہنے کے لئے آئی ہیں، یا اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے آئی ہیں، یا کسی اور دنیاوی غرض سے آئی ہیں۔

علماءِ کرام نے آپ ﷺ کے مؤمن عورتوں کو واپس نہ کرنے کے سلسلے میں کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں، ایک وجہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ ہوا تھا، وہ مردوں کے بارے میں تھا، نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عورتوں کے بارے میں معاہدہ یہ تھا کہ جو عورت مسلمان ہو کر آئے گی، اسے واپس نہیں کیا جائے گا، اور جو عورت کافر ہو کر آئے گی، اس کو واپس کیا جائے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اصل معاہدہ تو عام تھا، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، سب کو واپس کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے خاص مراد تھی، وہ یہ کہ جب عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو ان کو واپس نہیں کیا جائے گا چنانچہ اس موقعہ پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرما دی اور مسلمان عورتوں کو واپس کرنے سے منع فرما دیا۔[1]

عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جس طرح مردوں کو بیعت فرماتے تھے، اسی طرح عورتوں کو بھی بیعت فرماتے تھے، اس باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زبانی بیعت فرماتے تھے، عورت کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں لگاتے تھے، کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کبھی بھی آپ ﷺ

(١) تکملة فتح الملہم ج ٣ ص ٣٧٨.

کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا، حضرت ام عطیہؓ کی روایت ہے کہ ہم نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا، حضور ﷺ نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا[1]، اور بعض روایتوں میں آپ ﷺ کا ہاتھ عورتوں کے ہاتھ میں جانے کا بھی ذکر ہے۔

اس تعارض کو دور کرنے کے لئے شارحینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ام عطیہؓ والی حدیث میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بھی ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بھی ہاتھ بڑھایا، ہاتھ بڑھانے سے مصافحہ لازم نہیں آتا۔ لہٰذا اس حدیث سے بوقتِ بیعت حضور ﷺ کا عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ثابت نہیں ہوتا۔

جن روایتوں میں ہاتھ سے بیعت کرنے کا ذکر ہے، وہاں بھی بحائل ہے، بلا حائل نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مراسیلِ[2] ابی داوٗد میں امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ عورتوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی درخواست کی اور ہاتھ میں ہاتھ لینے کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے چادر منگوائی، اور آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک پر چادر ڈال لی، اور پھر عورتوں کو بیعت فرمایا، اور فرمایا کہ میں عورت کے ہاتھ نہیں لگاتا۔ (اوکما قال ﷺ)[3]

باب بيان سن البلوغ
(بالغ ہونے کی عمر کا بیان)

حَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَاسْتَصْغَرَنِي. (ص ۱۳۱ سطر ۱۷ تا ۱۹)

تشریح
لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامات اور عمر

قوله: وأنا ابن أربع عشرة سنة فاستصغرني. (۱۳۱ سطر ۱۹)

اگر پندرہ سال کی عمر سے پہلے پہلے کسی لڑکے یا لڑکی میں بلوغت کی علامات پائی جائیں، تو سب کے نزدیک وہ بالغ سمجھے جائیں گے، اور لڑکے کے لئے علامات بلوغ تین ہیں:

---

(۱) مسند احمد حديث ام عطية رضي الله عنها رقم الحديث: ۱۹۸۶۷۔

(۲) مراسیل ابی داوٗدؒ باب ما جاء فی الفیء والامارة: رقم الحدیث: ۳۵۰۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۷۹، ۳۸۰۔

(۱) ... احتلام، (۲) ... انزال، (۳) ... اور اس کی صحبت سے عورت کے حمل ٹھہرنا۔

اسی طرح لڑکی کے بالغ ہونے کی علامات بھی تین ہیں:

(۱) ... حیض آنا، (۲) ... احتلام ہونا، (۳) ... اور حمل ٹھہرنا۔

اگر کسی لڑکے یا لڑکی میں پندرہ سال کی عمر سے پہلے پہلے ان علاماتِ بلوغ میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے، تو پھر ان کو بالغ کب سمجھا جائے گا، اس میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی، پندرہ سال کی عمر میں وہ بالغ سمجھے جائیں گے، اور اس پر بلوغت کے تمام احکام نافذ اور جاری ہو جائیں گے، البتہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ لڑکی سترہ سال کی عمر میں اور لڑکا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ سمجھا جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لڑکی اٹھارہ سال میں اور لڑکا انیس سال کی عمر میں بالغ سمجھا جائے گا، اور ایک قول ان کے دونوں کے لئے اٹھارہ سال کا بھی ہے۔ (۱)

باب النهي أن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار إذا خيف وقوعه بأيديهم

(جب قرآن مجید کافروں کے ہاتھ لگنے کا خطرہ ہو تو قرآن کریم لے کر کافروں کے ملک کی طرف سفر کرنے کی ممانعت کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ :قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ :نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ. (ص ۱۳۱ سطر ۱۹)

تشریح

اس باب میں دو مسئلے ہیں کہ دشمن کے علاقے میں قرآن شریف کو ساتھ لیجانے کا کیا حکم ہے؟ دوسرے یہ کہ کافروں کو قرآن شریف پڑھانے کا کیا حکم ہے؟

دشمن کے علاقے میں قرآن شریف لیجانے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ لشکر چھوٹا ہے، اس صورت میں خواہ دشمن کی طرف سے قرآن شریف کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو یا نہ

(۱) الهداية كتاب الحجر فصل في حد البلوغ ج۳ ص۲۸۲۔

ہو، دونوں صورتوں میں قرآن شریف کو ساتھ لیجانا منع ہے، اور اگر لشکر بڑا ہو، تو پھر قرآن شریف ساتھ لیجانے میں اختلاف ہے، حضرت امام مالکؒ مطلقاً منع کرتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن کی طرف سے قرآن شریف کی بے حرمتی کا اندیشہ ہے تو لیجانا منع ہے، ورنہ جائز ہے۔[1]

کافروں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دینے کا حکم

دوسرا مسئلہ کافروں کو قرآن شریف پڑھانے کا ہے،[2] حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کافروں کو قرآن شریف پڑھانا مطلقاً منع ہے، جبکہ ان کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ تھوڑا بہت پڑھا سکتے ہیں، زیادہ نہیں پڑھا سکتے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے، اور حضرت امام شافعیؒ کی دو روایتیں ہیں،[3]

باب المسابقة بين الخيل وتضميرها

(گھوڑوں کے درمیان مقابلہ اور مسابقہ کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بِالْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ، وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ، مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيمَنْ سَابَقَ بِهَا. (ص ۱۳۲ سطر ۲ تا ۴)

تشریح

قوله: أن رسول الله ﷺ سابق بالخيل التي قد أضمرت من الحفياء، .....الخ (ص ۱۳۲ سطر ۳)

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۵۔

(۲) حاصل اس مسئلے کا یہ ہے کہ کافروں کو قرآن کریم دینے سے اس وقت منع کیا جاتا ہے جب قرآن کریم کی اہانت و بے تعظیمی کا خوف ہو اگر اہانت اور بے تعظیمی کا خوف نہ ہو تو قرآن کریم دینے میں کوئی حرج نہیں اور پڑھانے میں قرآن کریم کی تبلیغ اور تعلیم مقصود ہوتی ہے اس لئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۶)

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۶۔

اضمار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے گھوڑے کو آہستہ آہستہ کھلا کھلا کر موٹا کرتے ہیں، پھر اس کی غذا کم کر دیتے ہیں، اور پھر اس کو ایک کمرے میں بند کرتے ہیں اور چادر اڑھا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کو بہت پسینہ آتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بہت چست اور چالاک ہو جاتا ہے، ایسے گھوڑوں کو "مضمر" کہتے ہیں۔(۱)

گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز صورتیں

آپ ﷺ نے گھوڑوں کے دو مقابلے کروائے، مضمر گھوڑوں کا مقابلہ "مقام حفیاء" سے "ثنیۃ الوداع" تک کروایا، ان دونوں مقامات کے درمیان تقریباً ۵ یا ۶ میل کا فاصلہ ہے، اور جو گھوڑے غیر مضمر تھے، ان کے درمیان ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک مقابلہ کروایا، جن کے درمیان فاصلہ تقریباً ایک میل تھا، چونکہ غیر مضمر گھوڑا کم دوڑتا ہے، اس لئے اس کے دوڑنے کا فاصلہ کم رکھا، اور مضمر گھوڑے کے لئے لمبی مسافت آپ ﷺ نے مقرر فرمائی۔

دوسری روایات میں یہ بھی ہے کہ جو گھوڑا سب سے آگے نکلنے والا تھا، اس کو آپ ﷺ نے دو جوڑے عطا فرمائے، اور جو اس سے کم تھا، اس کو ایک جوڑا عطا فرمایا، پھر جو اس سے کم تھا، اس کو ایک دینار عطا فرمایا، پھر اس سے کم والے کو ایک درہم عطا فرمایا، پھر اس سے کم والے کو کچھ تھوڑی بہت چیز عطا فرمائی۔(۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے مسابقت بھی کروائی اور انعام بھی دیا، مسابقت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں پیسوں کی شرط نہ ہو، تو بالاجماع جائز ہے، اور اگر پیسوں کے ساتھ کروایا جائے، تو اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱) ... ایک صورت یہ ہے کہ جو مقابلے میں شریک ہیں، ان میں سے کوئی پیسے دینے کی کوئی شرط نہ لگائے، بلکہ جو مقابلہ کروا رہا ہے، وہ کسی انعام کا اعلان کرے، تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ مقابلہ کرنے والوں میں سے کسی ایک یا دونوں کی طرف سے پیسے ہوں، اس میں بھی اگر ایک کی طرف سے پیسے ہوں، دوسرے کی طرف سے پیسے نہ ہوں،

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۳۲۔

(۲) عمدۃ القاری کتاب الصلاۃ باب ھل یقال مسجد بنی فلان؟ ۱۱۹/۵۔

تو ائمۂ اربعہ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے، مثلاً زید اور بکر دونوں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے ہیں، زید کہتا ہے کہ اگر میں آگے نکل گیا، تو تم اتنے پیسے دینا، اور اگر تم آگے نکل گئے تو میں کچھ نہیں دوں گا۔

(۳) ... تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف سے پیسے ہوں، مثلاً زید کہتا ہے کہ اگر میں آگے نکل گیا تو تم پچاس روپے دینا اور اگر تم آگے نکل گئے تو میں پچاس روپے دوں گا، یہ صورت بالاجماع حرام ہے، کیونکہ یہ قمار ہے، اور قمار حرام ہے۔

(۴) ... چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی تیسرا آدمی آجائے، جس کو حدیث میں "مُحلِّل" سے تعبیر کیا گیا ہے، بشرطیکہ یہ تیسرا آدمی پہلے دو آدمیوں کی ٹکر کا ہو، گھڑسواری کے فن میں بھی اور گھوڑے کے اعتبار سے بھی، اب یہ پہلے دو آدمی اس تیسرے کو کہتے ہیں کہ اگر تو آگے نکل گیا تو ہم یہ اتنے پیسے تجھے انعام میں دیں گے اور اگر ہم آگے نکل گئے تو تمہیں کچھ نہیں دینا پڑے گا، مسابقہ کی یہ صورت جائز ہے، اس کی دلیل وہ احادیث طیبہ ہیں [۱]، جس میں اس "مُحلِّل" کے شامل کرنے کا ذکر ہے، ائمہ ثلاثہؒ اس کو جائز کہتے ہیں، جبکہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ [۲]

باب الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة

(گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر ہونے کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْخَيْرُ مَعْقُوصٌ بِنَوَاصِي الْخَيْلِ ، قَالَ: فَقِيلَ لَهُ :يَا رَسُولَ اللهِ، بِمَ ذَاكَ؟ قَالَ :الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(ص ۱۳۲ سطر ۱۷، ۱۸)

تشریح

قوله: الخير معقوص بنواصي الخيل الخ (۱۳۲ سطر ۱۸)

(۱) ان احادیث طیبہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں: سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب في المحلل رقم الحديث ۲۲۱۵ سنن ابن ماجه كتاب الجهاد باب السبق والرهان رقم الحديث: ۲۸۷۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۹۸ تا ۳۹۱۔

یہ معنیٰ میں: الخیل معقود فی نواصیھا الخیر کے ہے، گھوڑوں کی پیشانی میں خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں ان کے ذریعے دنیا کا مالِ غنیمت اور آخرت کا اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، اور پیشانی سے مراد ذات ہے۔ (۱)

باب ما یکرہ من صفات الخیل

(گھوڑے کی ناپسندیدہ صفات کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ مِنَ الْخَيْلِ(ص ۱۳۲ سطر ۳،۴)

تشریح

قوله : کان رسول اللہ ﷺ یکرہ الشکال من الخیل الخ(ص ۱۳۳ سطر ۴)

حضور ﷺ نے "شکال" گھوڑے کو ناپسند فرمایا، "شِکال" اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے دائیں ہاتھ اور بائیں پیر میں سفیدی ہو، اور غالباً آپ ﷺ کے اس کو ناپسند فرمانے کی وجہ اس کی کمزوری ہے۔ (۲)

باب فضل الشهادة فی سبیل الله تعالیٰ

(اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت کی فضیلت کا بیان)

حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ .... حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ يَعْنِي ابْنَ سَلَّامٍ، عَنْ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَلَّامٍ،.....الخ (ص ۱۳۴ سطر ۱۲،۱۳)

تشریح

قوله: معاویة بن سلام، عن زید بن سلام، أنه سمع أبا سلام، الخ (ص ۱۳۵ سطر ۱۵)

اس روایت کی سند میں تین جگہ سلّام ہے ان کی تشریح یہ ہے کہ معاویہ بیٹے ہیں، سلّام کے، زید معاویہ کے بھائی ہیں، اور ابو سلّام ان دونوں کے دادا ہیں۔

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۳۲۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۹۸۔

باب من قتل في سبيل اللّٰه كفرت خطاياه إلا الدين

(جہاد میں شہید ہونے والے کے قرض کے سوا سب گناہ معاف ہونے کا بیان)

حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى بْنِ صَالِحٍ الْمِصْرِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ. (ص ۱۳۵ سطر ۱۵)

تشریح

قوله: القتل في سبيل اللّٰه يكفر كل شيء، إلا الدين. (ص ۱۳۵ سطر ۱۵)

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا ہر گناہ کو ختم کر دیتا ہے سوائے دین کے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے اور قتال کرنے کی وجہ سے حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں، یعنی وہ گناہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے، وہ سب معاف ہو جاتے ہیں، البتہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة، وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون

(شہداء کی روحیں جنت میں ہیں، اور انہیں اپنے رب کی طرف سے رزق دیا جانے کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ :سَأَلْنَا عَبْدَ اللهِ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ :"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ" قَالَ :أَمَا إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ :أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ........الحديث(ص ۱۳۵ سطر ۱۷ تا ۲۰)

قوله: أرواحهم في جوف طير خضر، الخ(ص ۱۳۵ سطر ۱۹)

شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے جسم میں رہتی ہیں، اور عرش کے نیچے جو قندیلیں لٹکی

ہوئی ہیں، وہاں جا کر وہ رہتے ہیں۔

مرنے کے بعد مؤمنین کی روحیں کہاں رہتی ہیں؟

یہاں یہ مسئلہ سمجھنا ضروری ہے کہ شہادت کے بعد یا طبعی موت کے بعد شہداء اور مؤمنین کی ارواح کہاں رہتی ہیں؟ اس مسئلے میں قدیماً وحدیثاً اختلاف ہے، علامہ ابن القیمؒ نے "کتاب الروح" میں اس مسئلے پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے، اور اس بارے میں سترہ (۱۷) اقوال نقل فرمائے ہیں، ان میں سے چند اقوال یہ ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ بیان فرمایا ہے کہ شہید کی روح جنت میں رہتی ہے، اور باقی مؤمنین کی ارواح جنت کے قریب رہتی ہیں، جنت کی خوشبو اور ہوا ان کو لگتی رہتی ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ مؤمنین کی روحیں اپنی قبروں کے قریب رہتی ہیں۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ انہیں اختیار ہے کہ جہاں چاہیں رہیں۔[1]

دوسری بات یہ سمجھئے کہ "فی جوف طیر خضر" سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں شارحینؒ فرماتے ہیں کہ شہید کی روح تو حقیقت میں سبز رنگ کے پرندے کے جسم میں رہتی ہے، اور وہ پرندہ جنت میں جہاں چاہتا ہے، آتا اور جاتا ہے، اور اس کا مستقر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیل ہوتی ہے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک روایت[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مؤمنین کی روحیں بھی جنت میں سبز پرندے کے جسم میں رہتی ہیں، تو پھر شہداء کی کیا خصوصیت ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تعارض نہیں، شہداء کی ارواح بطور خاص اور عام مؤمنین کی ارواح بطورِ عام جنت میں رہتی ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح پرندوں میں، اور عام مؤمنین کی ارواح پرندوں کی طرح یا خود پرندے کی شکل میں جنت میں رہتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں جاتی ہیں، اور بعض مؤمنین کی ارواح بھی جنت میں جاتی ہیں، لیکن شہداء کی ارواح کی خاص شان ہوتی ہے۔[3]

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۴ تحت هذا الحدیث۔

(۲) موطا مالک کتاب الجنائز باب جامع الجنائز رقم الحدیث: ۵۰۴۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۶۔

باب فضل الجهاد والرباط

(جہاد اور سرحدِ اسلام کی حفاظت)

گوشہ نشینی افضل ہے یا جہاد؟

اس باب کی احادیث میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی ترغیب ہے، یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ آیا عام مسلمانوں اور عام انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنا بہتر ہے، یا سب سے الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارنا بہتر ہے؟ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ سب سے الگ تھلگ رہنا بہتر ہے، لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ مل جل کر رہنا افضل ہے، اور اس باب کی احادیث جن میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا ذکر اور ترغیب ہے، ان کا تعلق فتنوں کے زمانے سے ہے، لڑائی اور جنگوں کے زمانے سے ہے، یا ان لوگوں کے بارے میں جن کو مل جل کر رہنے میں دوسروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر نہ ہو سکے، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام، اکثر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور سلف صالحینؒ ہمیشہ عام لوگوں میں مل جل کر رہتے آئے ہیں۔ (۱)

اس الگ تھلگ رہنے سے رہبانیت مراد نہیں ہے، کیونکہ رہبانیت میں حق النفس، حق الاهل اور حق العباد پامال کئے جاتے ہیں، جو کہ ناجائز ہے، اور یہاں ان حقوق کو پورا کرتے ہوئے الگ تھلگ رہنا مراد ہے، جو فی نفسہٖ جائز ہے۔ (۲)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ، رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ، كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً، أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ، يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ ــــ الحديث (ص ۱۳۶ سطر ۶ تا ۸)

تشریح

قوله : هيعة (ص ۱۳۶ سطر ۸)

الصوت عند حضور العدو، هيعة کا معنیٰ ہے، وہ آواز جو دشمن کے سامنے آنے پر بلند ہو (۳)، اس کو فزعة بھی کہتے ہیں۔

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۳۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۱۸

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۱۳۲۔

باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ___ الحديث (ص۱۳۷ سطر ۱، ۲)

تشریح

قوله: أبي الزناد (ص۱۳۷ سطر ۱)

ابو الزناد سے مراد عبداللہ بن ذکوان القرشی ہیں، یہ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں، اور "اعرج" سے مراد عبدالرحمن بن ھرمز ہیں، یہ بھی تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔(۱)

قوله: يضحک الله الیٰ رجلين الخ (ص۱۳۷ سطر ۱)

اللہ تعالیٰ کا ہنسنا متشابہات میں سے ہے، اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس کے بارے میں سکوت کیا جائے اور اس کی حقیقی مراد کیا ہے اس کی تحقیق نہ کیجائے، بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس سے جو مراد ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی کوئی مناسب تعبیر بیان کر دی جائے، اس کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ اسکی ایک مناسب تعبیر یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ ان کو اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔(۲)

باب من قتل كافرا ثم سَدَّد
(جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور صحیح راہ پر رہا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَدًا. (ص۱۳۷ سطر ۵، ۶)

تشریح

کافر اور اس کے قاتل کو جہنم میں جمع کرنے کے تین مطلب

قوله: لا يجتمع كافر وقاتله في النار أبدا. (ص۱۳۷ سطر ۶)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۹۸ وفتح الباری ج۸ ص۲۳۲، کتاب الجهاد باب الکافر یقتل المسلم۔۔۔الخ۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص۱۳۷۔

اللہ تعالیٰ کافر اور اس کے قاتل کو جہنّم میں جمع نہیں فرمائیں گے، اس کے تین مطلب ہیں:
ایک مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے کافر کو قتل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس مسلمان کے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف فرمادیں گے، اور اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو جہنّم میں داخل نہیں فرمائیں گے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا، اور اس سے توبہ بھی نہیں کی، تو اللہ تعالیٰ اس کو مقامِ اعراف میں رکھیں گے، اور وہ وہاں اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنّت میں جائے گا، اس کے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جہنّم میں کافر کے ساتھ جمع نہیں فرمائیں گے۔
تیسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان اور کافر دونوں کو دوزخ میں ڈالیں گے، لیکن دونوں کی جہنّم الگ الگ ہوگی، کیونکہ کافر کے لئے تعذیب مقصود ہے اور مؤمن کے لئے تہذیب مقصود ہے، اور یہ دونوں الگ الگ ہیں لہٰذا دونوں کی جہنم بھی الگ الگ ہے، اس طرح دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا لازم نہیں آیا۔(۱)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَوْنٍ الْهِلَالِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَجْتَمِعَانِ فِي النَّارِ اجْتِمَاعًا يَضُرُّ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ ، قِيلَ :مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ :مُؤْمِنٌ قَتَلَ كَافِرًا، ثُمَّ سَدَّدَ. (ص۱۳۷ سطر ۶ تا ۸)

تشریح

قوله: مؤمن قتل كافرا، ثم سدد (ص۱۳۷ سطر۸)

ایک اشکال اور جواب

"سدد" کا مطلب ہے، جو دین پر قائم رہا، اور گناہوں سے بچتا رہا، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر وہ دین پر قائم رہے اور گناہوں سے بچتا رہے، تو پھر بھی تو وہ جہنّم میں نہیں جائے گا، چاہے کافر کو قتل کرے یا نہ کرے، اور یہ قاعدہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ پھر اس کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب:

اس حدیث میں "سداد" سے مراد ایمان پر قائم ودائم رہنا ہے یا اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ضائع کرنے سے بچنا مراد ہے لہٰذا اگر ایسا شخص بعض حقوق العباد کی کوتاہی کی وجہ سے جہنم میں کچھ عرصے کے

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۳۷۔

لئے جائے تو جا سکتا ہے۔ کوئی اشکال کی بات نہیں۔[1]

باب فضل إعانة الغازى فى سبيل الله بمركوب وغيره، وخلافته فى أهله بخير

(مجاھد کو سواری وغیرہ فراہم کرنے اور اس کے گھر والوں کی دیکھ بھال کرنے کی فضیلت)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِى شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ أَبِى مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنِّي أُبْدِعَ بِي فَاحْمِلْنِي، فَقَالَ :مَا عِنْدِي ، فَقَالَ رَجُلٌ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَا أَدُلُّهُ عَلَى مَنْ يَحْمِلُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ (ص۱۳۷ سطر ۱۰ تا ۱۲)

تشریح

قوله: انی ابدع بی فاحملنی الخ(ص۱۳۷ سطر ۱۱)

میری سواری ہلاک ہوگئی،[2] مجھے سوار کر دیجئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِى شَيْبَةَ (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ فَتًى مِنْ أَسْلَمَ قَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرِيدُ الْغَزْوَ وَلَيْسَ مَعِي مَا أَتَجَهَّزُ، قَالَ :ائْتِ فُلَانًا، فَإِنَّهُ قَدْ كَانَ تَجَهَّزَ، فَمَرِضَ ، فَأَتَاهُ، فَقَالَ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ، وَيَقُولُ :أَعْطِنِي الَّذِى تَجَهَّزْتَ بِهِ (ص۱۳۷ سطر ۱۴ تا ۱۶)

تشریح

قوله: یا فلانة.(ص۱۳۷ سطر ۱۶)

"**فلانة**" سے مراد بیوی یا باندی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ،(الى قوله) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ:

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۲۴۔

(۲) الدیباج علی صحیح مسلم ج۴ ص۴۸۹ تحت هذا الحديث

قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا، فَقَدْ غَزَا، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ، فَقَدْ غَزَا. (ص۱۳۷ سطر ۱۹، ۲۰)

تشریح

قوله : من جهز غازيا،(ص۱۳۷ سطر ۲۰)

اس میں ثواب کے اعتبار سے فرق ہوگا[۱]، جس نے براہِ راست جہاد میں حصہ لیا، اس کا ثواب الگ ہوگا، جس نے کسی مجاہد کو تیاری کروا کر بھیجا، اس کا ثواب پہلے سے کمتر ہوگا، اور جس نے مجاہد کے گھر والوں کی خبر گیری کی، اس کا ثواب اس سے بھی کمتر ہوگا۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الى قوله) عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، مَوْلَى الْمَهْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى بَنِي لَحْيَانَ :لِيَخْرُجْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ رَجُلٌ ، ثُمَّ قَالَ لِلْقَاعِدِ :أَيُّكُمْ خَلَفَ الْخَارِجَ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ بِخَيْرٍ، كَانَ لَهُ مِثْلُ نِصْفِ أَجْرِ الْخَارِجِ. (ص۱۳۸ سطر ۳ تا ۶)

تشریح

قوله : مولى المهرى، (ص۱۳۸ سطر ۳)

ان سے مراد حضرت سالم بن عبداللہؒ ہیں، یہ تابعی ہیں[۲]، اس حدیث سے بھی واضح ہوگیا کہ جو براہِ راست جہاد میں شریک ہوگا، اس کو پورا ثواب ملے گا اور جو کسی مجاہد کی تیاری کروا کر بھیجے گا، یا کسی مجاہد کے گھر والوں کی خبر گیری کرے گا تو اس کو نصف ثواب ہوگا۔

باب حرمة نساء المجاهدين، وإثم من خانهم فيهن

(مجاہدین کی خواتین کا احترام اور خیانت کرنے کا گناہ)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِينَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۳۸۔

(۲) تهذیب الکمال للمزی ج۱۰ ص۱۵۴، رقم الترجمه: ۲۱۵۰۔

الْمُجَاهِدِينَ فِي أَهْلِهِ فَيَخُونُهُ فِيهِمْ، إِلَّا وُقِفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَأْخُذُ مِنْ عَمَلِهِ مَا شَاءَ، فَمَا ظَنُّكُمْ؟(ص۱۳۸ سطر ٦ تا۸)

تشریح

قوله: حرمة نساء المجاهدين الخ(ص۱۳۸ سطر۷)

مجاہدین کی عورتوں کا احترام جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر ایسا ہے جیسا ان کی اپنی ماؤں کا احترام ہے، جیسے اپنی ماؤں کی طرف بُری نظر سے دیکھنا ناجائز ہے، اسی طرح مجاہدین کی بیویوں کی طرف بُری نظر سے دیکھنا بھی ناجائز ہے، دوسرے یہ کہ آدمی جس طرح اپنی ماں کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے، ان کا ادب واحترام کرتا ہے، ایسے ہی مجاہدین کی عورتوں کا ادب واحترام کرے، اور ساتھ ساتھ ان کی ضروریات کا انتظام بھی کرے۔[1]

باب ثبوت الجنة للشهيد

(شہید کے لئے جنت ہے)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا، يَقُولُ :قَالَ رَجُلٌ :أَيْنَ أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ قُتِلْتُ؟ قَالَ :فِي الْجَنَّةِ ، فَأَلْقَى تَمَرَاتٍ كُنَّ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ. (ص۱۳۸ سطر۱۵، ۱۶)

تشریح

قوله: قال رجل: أين أنا يا رسول الله إن قتلت؟(ص۱۳۸ سطر۱۶)

رجل سے مراد عمرو بن ثابت الأشهلی ؓ ہیں۔[2]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِي النَّضْرِ،(الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُسَيْسَةَ عَيْنًا.__الحديث

(ص۱۳۸ سطر۲۱)

تشریح

قوله: بُسيسة (ص۱۳۸ سطر۲۱)

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۳۸۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۳۸۔

ان کا نام بسبس بن عمرو تھا،[1] "عینا" جاسوس کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ قَالَ :جَاءَ نَاسٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا :أَنِ ابْعَثْ مَعَنَا رِجَالًا يُعَلِّمُونَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ سَبْعِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، يُقَالُ لَهُمْ :الْقُرَّاءُ، فِيهِمْ خَالِي حَرَامٌ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَتَدَارَسُونَ بِاللَّيْلِ يَتَعَلَّمُونَ، وَكَانُوا بِالنَّهَارِ يَجِيئُونَ بِالْمَاءِ فَيَضَعُونَهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَيَحْتَطِبُونَ فَيَبِيعُونَهُ، وَيَشْتَرُونَ بِهِ الطَّعَامَ لِأَهْلِ الصُّفَّةِ وَلِلْفُقَرَاءِ، فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَعَرَضُوا لَهُمْ، فَقَتَلُوهُمْ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغُوا الْمَكَانَ، فَقَالُوا :اللّٰهُمَّ، بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ، وَرَضِيتَ عَنَّا، قَالَ :وَأَتَى رَجُلٌ حَرَامًا، خَالَ أَنَسٍ مِنْ خَلْفِهِ، فَطَعَنَهُ بِرُمْحٍ حَتَّى أَنْفَذَهُ، فَقَالَ حَرَامٌ: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ: إِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ قُتِلُوا، وَإِنَّهُمْ قَالُوا :اللّٰهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ، وَرَضِيتَ عَنَّا (۱۳۹ ۹ تا ۱۴)

تشریح

شهداءِ بیرِ معونہ کا واقعہ

قوله: جاء ناس الی النبی ﷺ الخ (ص ۱۳۹ سطر ۱۰)

اس حدیث میں شہداءِ بئرِ معونہ کا ذکر ہے، ان کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو ایک کافر تھا، مدینہ منورہ میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس پر اسلام کو پیش کیا اور اس کو اسلام کی دعوت دی، جس کو اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن ساتھ ہی اس نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنے چند ساتھیوں کو ہمارے قبیلے کی طرف بھیج دیں، تاکہ وہ ہمیں قرآن وسنّت کی تعلیم دیں، ہوسکتا ہے، ان کی تعلیم کے نتیجے میں ہماری قوم کے لوگ مسلمان ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اھلِ نجد کی طرف سے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں اپنے ساتھیوں کو ان کی طرف بھیجوں تو وہ انہیں قتل کر دیں گے، اس نے کہا کہ میں ان

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۳۹۔

کے ساتھ جارہا ہوں، میں ان کو اپنی پناہ میں رکھوں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے اصحابِ صفہ میں سے ستّر قرّاء کا انتخاب فرمایا، یہ سب انصاری صحابہؓ تھے، جن کو "قرّاء" کہا جاتا تھا، ان میں حضرت انسؓ کے خالو "حَرَام" بھی تھے، یہ حضرات قرآن کی تلاوت کرتے، اور راتوں کو علمِ دین سیکھنے سکھانے میں مشغول رہتے، اور دن کے وقت مساجد میں پانی لاکر رکھتے، اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچتے، اور ان پیسوں سے اصحابِ صفہ اور دیگر فقراء کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتے تھے

ان حضرات کو آپ ﷺ نے اپنا خط لکھ کر روانہ فرمایا، جب یہ حضرات بئرِ معونہ پہنچے، جو بنو عامر اور بنو سلیم کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، وہاں پہنچ کر حضرت انسؓ کے خالو **حرام بن ملحانؓ** بنو عامر کے رئیس کے پاس پہنچے، اس بدبخت نے خط لیتے ہی **حرام بن ملحان**ؓ کو قتل کردیا، اس کے بعد اس نے اپنی مدد کے لئے بنو عامر، بنو سلیم، ذکوان اور دیگر قبائل کو بلایا، بنو عامر نے اس کی مدد کرنے سے انکار کردیا، جبکہ بنو سلیم اور دیگر قبائل اس کی مدد کو آپہنچے، اور ان سب نے حملہ کرکے ان ستّر قراء کو شہید کردیا، ان حضراتؓ نے اس وقت یہ دعا کی "**اللّٰھم، بلغ عنا نبینا أنا قد لقیناک فرضینا عنک، ورضیت عنا**" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ تک اس دعا کو پہنچادیا، پھر حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو اس حادثے کی اطلاع دی۔

حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ،(الی قوله) قَالَ أَنَسٌ :عَمِّیَ الَّذِی سُمِّیتُ بِهِ لَمْ یَشْهَدْ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَدْرًا ، قَالَ: فَشَقَّ عَلَیْهِ، (الی قوله) قَالَ :فَشَهِدَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ أُحُدٍ ، قَالَ: فَاسْتَقْبَلَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، فَقَالَ لَهُ أَنَسٌ :یَا أَبَا عَمْرٍو، أَیْنَ؟ فَقَالَ :وَاهًا لِرِیحِ الْجَنَّةِ أَجِدُهُ دُونَ أُحُدٍ، قَالَ :فَقَاتَلَهُمْ حَتَّی قُتِلَ____الحدیث (ص ۱۳۹ سطر ۱۴ تا ۱۷)

قوله: عمی الذی سمیت به. (ص ۱۳۹ سطر)

میرے وہ چچا جو میرے ہم نام تھے، حضرت انسؓ کے چچا کا نام انس بن نضیرؓ تھا۔(۱)

قوله: لریح الجنة أجده دون أحد، (ص ۱۳۹ سطر ۱۷)

یا تو حقیقت میں انہیں جنت کی خوشبو آرہی تھی، یا یہ کہ انہوں نے جنت کا تصور کیا اور انہیں جنت

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۲۳۸۔

کی خوشبو محسوس ہوئی۔[1]

باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار

(جس نے ریاوسمعہ کے لئے لڑائی کی وہ مستحقِ جہنم ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ(الى قوله)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ لَهُ نَاتِلُ أَهْلِ الشَّامِ أَيُّهَا الشَّيْخُ، حَدِّثْنَا حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ،(الى قوله) وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ، وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأُتِيَ بِهِ (الى قوله) وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَأُتِيَ بِهِ (۱۴۰ سطر ۶ تا ۱۱)

تشریح

شہید، عالم وقاری اور سخی دوزخ میں

اس باب میں تین لوگوں کا حال بیان ہوا ہے،ایک شہید، دوسرا عالم وقاری اور تیسرا سخی، انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے خدمت نہ کی، جس کی وجہ سے ان کی محنت رائیگاں گئی اور یہ دوزخ میں ڈالے گئے، اس لئے ہمیں بھی اپنی نیت ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔

باب بيان قدر ثواب من غزا فغنم، ومن لم يغنم

(جس نے جہاد کیا تو مالِ غنیمت ملنے نہ ملنے کے بقدر ثواب)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا مِنْ غَازِيَةٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، تَغْزُو فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ، إِلَّا كَانُوا قَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ أُجُورِهِمْ، وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ،

---

(۱) علامہ قرطبیؒ نے المفہم میں اور علامہ سیوطیؒ نے الدیباج میں فرمایا: ظاهرة الحمل على انه وجده حقيقة كما جاء في الحديث الآخر: ان ريح الجنة توجد على مسيرة خمس مائة عام، ويحتمل ان يكون قاله على معنى التمثيل اى ان القتل دون احد موجب لدخول الجنة ولادراك ريحها ونعيمها. (المفهم ج۱۲ص۳۸ والديباج ج۴ص۴۹۷تحت هذا الحديث)

تُخْفِقُ وَتُصَابُ، إِلَّا تَمَّ أُجُورُهُمْ (ص ۱۴۰ سطر ۱۵ تا ۱۷)

تشریح

مجاہد کو تین نعمتیں ملنا

اللہ تعالیٰ مجاہد کو تین نعمتیں عطا فرماتے ہیں، جہاد کے دوران جان کی سلامتی اور مالِ غنیمت کا حصول، یہ دونوں نعمتیں دنیوی ہیں، اور تیسری نعمت جنّت ہے جو اخروی نعمت ہے، اب اگر کوئی اللہ کے راستے میں شریک ہوا، اور جان بھی بسلامت واپس آ گئی اور مالِ غنیمت بھی پایا تو دو نعمتیں اس کو پیشگی مل گئیں، جبکہ ایک نعمت آخرت کی باقی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان گئی اور مالِ غنیمت بھی نہ ملا تو اس کا پورا اجر آخرت میں ہے، دنیا کا دو تہائی اور آخرت کا ایک حصہ، سب کا سب آخرت میں ملے گا۔

اور اگر کوئی جان کی سلامتی کے ساتھ جہاد سے لوٹا اور مالِ غنیمت حاصل نہیں ہوا، تو اس کے دو عوض آخرت میں ملیں گے، ایک مالِ غنیمت کا عوض اور ایک جنّت کا عوض۔

قولہ: تخفق و تصاب الخ (ص ۱۴۰ سطر ۱۷)

"إخفاق" کے معنیٰ ہیں: بغیر مالِ غنیمت کے واپس آنا، اور "تصاب" کے معنیٰ ہیں: شہید ہونا۔ (۱)

باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية، وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال

(حضور ﷺ کا ارشاد انما الاعمال بالنیة کا مطلب اور اس میں جہاد اور دیگر تمام اعمال داخل ہیں)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، (الى قوله) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص ۳۹۸۔

مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ ــــــ الحديث (ص ۱۴۰ سطر ۱۷ تا ص ۱۴۱ سطر ۱)

تشریح

"إنما الأعمال بالنية" یہ حدیث اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک اصل ہے، اور علماءِ کرام نے اس کو ثلثِ اسلام فرمایا ہے، یعنی اسلام کے احکام کا ایک تہائی حصہ اس حدیث سے وابستہ ہے، جس کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے کہ اسلام تین چیزوں کا نام ہے:

(۱) ... قول (۲) ... فعل

(۳) ... نیت۔

چنانچہ "إنما الأعمال بالنية" یعنی نیت اسلام کا تیسرا حصہ ہے[1]، اور حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث جمع کر کے ان میں سے چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) احادیث سے "ابوداؤد شریف" مرتب کی ہے، اور ان کا خلاصہ چار حدیثیں ہیں، اس میں سے ایک حدیث "إنما الأعمال بالنية" ہے۔[2] اس طرح نیت چوتھائی حصہ ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہئے کہ وہ جو بھی عمل کرے، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرے، کیونکہ اس حدیث کا مطلب ہے "إنما الأعمال تثاب بالنية" اعمال کا ثواب نیت سے ملتا ہے۔

آگے "مہاجرِ امِّ قیس" کا مشہور واقعہ ہے، جس نے امِ قیس کے لئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔[3]

باب فضل الغزو في البحر

(سمندری جہاد کی فضیلت)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ، وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۴۰۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۳ ص۳۴۶۔

(۳) شرح النووی ج۲ ص۱۴۱۔

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَأَطْعَمَتْهُ، ثُمَّ جَلَسَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ :فَقُلْتُ :مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ :نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ، غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ، أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ -يَشُكُّ أَيُّهُمَا قَالَ ___ قَالَتْ :فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ، فَنَامَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، (الى قوله) قَالَ :أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ ، فَرَكِبَتْ أُمُّ حَرَامٍ بِنْتُ مِلْحَانَ الْبَحْرَ فِي زَمَنِ مُعَاوِيَةَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ، فَهَلَكَتْ.(ص ۱۴۱ سطر ۱۳ تا ۱۴۲ سطر ۳)

تشریح

قوله: ثَبَجَ هذا البحر.(ص ۱۴۱ سطر ۱۶)

"ثبج" کے معنٰی ہیں: وسط، درمیان۔[۱]

قوله: ملوكا على الأسرة (ص ۱۴۲ سطر ۱)

یعنی وہ ایسے ہوں گے جیسے تخت پر بادشاہ ہوتے ہیں، اس کے شارحینؒ نے تین مطلب بیان کئے ہیں:

(۱) ... ایک مطلب یہ ہے کہ یہ جنّت میں بادشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھیں گے۔

(۲) ... دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے اس سمندری جہاد میں بہت سامالِ غنیمت حاصل کریں گے، جس کی وجہ سے یہ اپنے تخت پر بادشاہوں کی طرح بیٹھیں گے۔

(۳) ... تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی کشتی میں اس طرح آرام سے بیٹھے ہوں گے جس طرح بادشاہ تخت پر آرام وسکون سے بیٹھتا ہے، یعنی ان کو کوئی ظاہری پریشانی اور گھبراہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔[۲]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اِمِ حرام بنت ملحان نے ان میں شامل ہونے کی

(۱) الديباج على صحيح مسلم ج ۴ ص ۵۰۵

(۲) تكملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۵۴۔

آنحضرت ﷺ سے دعا کروائی، آپ ﷺ نے دعا فرمادی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں حضرت ام حرام بنت ملحانؓ نے جہاد کے لئے سمندری سفر کیا واپسی میں سمندر سے نکل کر سواری پر سوار ہوئیں تو گر گئیں اور وہیں پر انتقال کر گئیں۔ جس کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے:۔

حضرت معاویہؓ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں شام کے امیر تھے، اس زمانے میں حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے دریائی سفر کی اجازت مانگی کہ مجھے اجازت دیں، تاکہ ہم سمندر میں اتر کر جہاد کریں، حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی، ان کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں شروع میں اس کی اجازت نہ دی، لیکن بار بار اصرار کرنے پر اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ آپ کسی کو اصرار کر کے ساتھ لیکر نہیں جائیں گے، کسی کو قرعہ اندازی کر کے لیکر نہیں جائیں گے، کسی کو معیّن کر کے لیکر نہیں جائیں گے، بلکہ آپ کھلے عام اعلان کر دیں، تاکہ جس کا دل چاہے اس سفر میں آپ کے ساتھ جائے اور جس کا دل نہ چاہے، وہ نہ جائے، چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حسب ھدایت اعلان فرمایا اور جمع ہونے والے ساتھیوں کو لیکر قبرص کی طرف سفر کیا[1]، جو ایک جزیرہ ہے، اس وقت وہاں کافروں کی حکومت تھی، جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو اہلِ قبرص پر مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر رُعب طاری ہوگیا، اور وہ اپنا مال واسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، وہاں سمندر سے نکل کر امّ حرام بنت ملحان سواری سے نیچے گر گئیں، اور وہیں انتقال کر گئیں۔[2]

اسی طرح ایک روایت میں قسطنطنیہ کا ذکر آتا ہے، قسطنطنیہ جس کو آج کل استنبول کہتے ہیں جو ترکی کا دارالخلافہ ہے یہ ایسا شہر ہے جس کے تین اطراف میں پانی ہے اور ایک طرف خشکی ہے، اس کی طرف بھی مسلمانوں نے کئی سفر کیے، جس میں سے ایک سفر یزید بن معاویہؓ کا بھی ہے، دریائی سفر کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے کہ جو لوگ یہ دریائی سفر کریں گے "مغفور لھم" ان کی مغفرت ہوگی[3]، اس سفر میں بہت سے صحابہ کرامؓ شریک ہوئے، جس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی ہیں، جن کا مزار آج بھی استنبول میں موجود ہے۔

---

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کرنے والوں میں حضرت ابوذر، حضرت ابودرداء اور حضرت عبادہ بن الصامت اور ان کی اھلیہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھیں۔ (عمدہ القاری کتاب الجهاد باب الدعاء بالجهاد الخ ج ۱۵ ص ۳۷۵)۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۵۵۔

(۳) صحیح البخاری کتاب الجهاد باب ما قیل فی قتال الروم رقم الحدیث: ۲۷۰۷۔

"مغفور لهم" کا مطلب یہ نہیں کہ کامل مغفرت ہو جائے گی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جہاد سے پہلے پہلے جو گناہ ہوئے تھے، وہ معاف ہو جائیں گے، اور اس جہاد کے بعد جو گناہ ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ (۱)

باب فضل الرباط فی سبیل اللّٰہ عز وجل

(سرحد کی حفاظت کی فضیلت)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ بَهْرَامَ الدَّارِمِيُّ، (الی قوله) عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ، وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ. (ص ۱۴۲ سطر ۱۱ تا ۱۳)

تشریح

قوله : "رباط" (ص ۱۴۲ سطر ۱۳)

کے معنیٰ ہیں: اپنے آپ کو روک کر رکھنا، مراد اس سے سرحد کی حفاظت کرنا ہے۔ (۲)

قوله: وأمن الفتان الخ (ص ۱۴۲ سطر ۱۳)

اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو قبر میں میت سے سوال وجواب کرتا ہے۔ (۳)

باب بیان الشهداء

(شهداء کا بیان)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا تَعُدُّونَ الشَّهِيدَ فِيكُمْ؟ قَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، قَالَ :إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذًا لَقَلِيلٌ ، قَالُوا: فَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ :مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ، قَالَ ابْنُ مِقْسَمٍ:أَشْهَدُ عَلَى أَبِيكَ فِي هَذَا

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۳۵۷ و ۳۵۸۔

(۳) لسان العرب حرف النون مادة "فتن" ۱۳/ ۳۱۷۔

(۴) المفهم للقرطبی تحت هذا الحدیث : ج ۱۲ ص ۵۸

الْحَدِیثِ (ص ۱۴۲ سطر ۱۷ تا ص ۱۴۳ سطر ۲)

تشریح

اس باب میں شہید کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ... الشهيد في الدنيا والآخرة

(۲) ... الشهيد في الآخرة۔

پہلی قسم ان شہداء کی ہے جو میدانِ جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے لئے شہداء کے دنیاوی اور اُخروی دونوں قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں، دوسری قسم ان شہداء کی ہے جو ان کے علاوہ ہیں، وہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہیں آخرت کے لحاظ سے شہید ہیں، جیسے غریق، مبطون، مطعون، حریق، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں: بیس (۲۰) ہیں، بعض کہتے ہیں: تیس (۳۰)، بعض چالیس (۴۰) اور بعض پچاس (۵۰) تک بھی کہتے ہیں۔

شہید کو شہید کہنے کی تین وجہ

شہید کو ''شہید'' کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شہید کے معنٰی ہیں زندہ، شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، گویا شہید بمعنٰی مشہود ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہید اس لئے کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت اللہ تعالٰی کے فرشتے آکر اس کو جنت اور اللہ تعالٰی کی نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں، اور عذاب سے مامون رہنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔[1]

باب فضل الرمي والحث عليه، وذم من علمه ثم نسيه

(تیر اندازی کی ترغیب وفضیلت اور جو سیکھنے کے بعد اس کو بھلا دے اس کی مذمت)

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي عَلِيٍّ ثُمَامَةَ بْنِ شُفَيٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: ''وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ''، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص ۱۲۱.

الرَّمْیُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ. (ص ۱۴۳ سطر ۶، ۷)

تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اپنے زمانے کی جو جنگی صلاحیتیں ہیں، وہ اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اوران کی تیاری رکھنی چاہئے۔

باب قوله ﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم

(حضور ﷺ کا ارشاد لاتزال الخ کا مطلب)

حَدَّثَنَا سَعِیدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِی ظَاهِرِینَ عَلَی الْحَقِّ، لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّی یَأْتِیَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ، وَلَیْسَ فِی حَدِیثِ قُتَیْبَةَ: وَهُمْ كَذٰلِكَ. (ص ۱۴۳ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

ایک جماعت جو ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اس سے مراد کون سی جماعت ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد حضرات محدثینؒ ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرات فقہاءِ کرامؒ ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں، اور امام نوویؒ نے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا ایک طبقہ مراد ہے، جس میں مفسرینؒ، محدثینؒ، فقہاء، مجاہدین، مبلغین اور وہ تمام لوگ جو دین کی صحیح خدمت کررہے ہیں، اس جماعت میں شامل ہیں، اور یہ قیامت تک رہیں گے، اور یہ حق بات کرنے میں اور حق بات پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ (۱)

حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی (الی قوله) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِی وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَزَالُ أَهْلُ الْغَرْبِ ظَاهِرِینَ عَلَی الْحَقِّ، حَتَّی تَقُومَ السَّاعَةُ. (ص ۱۴۴ سطر ۶، ۷)

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۴۳۔

تشریح

قوله : أَهْلُ الغَرْبِ الخ(ص۱۴۴ سطر۷)

اہلِ غرب سے مراد اہلِ عرب ہیں، اوران کو اہل غرب دووجہ سے کہا گیا ہے، ایک یہ کہ ''غرب'' بڑے ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ اہلِ عرب بڑا ڈول استعمال کرتے تھے اس لئے ان کو اہلِ غرب کہا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل غرب سے مراد اہلِ شام ہیں جو کہ مغرب کی طرف آباد ہیں، اس بناء پر ان کو اہلِ غرب کہا گیا۔(۱)

باب مراعاة مصلحة الدواب في السير، والنهي عن التعريس في الطريق

(چلنے کے دوران جانوروں کا خیال رکھنا اور راستہ میں آرام کرنے سے بچنا)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ، فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ، فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَإِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ، فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ. (ص۱۴۴ سطر۷ تا۹)

تشریح

قوله: الخِصْبِ(ص۱۴۲ سطر۱۰)

''خصب'' کے معنٰی ہیں سرسبزی وشادابی، اور''السنة'' کے معنٰی ہیں قحط،(۲)

باب كراهة الطروق، وهو الدخول ليلا...

(سفر سے رات میں گھر آنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ الرَّجُلُ الْغَيْبَةَ، أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُوقًا.(ص۱۴۴ سطر۱۹، ۲۰)

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۴۴۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۴۴۔

تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دیئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہوجائے یا شک وشبہ پیدا ہوجائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔ (۱)

کتاب الصید و الذبائح و ما یؤکل من الحیوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تا کہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہوجائے۔

چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کیے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ: آیت ۲۹) لہٰذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تا کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانورروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث ومضرِ صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مرجائیں، یا ان کی گردن مروڑ کر ان کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے ماردیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۴۵۔

(۲) ارشاد باری ہے: "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ" سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۰۵

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبحِ اختیاری (۲) ... ذبحِ اضطراری۔

جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔

جنگلی جانوروں کے لئے ذبحِ اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبحِ اختیاری ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصید میں "صید" سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحة کی، ذبیحة سے پالتو جانور مراد ہیں۔

"صید" کے معنٰی

کتاب الصید میں "صید" مصدر ہے صاد یصید کا، اس کے لفظی معنٰی شکار اور شکار کرنا دونوں آتے ہیں، کیونکہ "صید" بمعنٰی "مصید" ہو تو اس کے معنیٰ ہونگے: شکار، اور "صید" بمعنٰی "اصطیاد" ہو تو اس کے معنیٰ ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں "صید" اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور "ذبائح" جمع ہے "ذبیحة" کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح کرنا مراد ہے جو ذبحِ اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھار دار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے ___ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... **ما یو کل لحمه من الحیوان** سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ ___ اور پرندوں میں ذی مخلب نہ ہوں جیسے کبوتر، فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

شکار کا حکم

بوقتِ ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلا ضرورت محض دل خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ **فساد فی الارض** ہے اور جانور کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہوجائے یا شک وشبہ پیدا ہوجائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔[1]

کتاب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تاکہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہوجائے۔

چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کئے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ: آیت ۲۹) لہٰذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔[2]

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانورروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث ومضرِ صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مر جائیں، یا ان کی گردن مروڑ کر ان کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے مار دیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۴۵۔

(۲) ارشاد ربانی ہے: "واللّٰہ لایحب الفساد" سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۰۵

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبحِ اختیاری (۲) ... ذبحِ اضطراری۔

جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔

جنگلی جانوروں کے لئے ذبحِ اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبحِ اختیاری ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصید میں "صید" سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحة کی، ذبیحة سے پالتو جانور مراد ہیں۔

"صید" کے معنٰی

کتاب الصید میں "صید" مصدر ہے صاد یصید کا، اس کے لفظی معنٰی شکار اور شکار کرنا دونوں آتے ہیں، کیونکہ "صید" بمعنٰی "مصید" ہو تو اس کے معنٰی ہونگے: شکار، اور "صید" بمعنٰی "اصطیاد" ہو تو اس کے معنٰی ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں " صید" اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور "ذبائح" جمع ہے "ذبیحة" کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح کرنا مراد ہے جو ذبحِ اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھاردار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے ___ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... ما یوکل لحمه من الحیوان سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ ___ اور پرندوں میں ذی مخلب نہ ہوں جیسے کبوتر، فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

شکار کا حکم

بوقتِ ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلاضرورت محض دل خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے اور جانور کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

کرنا بھی مقصود ہو اور کھیلنا بھی مقصود ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات جیسے امام لیثؒ اور علامہ ابن الحکیمؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، جبکہ بعض حضرات نے مکروہ اور منع فرمایا ہے، جیسے حضرت امام مالکؒ۔ (۱)

ذبحِ اختیاری کی چار شرائط

ذبح اختیاری میں چار شرطیں ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) ... ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی ہو۔ ان کے علاوہ کسی اور کا ذبیحہ حرام ہوگا، جیسے ہندو، سکھ، مجوسی، دہریے وغیرہ۔ (۲)

(۲)... بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا، یہ ذبحِ اختیاری اور ذبحِ اضطراری دونوں میں ضروری ہے، اگر قصداً اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ (۳)

(۳) ... کسی دھاردار آلے سے ذبح کرنا۔ (۴)

(۴) ... جانور کے حلق کی چاروں رگیں کٹ جانا یا کم از کم تین رگیں ضرور کٹ جائیں۔ (۵)

جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تو ذبحِ اختیاری صحیح ہوگا، پھر اگر جانور ''مایؤ کل لحمه'' میں سے ہو تو اس کا گوشت پاک اور حلال ہو جائے گا، اور اگر جانور ''مالایؤ کل لحمه'' میں سے ہے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا لیکن حلال نہیں ہوگا۔ (۶)

ذبحِ اضطراری کی دو قسمیں

(۱) ... پہلی قسم یہ ہے کہ کسی دھاردار چیز سے شکار کرنا۔

(۲) ... کسی شکاری جانور یا شکاری پرندے کے ذریعے شکار کرنا۔

ان دونوں قسموں میں دو شرطیں ضروری ہیں:

اگر دھاردار آلے سے شکار کر رہے ہیں تو:

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۳۵۔

(۲) الهداية كتاب الذبائح ج۴ ص ۶۲.

(۳) الهداية كتاب الذبائح ج۴ ص۶۲ وتكملة فتح الملهم ج۳ ص ۴۸۳ و ۴۸۴

(۴) الهداية ج۴ ص۶۵ وتكملة فتح الملهم ج۳ ص ۴۸۴.

(۵) بدائع الصنائع كتاب الذبائح والصيود فصل وأما بيان شرط حل الاكل فى الحيوان الماكول ج۵ ص ۴۱.

(۶) الهداية كتاب الذبائح فصل فيما يحل اكله وما لايحل، ج۴ ص ۶۹.

(۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ دھاردار آلے کو شکار کے مارتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر مارنا۔

(۲) ... دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دھاردار آلہ دھار کی طرف سے جانور کو لگے اور اس کو زخمی کر کے اس کو مار دے، یہ اس کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔[۱]

ان دو شرطوں کے پائے جانے سے شکار حلال ہوگا، اگر دھار والی چیز جیسے چاقو وغیرہ دھار کی طرف سے نہ لگے، یا لگے تو دھار والی طرف سے، لیکن اس سے جانور زخمی ہو جائے، مرے نہیں، تو پھر جانور حلال نہ ہوگا اور اس کے حلال ہونے کے لئے ذبحِ اضطراری کافی نہیں، بلکہ ذبحِ اختیاری لازم ہے۔

اور اگر کسی شکاری جانور یا پرندے کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو اس میں بھی دو شرطیں ہیں:

(۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور یا پرندے کو شکار کی جانب روانہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا۔

(۲) ... شکاری جانور یا پرندہ جانور کو شکار کرنے کے بعد مالک کے پاس لیکر آنا، خود اس میں سے نہ کھانا، یہ اس کے لئے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔[۲]

قوله: ما يوكل من الحيوان

حیوان کے لفظ میں حلال جانور اور پرندے دونوں آگئے، لہٰذا جانوروں میں سے "سباعِ بهائم" یا "ذی ناب" نہ ہوں، اور پرندوں میں سے "ذی مخلب" نہ ہوں۔ ایسے تمام جانور اور پرندے حلال ہیں جنکی مثالیں اوپر گزریں۔

باب الصيد بالكلاب المعلمة

(سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ، فَيُمْسِكْنَ عَلَيَّ، وَأَذْكُرُ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ

---

(۱) كما جاء في حديث الباب۔

(۲) الشرط الاول ثابت من حديث الباب اى "اذا ارسلت كلبك المعلم وذكرت اسم الله عليه فكل"۔ والشرط الثاني ثابت من حديث ثالث اى "فان اكل منه فلاتأكل فانه انما امسك على نفسه"۔

فَكُلْ ، قُلْتُ :وَإِنْ قَتَلْنَ؟ قَالَ :وَإِنْ قَتَلْنَ، مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ لَيْسَ مَعَهَا قُلْتُ لَهُ :فَإِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ، فَأُصِيبُ، فَقَالَ :إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ، وَإِنْ أَصَابَهُ بِعَرْضِهِ، فَلَا تَأْكُلْهُ (ص ۱۴۵ سطر ۱ تا ۴)

تشریح

قوله: عن عدی بن حاتم، (ص ۱۴۵ سطر ۱)

عدی بن حاتمؓ مشہور حاتم طائی کے بیٹے ہیں، جو ۹ یا ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب پر تھے، حضور ﷺ کے دین سے نفرت کرتے تھے، ایک دن ان کے دل میں آیا کہ میں حضور سے جا کر ملوں، اگر آپ ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو آپ کے جھوٹ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اگر آپ سچے ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا، چنانچہ یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی، دورانِ گفتگو سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا، جس کو انہوں نے قبول کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت طویل عمر عطا فرمائی تھی، تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال ان کی عمر ہوئی، اور اسلام لانے کے بعد سے مرتے دم تک ان کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اس باب کی اکثر روایات انہی سے مروی ہیں۔ (۱)

قوله : انی ارسلت الکلاب المعلمة الخ (ص ۱۴۵ سطر ۱)

"کلاب"، جمع ہے "کلب" کی، "کلب" عربی میں کتے کو کہتے ہیں، اور حضراتِ فقہاء کرام کے نزدیک "کلب" سے ہر درندے مراد ہے۔

یوں تو ہر درندہ شکاری ہوسکتا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے شیر اور ریچھ کو شکاری بننے سے مستثنیٰ فرمایا ہے، شیر جنگل کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کسی کے لئے شکار نہیں کرتا، اور ریچھ کمینہ ہونے کی وجہ سے کسی کے تابع نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کالے کتے اور چیل کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ حدیث میں کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے، اور چیل میں کمینہ پن ہے، اور خنزیر تو ویسے ہی نجس العین ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔ (۲)

شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعے شکار اس وقت درست ہوسکتا ہے جبکہ وہ معلَّم

---

(۱) الاصابة فی معرفة الصحابة (رضی اللہ عنہم) ج ۲ ص ۴۴۲ (ترجمة عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۴۵ او تکملة فتح الملہم ج ۳ ص ۴۸۱، ۴۸۲۔

ہوں، (۱) یعنی ان کو شکار کرنا سکھایا گیا ہو۔

معلَّم اور غیر معلَّم کی تشریح

حیوان (جانور) کس وقت معلَّم اور شکاری بنتا ہے؟ اس سلسلے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ وہ شکاری جانور تین مرتبہ شکار پر روانہ کیا جائے اور تینوں مرتبہ وہ شکار مالک کو لا کر دے، خود نہ کھائے، تو سمجھا جائے گا کہ وہ معلَّم ہے، یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک اور روایت ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہی قولِ راجح ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ ظنِ غالب کا اعتبار ہوگا، جب تک اس جانور کے بارے میں یہ گمان غالب نہیں ہو جاتا کہ یہ شکار کو خود نہیں کھائے گا بلکہ مالک کے لئے لیکر آئے گا، اس وقت تک اس کو غیر معلَّم ہی کہیں گے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، جب عرف میں کسی جانور کو شکاری کہا جائے تو اس کو معلَّم سمجھا جائے گا، اور جب کسی جانور کے بارے میں کہا جائے کہ یہ شکاری نہیں ہے تو اس کو غیر معلَّم سمجھا جائے گا۔ یہ حضراتِ شوافع کا قول ہے۔

شکاری پرندے کے معلَّم ہونے کے لئے نہ کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے اور شکار تک پہنچنے سے پہلے واپس بلایا جائے تو وہ شکار چھوڑ کر واپس آجائے۔ (۲)

بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینے میں اقوال

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ذبحِ اختیاری اور ذبحِ اضطراری دونوں میں اللہ کا نام لینا ضروری ہے، جان کر چھوڑ دینے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، اگر بھول کر چھوٹ گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تفصیل ہے، ذبحِ اختیاری میں ان کا بھی وہی موقف ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، جبکہ ذبحِ اضطراری میں ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے، لہٰذا بھول کی صورت میں بھی شکار حلال نہیں ہوگا۔

---

(۱) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم الله" سورۃ المائدۃ آیت نمبر۴

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۲۸۲، ۲۸۳۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ ذبحِ اختیاری ہو، یا ذبحِ اضطراری، دونوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے، فرض و واجب نہیں، کوئی جان بوجھ کر بھی چھوڑ دے تو یہ فعل مکروہ ہے، لیکن وہ ذبیحہ اور صید حلال سمجھا جائے گا۔

جمہور کی دلیل مشہور آیت: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الأنعام: آیت ۱۲۱) ہے، اور اس کے ساتھ احادیث الباب بھی جمہور کی دلیل ہیں، کیونکہ تقریباً ہر حدیث میں "وذکرت اسم اللّٰہ" کا لفظ آیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل مشہور آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ....اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ہے، (مائدة: آیت: ۳) اس آیت میں تذکیہ مطلق ہے، جس میں بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینے کا ذکر نہیں ثابت ہوا کہ بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری نہیں۔

اس کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے "اِعلاء السنن" میں دیا ہے، کہ تذکیہ کے ایک لغوی معنیٰ ہیں الشق و القطع، پھاڑنا اور کاٹنا، اور ایک اصطلاحی معنیٰ ہیں، جو "الذبح" ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا داخل ہے، اگر لغوی معنیٰ مراد لیں تو پھر کسی جانور کو اگر کلبِ جاہل نے شکار کر کے مار دیا ہو، اور پھر کوئی بعد میں چاقو یا چھری کے ذریعے اس کو پھاڑ لے، یا اس کا گوشت کاٹ لے تو وہ بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" یہاں صادق آ رہا ہے، اسی طرح "اَلْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ میں بھی یہی صورت حال ہوگی، حالانکہ کوئی بھی ان کی حلت کا قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنیٰ مراد نہیں ہو سکتے، لہٰذا اصطلاحی معنیٰ ہی مراد ہوں گے، جس میں تسمیة اللّٰہ تعالیٰ موجود ہے۔ لہٰذا اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں۔(1)

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے پر جانور حلال ہے

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کے باوجود جانور حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل دارِ قطنی کی ایک روایت ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

(۱) اعلاء السنن کتاب الذبائح باب وجوب التسمية عند الصيد والذبح ج۱۷ ص۲۶.

عرض کیا کہ حضور! بعض مرتبہ ہم جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے منہ یعنی دل میں ہے،[1] اسی طرح کا مضمون دیگر متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بھول کی وجہ سے اللہ کا نام نہ لینے کی صورت میں ذبیحہ حلال ہے۔[2]

قولہ: ما لم یشرکھا کلب لیس معھا (ص ۱۴۵ سطر ۲)

شکاری کتے کو روانہ کرنے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی اور شکاری کتا از خود شامل ہو گیا، یا اس دوسرے کتے کا روانہ کرنے والا کوئی مسلمان یا کتابی نہیں ہے، بلکہ مجوسی یا مشرک ہے تو پھر وہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حلت اور حرمت دونوں جمع ہو گئیں، اور شکار میں حرمت اصل ہے۔ لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی۔

فائدہ: پاکی ناپاکی میں اصل پاکی ہے، جبکہ حلت و حرمت میں سے اصل حرمت ہے۔

قولہ: بالمعراض (ص ۱۴۵ سطر ۳)

"معراض" اُس تیر کو کہتے ہیں، جس کے آگے پھل اور پیچھے کے حصے میں پَر نہ ہوں، یعنی مِعراض لکڑی کی ایک لمبی سی ڈنڈی ہوتی ہے جو دو دھاری ہوتی ہے، اس کے دائیں بائیں دھار ہوتی ہے،[3] جبکہ درمیان سے موٹا ہوتا ہے، کبھی یہ تیر جاکر دھار کی طرف سے لگتا ہے، جس سے جانور زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی یہ چوڑائی کی طرف سے جاکر لگتا ہے جہاں دھار نہیں ہوتی، اس وقت جانور اس کے وزن یا موٹائی سے مرتا ہے، اس میں جانور زخمی نہیں ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تیر دھار کی طرف سے جاکر لگے تو جانور حلال ہے اور اگر چوڑائی کی طرف سے جاکر لگے تو جانور حلال نہیں ہے۔

غلیل اور بندوق کے شکار کا حکم

غلیل، قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، جبکہ بندوق متاخرین کے زمانے میں وجود میں آئی ہے، غلیل کے مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض حضرات اس کے شکار کو حلال کہتے ہیں، جبکہ اکثر علماء اور فقہاء اس کے شکار کو حرام فرماتے ہیں، کیونکہ عام طور پر اس میں مٹی کے گولے بنا کر شکار کو مارتے ہیں، ان میں کوئی دھار نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شکار اس کے وزن کے دباؤ سے

(۱) سنن الدار قطنی کتاب الاشربة وغیرها باب الصید والذبائح الخ رقم الحدیث: ۴۸۶۵۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۸۳ تا ۴۸۶۔

(۳) لسان العرب حرف الضاد مادة "عرض" ج ۷ ص ۱۶۵۔

مرتا ہے، زخمی نہیں ہوتا، اسی طرح پتھر غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں تو عام طور پر پتھر بھی بغیر دھار والے ہوتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک غلیل سے کیا ہوا شکار "موقوذۃ" کے حکم میں داخل ہے، اور حدیث میں بھی "لاتاکل من البُنْدَقِۃِ الا ما ذکّیت" کے الفاظ آئے ہیں[۱]، لہٰذا اگر غلیل وغیرہ سے کوئی جانور شکار کیا تو جب تک اس کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح نہ کرلیں، اس وقت تک حلال نہیں۔

بندوق کی گولی بھی چونکہ عموماً گول ہوتی ہے، لہٰذا اس کے ذریعے کیا جانے والا شکار بھی حلال نہیں بلکہ وہ غلیل کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے حکم میں ہے، غرضکہ وہ "موقوذۃ" کے حکم میں داخل ہے، کیونکہ بندوق کی گولیاں خواہ کیسی ہی ہوں، یہ شکار کو کاٹتی نہیں ہیں بلکہ اپنے دھکے، وزن اور زور کی وجہ سے اس کو کوٹتی اور پھاڑتی ہیں، لہٰذا اس کے ذریعے مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا، خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی غلیل اور بندوق چلائی ہو، کیونکہ اس میں دوسری شرط یعنی کاٹنا نہیں پائی جارہی۔

تاہم بندوق کے بارے میں علماءِ متاخرین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور پھر علماءِ عرب اور علماءِ غیر عرب دونوں میں اختلاف ہے، لیکن الحمدللہ! ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے اکابرین وفقہاءؒ کا اتفاق ہے کہ بندوق کے ذریعے سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔

البتہ اگر گولی دھار دار ہو، جیسا کہ اس طرح کی گولیاں بھی اب تیار ہوگئی ہیں جن میں نوک اور دھار ہوتی ہے، لہٰذا دھار دار گولی کے ذریعے اگر شکار کیا جائے تو اس کا حکم ایسے ہی ہوگا جیسا کہ چھری، تلوار یا تیر کے ذریعے شکار کیا جائے۔[۲] یعنی اگر بسم اللہ، اللہ اکبر کہکر اگر اگر دھار دار گولی سے کوئی جانور شکار کیا اور وہ گولی لگنے سے مرگیا تو وہ حلال ہوگا۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ:(الی قوله) وَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَلْبِ، فَقَالَ :إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ، فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ ، قُلْتُ :فَإِنْ وَجَدْتُ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا آخَرَ، فَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ :فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ،

---

(۱) مسند احمد، بقية حديث عدى بن حاتم رضى الله تعالىٰ، رقم الحديث: ۱۸۵۸۱۔

(۲) تكملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۸۸ تا ۴۹۱۔

الْحَدِیثِ (ص ۱۴۲ سطر ۱۷ تا ص ۱۴۳ سطر ۲)

تشریح

اس باب میں شہید کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ... **الشهيد في الدنيا والآخرة**

(۲) ... **الشهيد في الآخرة۔**

پہلی قسم ان شہداء کی ہے جو میدانِ جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے لئے شہداء کے دنیاوی اور اُخروی دونوں قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں، دوسری قسم ان شہداء کی ہے جو ان کے علاوہ ہیں، وہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہیں آخرت کے لحاظ سے شہید ہیں، جیسے غریق، مبطون، مطعون، حریق، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں: بیس (۲۰) ہیں، بعض کہتے ہیں: تیس (۳۰)، بعض چالیس (۴۰) اور بعض پچاس (۵۰) تک بھی کہتے ہیں۔

شہید کو شہید کہنے کی تین وجہ

شہید کو "شہید" کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شہید کے معنٰی ہیں زندہ، شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، گویا شہید بمعنٰی مشہود ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہید اس لئے کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے آ کر اس کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں، اور عذاب سے مامون رہنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ (۱)

باب فضل الرمي والحث عليه، وذم من علمه ثم نسيه

(تیر اندازی کی ترغیب وفضیلت اور جو سیکھنے کے بعد اس کو بھلا دے اس کی مذمت)

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الى قوله) عَنْ أَبِي عَلِيٍّ ثُمَامَةَ بْنِ شُفَيٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: "وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ"، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۶۱۔

الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ. (ص ۱۴۳ سطر ۶، ۷)

تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اپنے زمانے کی جو جنگی صلاحیتیں ہیں، وہ اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اور ان کی تیاری رکھنی چاہئے۔

باب قوله ﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم

(حضور ﷺ کا ارشاد لاتزال الخ کا مطلب)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَلِكَ ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ قُتَيْبَةَ: وَهُمْ كَذَلِكَ. (ص ۱۴۳ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

ایک جماعت جو ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اس سے مراد کون سی جماعت ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد حضرات محدثینؒ ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرات فقہاءِ کرامؒ ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں، اور امام نوویؒ نے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا ایک طبقہ مراد ہے، جس میں مفسرینؒ، محدثینؒ، فقہاء، مجاہدین، مبلّغین اور وہ تمام لوگ جو دین کی صحیح خدمت کر رہے ہیں، اس جماعت میں شامل ہیں، اور یہ قیامت تک رہیں گے، اور یہ حق بات کرنے میں اور حق بات پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ (۱)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (الی قوله) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَزَالُ أَهْلُ الْغَرْبِ ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. (ص ۱۴۴ سطر ۶، ۷)

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۴۳۔

تشریح

قولہ : أَهْلُ الْغَرْبِ الخ(ص ۱۴۴ سطر ۷)

اہلِ غرب سے مراد اہلِ عرب ہیں، اور ان کو اہل غرب دو وجہ سے کہا گیا ہے، ایک یہ کہ ''غرب'' بڑے ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ اہلِ عرب بڑا ڈول استعمال کرتے تھے اس لئے ان کو اہلِ غرب کہا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل غرب سے مراد اہلِ شام ہیں جو کہ مغرب کی طرف آباد ہیں، اس بناء پر ان کو اہلِ غرب کہا گیا۔[۱]

باب مراعاة مصلحة الدواب في السير، والنهي عن التعريس في الطريق

(چلنے کے دوران جانوروں کا خیال رکھنا اور راستہ میں آرام کرنے سے بچنا)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ، فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ، فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَإِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ، فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ. (ص ۱۴۴ سطر ۷ تا ۹)

تشریح

قولہ: الخِصْب(ص ۱۴۲ سطر ۱۰)

''خصب'' کے معنٰی ہیں سرسبزی وشادابی، اور ''السنة'' کے معنٰی ہیں قحط،[۲]

باب كراهة الطروق، وهو الدخول ليلا...

(سفر سے رات میں گھر آنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، (الی قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ الرَّجُلُ الْغَيْبَةَ، أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُوقًا. (ص ۱۴۴ سطر ۱۹، ۲۰)

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۴۴۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۴۴۔

تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے یا شک وشبہ پیدا ہو جائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔ (۱)

کتاب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تاکہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کئے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة: آیت ۲۹) لہٰذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانوروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث ومضرِ صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مر جائیں، یا ان کی گردن مروڑ کر ان کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے مار دیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۴۵۔

(۲) ارشاد ربانی ہے: "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ" سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۰۵

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبحِ اختیاری (۲) ... ذبحِ اضطراری۔

جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔

جنگلی جانوروں کے لئے ذبحِ اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبحِ اختیاری ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصید میں "صید" سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحة کی، ذبیحة سے پالتو جانور مراد ہیں۔

"صید" کے معنٰی

کتاب الصید میں "صید" مصدر ہے صاد یصید کا، اس کے لفظی معنٰی شکار اور شکار کرنا دونوں آتے ہیں، کیونکہ "صید" بمعنٰی "مصید" ہو تو اس کے معنٰی ہونگے: شکار، اور "صید" بمعنٰی "اصطیاد" ہو تو اس کے معنٰی ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں "صید" اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور "ذبائح" جمع ہے "ذبیحة" کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح کرنا مراد ہے جو ذبحِ اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھاردار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے ___ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... ما یو کل لحمه من الحیوان سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ ___ اور پرندوں میں ذی مخلب نہ ہوں جیسے کبوتر، فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

شکار کا حکم

بوقتِ ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلا ضرورت محض دل خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے اور جانور کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

کرنا بھی مقصود ہو اور کھیلنا بھی مقصود ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات جیسے امام لیثؒ اور علامہ ابن الحکیمؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، جبکہ بعض حضرات نے مکروہ اور منع فرمایا ہے، جیسے حضرت امام مالکؒ۔ (۱)

ذبحِ اختیاری کی چار شرائط

ذبح اختیاری میں چار شرطیں ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) ... ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی ہو۔ ان کے علاوہ کسی اور کا ذبیحہ حرام ہوگا، جیسے ہندو، سکھ، مجوسی، دہریے وغیرہ۔ (۲)

(۲)... بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا، یہ ذبحِ اختیاری اور ذبحِ اضطراری دونوں میں ضروری ہے، اگر قصداً اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ (۳)

(۳) ... کسی دھاردار آلے سے ذبح کرنا۔ (۴)

(۴) ... جانور کے حلق کی چاروں رگیں کٹ جانا یا کم از کم تین رگیں ضرور کٹ جائیں۔ (۵)

جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تو ذبحِ اختیاری صحیح ہوگا، پھر اگر جانور ''مایؤ کل لحمہ'' میں سے ہو تو اس کا گوشت پاک اور حلال ہو جائے گا، اور اگر جانور ''مالا یؤ کل لحمہ'' میں سے ہے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا لیکن حلال نہیں ہوگا۔ (۶)

ذبحِ اضطراری کی دو قسمیں

(۱) ... پہلی قسم یہ ہے کہ کسی دھاردار چیز سے شکار کرنا۔

(۲) ... کسی شکاری جانور یا شکاری پرندے کے ذریعے شکار کرنا۔

ان دونوں قسموں میں دو شرطیں ضروری ہیں:

اگر دھاردار آلے سے شکار کر رہے ہیں تو:

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۴۵۔

(۲) الهداية كتاب الذبائح ج۴ ص ۶۲.

(۳) الهداية كتاب الذبائح ج۴ ص۶۲ وتكملة فتح الملهم ج۳ ص ۴۸۳ و ۴۸۴

(۴) الهداية ج٤ ص٦٥ وتكملة فتح الملهم ج۳ ص ۴۸۴.

(۵) بدائع الصنائع كتاب الذبائح والصيود فصل وأما بيان شرط حل الاكل في الحيوان المأكول ج۵ ص ۴۱.

(۶) الهداية كتاب الذبائح فصل فيما يحل اكله وما لا يحل، ج۴ ص ۶۹.

(۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ دھاردار آلے کو شکار کے مارتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر مارنا۔

(۲) ... دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دھاردار آلہ دھار کی طرف سے جانور کو لگے اور اس کو زخمی کر کے اس کو مار دے، یہ اس کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔ (۱)

ان دو شرطوں کے پائے جانے سے شکار حلال ہوگا، اگر دھار والی چیز جیسے چاقو وغیرہ دھار کی طرف سے نہ لگے، یا لگے تو دھار والی طرف سے، لیکن اس سے جانور زخمی ہو جائے، مرے نہیں، تو پھر جانور حلال نہ ہوگا اور اس کے حلال ہونے کے لئے ذبحِ اضطراری کافی نہیں، بلکہ ذبحِ اختیاری لازم ہے۔

اور اگر کسی شکاری جانور یا پرندے کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو اس میں بھی دو شرطیں ہیں:

(۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور یا پرندے کو شکار کی جانب روانہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا۔

(۲) ... شکاری جانور یا پرندہ جانور کو شکار کرنے کے بعد مالک کے پاس لیکر آنا، خود اس میں سے نہ کھانا، یہ اس کے لئے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔ (۲)

قوله: ما يوكل من الحيوان

حیوان کے لفظ میں حلال جانور اور پرندے دونوں آگئے، لہٰذا جانوروں میں سے "سباعِ بهائم" یا "ذی ناب" نہ ہوں، اور پرندوں میں سے "ذی مخلب" نہ ہوں۔ ایسے تمام جانور اور پرندے حلال ہیں جنکی مثالیں اوپر گزریں۔

باب الصيد بالكلاب المعلمة

(سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ،(الی قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ، فَيُمْسِكْنَ عَلَيَّ، وَأَذْكُرُ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ، فَقَالَ :إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ

---

(۱) كما جاء في حديث الباب۔

(۲) الشرط الاول ثابت من حديث الباب اي "اذا ارسلت كلبك المعلم و ذكرت اسم الله عليه فكل"۔ والشرط الثاني ثابت من حديث ثالث اي "فان اكل منه فلاتأكل فانه انما امسك على نفسه۔

فَكُلْ ، قُلْتُ :وَإِنْ قَتَلْنَ؟ قَالَ :وَإِنْ قَتَلْنَ، مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ لَيْسَ مَعَهَا قُلْتُ لَهُ :فَإِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ، فَأُصِيبُ، فَقَالَ :إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ، وَإِنْ أَصَابَهُ بِعَرْضِهِ، فَلَا تَأْكُلْهُ (ص۱۴۵ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

قوله: عن عدی بن حاتم،(ص۱۴۵ سطر ۱)

عدی بن حاتمؓ مشہور حاتم طائی کے بیٹے ہیں، جو ۹ یا ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب پر تھے، حضور ﷺ کے دین سے نفرت کرتے تھے، ایک دن ان کے دل میں آیا کہ میں حضور سے جا کر ملوں، اگر آپ ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو آپ کے جھوٹ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اگر آپ سچے ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا، چنانچہ یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی، دورانِ گفتگو سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا، جس کو انہوں نے قبول کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت طویل عمر عطا فرمائی تھی، تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال ان کی عمر ہوئی، اور اسلام لانے کے بعد سے مرتے دم تک ان کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اس باب کی اکثر روایات انہی سے مروی ہیں۔(۱)

قوله : انی ارسلت الکلاب المعلمة الخ (ص۱۴۵ سطر ۱)

"کلاب" جمع ہے "کلب" کی، "کلب" عربی میں کتے کو کہتے ہیں، اور حضراتِ فقہاء کرام کے نزدیک "کلب" سے ہر درندے مراد ہے۔

یوں تو ہر درندہ شکاری ہوسکتا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے شیر اور ریچھ کو شکاری بننے سے مستثنیٰ فرمایا ہے، شیر جنگل کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کسی کے لئے شکار نہیں کرتا، اور ریچھ کمینہ ہونے کی وجہ سے کسی کے تابع نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کالے کتے اور چیل کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ حدیث میں کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے، اور چیل میں کمینہ پن ہے، اور خنزیر تو ویسے ہی نجس العین ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔(۲)

شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعے شکار اس وقت درست ہوسکتا ہے جبکہ وہ معلَّم

---

(۱) الاصابة فی معرفة الصحابة (رضی اللہ عنہم) ج۲ص۲۴۲ (ترجمة عدی بن حاتم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ)

(۲) شرح النوویؒ ج۲ص۱۴۵ او تکملة فتح الملہم ج۳ ص ۳۸۱، ۳۸۲.

ہوں، [(۱)] یعنی ان کو شکار کرنا سکھایا گیا ہو۔

معلَّم اور غیر معلَّم کی تشریح

حیوان (جانور) کس وقت معلَّم اور شکاری بنتا ہے؟ اس سلسلے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ وہ شکاری جانور تین مرتبہ شکار پر روانہ کیا جائے اور تینوں مرتبہ وہ شکار مالک کو لاکر دے، خود نہ کھائے، تو سمجھا جائے گا کہ وہ معلَّم ہے، یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک اور روایت ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہی قولِ راجح ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ ظنِ غالب کا اعتبار ہوگا، جب تک اس جانور کے بارے میں یہ گمان غالب نہیں ہو جاتا کہ یہ شکار کو خود نہیں کھائے گا بلکہ مالک کے لئے لیکر آئے گا، اس وقت تک اس کو غیر معلَّم ہی کہیں گے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، جب عرف میں کسی جانور کو شکاری کہا جائے تو اس کو معلَّم سمجھا جائے گا، اور جب کسی جانور کے بارے میں کہا جائے کہ یہ شکاری نہیں ہے تو اس کو غیر معلَّم سمجھا جائے گا۔ یہ حضراتِ شوافع کا قول ہے۔

شکاری پرندے کے معلَّم ہونے کے لئے نہ کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے اور شکار تک پہنچنے سے پہلے واپس بلایا جائے تو وہ شکار چھوڑ کر واپس آجائے۔ [(۲)]

بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینے میں اقوال

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ذبحِ اختیاری اور ذبحِ اضطراری دونوں میں اللہ کا نام لینا ضروری ہے، جان کر چھوڑ دینے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، اگر بھول کر چھوٹ گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تفصیل ہے، ذبحِ اختیاری میں ان کا بھی وہی مؤقف ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، جبکہ ذبحِ اضطراری میں ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے، لہٰذا بھول کی صورت میں بھی شکار حلال نہیں ہوگا۔

---

(۱) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم اللّٰہ" سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۴

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۲، ۲۸۳۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ ذبحِ اختیاری ہو، یا ذبحِ اضطراری، دونوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنّت ہے، فرض و واجب نہیں، کوئی جان بوجھ کر بھی چھوڑ دے تو یہ فعل مکروہ ہے، لیکن وہ ذبیحہ اور صید حلال سمجھا جائے گا۔

جمہور کی دلیل مشہور آیت: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الأنعام: آیت ۱۲۱) ہے، اور اس کے ساتھ احادیث الباب بھی جمہور کی دلیل ہیں، کیونکہ تقریباً ہر حدیث میں "وذکرت اسم اللّٰہ" کا لفظ آیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل مشہور آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ.... اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ہے، (مائدۃ: آیت: ۳) اس آیت میں تذکیہ مطلق ہے، جس میں بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینے کا ذکر نہیں ثابت ہوا کہ بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری نہیں۔

اس کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے "اِعلاء السنن" میں دیا ہے، کہ تذکیہ کے ایک لغوی معنیٰ ہیں الشق و القطع، پھاڑنا اور کاٹنا، اور ایک اصطلاحی معنیٰ ہیں، جو "الذبح" ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا داخل ہے، اگر لغوی معنیٰ مراد لیں تو پھر کسی جانور کو اگر کلب جاہل نے شکار کر کے مار دیا ہو، اور پھر کوئی بعد میں چاقو یا چھری کے ذریعے اس کو پھاڑ لے، یا اس کا گوشت کاٹ لے تو وہ بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" یہاں صادق آرہا ہے، اسی طرح "اَلْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ" میں بھی یہی صورت حال ہوگی، حالانکہ کوئی بھی ان کی حلت کا قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنیٰ مراد نہیں ہوسکتے، لہٰذا اصطلاحی معنیٰ ہی مراد ہوں گے، جس میں تسمیۃ اللّٰہ تعالیٰ موجود ہے۔ لہٰذا اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں۔ (۱)

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے پر جانور حلال ہے

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کے باوجود جانور حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل دارِ قطنی کی ایک روایت ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

---

(۱) اعلاء السنن کتاب الذبائح باب وجوب التسمية عند الصيد والذبح ج۱۷ ص ۶۲.

عرض کیا کہ حضور! بعض مرتبہ ہم جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے منہ یعنی دل میں ہے، (۱) اسی طرح کا مضمون دیگر متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بھول کی وجہ سے اللہ کا نام نہ لینے کی صورت میں ذبیحہ حلال ہے۔ (۲)

قوله: ما لم يشركها كلب ليس معها (ص ۱۴۵ سطر ۲)

شکاری کتے کو روانہ کرنے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی اور شکاری کتا از خود شامل ہو گیا، یا اس دوسرے کتے کا روانہ کرنے والا کوئی مسلمان یا کتابی نہیں ہے، بلکہ مجوسی یا مشرک ہے تو پھر وہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حلّت اور حرمت دونوں جمع ہو گئیں، اور شکار میں حرمت اصل ہے۔ لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی۔

فائدہ: پاکی ناپاکی میں اصل پاکی ہے، جبکہ حلّت و حرمت میں سے اصل حرمت ہے۔

قوله: بالمعراض (ص ۱۴۵ سطر ۳)

"معراض" اُس تیر کو کہتے ہیں، جس کے آگے پھل اور پیچھے کے حصے میں پَر نہ ہوں، یعنی مِعراض لکڑی کی ایک لمبی سی ڈنڈی ہوتی ہے جو دو دھاری ہوتی ہے، اس کے دائیں بائیں دھار ہوتی ہے، (۳) جبکہ درمیان سے موٹا ہوتا ہے، کبھی یہ تیر جا کر دھار کی طرف سے لگتا ہے، جس سے جانور زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی یہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے جہاں دھار نہیں ہوتی، اس وقت جانور اس کے وزن یا موٹائی سے مرتا ہے، اس میں جانور زخمی نہیں ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تیر دھار کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال ہے اور اگر چوڑائی کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال نہیں ہے۔

غلیل اور بندوق کے شکار کا حکم

غلیل، قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، جبکہ بندوق متاخرین کے زمانے میں وجود میں آئی ہے، غلیل کے مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض حضرات اس کے شکار کو حلال کہتے ہیں، جبکہ اکثر علماء اور فقہاء اس کے شکار کو حرام فرماتے ہیں، کیونکہ عام طور پر اس میں مٹی کے گولے بنا کر شکار کو مارتے ہیں، ان میں کوئی دھار نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شکار اس کے وزن کے دباؤ سے

---

(۱) سنن الدار قطني كتاب الأشربة وغيرها باب الصيد والذبائح الخ رقم الحديث: ۴۸٦۵.

(۲) تكملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۸۳ تا ۴۸٦.

(۳) لسان العرب حرف الضاد مادة "عرض" ج ۷ ص ۱۲۵.

مرتا ہے، زخمی نہیں ہوتا، اسی طرح پتھر غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں تو عام طور پر پتھر بھی بغیر دھار والے ہوتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک غلیل سے کیا ہوا شکار "موقوذة" کے حکم میں داخل ہے، اور حدیث میں بھی "لاتأکل من البُنْدَقَةِ الا ما ذکّیتَ" کے الفاظ آئے ہیں[1]، لہٰذا اگر غلیل وغیرہ سے کوئی جانور شکار کیا تو جب تک اس کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح نہ کرلیں، اس وقت تک حلال نہیں۔

بندوق کی گولی بھی چونکہ عموماً گول ہوتی ہے، لہٰذا اس کے ذریعے کیا جانے والا شکار بھی حلال نہیں بلکہ وہ غلیل کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے حکم میں ہے، غرضکہ وہ "موقوذة" کے حکم میں داخل ہے، کیونکہ بندوق کی گولیاں خواہ کیسی ہی ہوں، یہ شکار کو کاٹتی نہیں ہیں بلکہ اپنے دھکے، وزن اور زور کی وجہ سے اس کو کوٹتی اور پھاڑتی ہیں، لہٰذا اس کے ذریعے مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا، خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی غلیل اور بندوق چلائی ہو، کیونکہ اس میں دوسری شرط یعنی کاٹنا نہیں پائی جارہی۔

تاہم بندوق کے بارے میں علماءِ متأخرین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور پھر علماءِ عرب اور علماءِ غیر عرب دونوں میں اختلاف ہے، لیکن الحمدللہ! ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے اکابرین وفقہاءؒ کا اتفاق ہے کہ بندوق کے ذریعے سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔

البتہ اگر گولی دھاردار ہو، جیسا کہ اس طرح کی گولیاں بھی اب تیار ہوگئی ہیں جن میں نوک اور دھار ہوتی ہے، لہٰذا دھاردار گولی کے ذریعے اگر شکار کیا جائے تو اس کا حکم ایسے ہی ہوگا جیسا کہ چھری، تلوار یا تیر کے ذریعے شکار کیا جائے۔[2] یعنی اگر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اگر دھاردار گولی سے کوئی جانور شکار کیا اور وہ گولی لگنے سے مرگیا تو وہ حلال ہوگا۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنبَرِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ:(الی قوله) وَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَلْبِ، فَقَالَ :إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ، فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ ، قُلْتُ :فَإِنْ وَجَدْتُ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا آخَرَ، فَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ :فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ،

(۱) مسند احمد، بقية حديث عدى بن حاتم رضى الله تعالى، رقم الحديث: ۱۸۵۸۱۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۸۸ تا ۴۹۱۔

الْحَدِيثِ (ص ۱۴۲ سطر ۱۷ تا ص ۱۴۳ سطر ۲)

تشریح

اس باب میں شہید کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ... الشهيد في الدنيا والآخرة

(۲) ... الشهيد في الآخرة۔

پہلی قسم ان شہداء کی ہے جو میدانِ جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے لئے شہداء کے دنیاوی اور اُخروی دونوں قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں، دوسری قسم ان شہداء کی ہے جو ان کے علاوہ ہیں، وہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہیں آخرت کے لحاظ سے شہید ہیں، جیسے غریق، مبطون، مطعون، حریق، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں: بیس (۲۰) ہیں، بعض کہتے ہیں: تیس (۳۰)، بعض چالیس (۴۰) اور بعض پچاس (۵۰) تک بھی کہتے ہیں۔

شہید کو شہید کہنے کی تین وجہ

شہید کو "شہید" کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شہید کے معنٰی ہیں زندہ، شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، گویا شہید بمعنٰی مشہود ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہید اس لئے کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے آکر اس کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں، اور عذاب سے مامون رہنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ [1]

باب فضل الرمي والحث عليه، وذم من علمه ثم نسيه

(تیر اندازی کی ترغیب وفضیلت اور جو سیکھنے کے بعد اس کو بھلا دے اس کی مذمت)

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الى قوله) عَنْ أَبِي عَلِيٍّ ثُمَامَةَ بْنِ شُفَيٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: "وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ"، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۲ ص ۱۶۱۔

الرَّمْیُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ. (ص ۱۴۳ سطر ۶، ۷)

تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اپنے زمانے کی جو جنگی صلاحیتیں ہیں، وہ اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اور ان کی تیاری رکھنی چاہیے۔

باب قوله ﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم

(حضور ﷺ کا ارشاد لاتزال الخ کا مطلب)

حَدَّثَنَا سَعِیدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَلِكَ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ قُتَيْبَةَ: وَهُمْ كَذَلِكَ. (ص ۱۴۳ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

ایک جماعت جو ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اس سے مراد کون سی جماعت ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد حضرات محدثینؒ ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرات فقہاءِ کرامؒ ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں، اور امام نوویؒ نے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا ایک طبقہ مراد ہے، جس میں مفسرینؒ، محدثینؒ، فقہاء، مجاہدین، مبلغین اور وہ تمام لوگ جو دین کی صحیح خدمت کررہے ہیں، اس جماعت میں شامل ہیں، اور یہ قیامت تک رہیں گے، اور یہ حق بات کرنے میں اور حق بات پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ (۱)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (الی قوله) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ أَهْلُ الْغَرْبِ ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. (ص ۱۴۴ سطر ۶، ۷)

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۴۳۔

تشریح

قوله : أَهْلُ الغَرْبِ الخ(ص ۱۴۴ سطر ۷)

اہلِ غرب سے مراد اہلِ عرب ہیں، اور ان کو اہلِ غرب دو وجہ سے کہا گیا ہے، ایک یہ کہ ''غرب'' بڑے ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ اہلِ عرب بڑا ڈول استعمال کرتے تھے اس لئے ان کو اہلِ غرب کہا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل غرب سے مراد اہلِ شام ہیں جو کہ مغرب کی طرف آباد ہیں، اس بناء پر ان کو اہلِ غرب کہا گیا۔[1]

باب مراعاة مصلحة الدواب في السير، والنهي عن التعريس في الطريق

(چلنے کے دوران جانوروں کا خیال رکھنا اور راستہ میں آرام کرنے سے بچنا)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ، فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ، فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَإِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ، فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ. (ص ۱۴۴ سطر ۷ تا ۹)

تشریح

قوله: الخِصْبِ(ص ۱۴۲ سطر ۱۰)

''خصب'' کے معنی ہیں سرسبزی وشادابی، اور ''السنة'' کے معنی ہیں قحط،[2]

باب كراهة الطروق، وهو الدخول ليلا...

(سفر سے رات میں گھر آنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ الرَّجُلُ الْغَيْبَةَ، أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُوقًا.(ص ۱۴۴ سطر ۱۹، ۲۰)

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۴۴۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص۱۴۴۔

تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دیئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہوجائے یا شک وشبہ پیدا ہوجائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔ (۱)

کتاب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تاکہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہوجائے۔

چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کئے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ: آیت ۲۹) لہٰذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانوروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث و مضرِ صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مرجائیں، یا ان کی گردن مروڑ کر ان کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے ماردیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۴۵۔

(۲) ارشاد ربانی ہے: "واللہ لایحب الفساد" سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۰۵

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبحِ اختیاری (۲) ... ذبحِ اضطراری۔

جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔

جنگلی جانوروں کے لئے ذبحِ اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبحِ اختیاری ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصید میں "صید" سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحۃ کی، ذبیحۃ سے پالتو جانور مراد ہیں۔

"صید" کے معنیٰ

کتاب الصید میں "صید" مصدر ہے صاد یصید کا، اس کے لفظی معنیٰ شکار اور شکار کرنا دونوں آتے ہیں، کیونکہ "صید" بمعنیٰ "مصید" ہو تو اس کے معنیٰ ہونگے: شکار، اور "صید" بمعنیٰ "اصطیاد" ہو تو اس کے معنیٰ ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں "صید" اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور "ذبائح" جمع ہے "ذبیحۃ" کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح کرنا مراد ہے جو ذبحِ اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھاردار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے ـــــ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... ما یوکل لحمہ من الحیوان سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ ـــ اور پرندوں میں ذی مخلب نہ ہوں جیسے کبوتر، فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

شکار کا حکم

بوقتِ ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلا ضرورت محض دل خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے اور جانور کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

کرنا بھی مقصود ہو اور کھیلنا بھی مقصود ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات جیسے امام لیثؒ اور علامہ ابن الحکیمؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، جبکہ بعض حضرات نے مکروہ اور منع فرمایا ہے، جیسے حضرت امام مالکؒ۔ (۱)

ذبحِ اختیاری کی چار شرائط

ذبحِ اختیاری میں چار شرطیں ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) ... ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی ہو۔ ان کے علاوہ کسی اور کا ذبیحہ حرام ہوگا، جیسے ہندو، سکھ، مجوسی، دہریے وغیرہ۔ (۲)

(۲) ... بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کرنا، یہ ذبحِ اختیاری اور ذبحِ اضطراری دونوں میں ضروری ہے، اگر قصداً اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ (۳)

(۳) ... کسی دھاردار آلے سے ذبح کرنا۔ (۴)

(۴) ... جانور کے حلق کی چاروں رگیں کٹ جانا یا کم از کم تین رگیں ضرور کٹ جائیں۔ (۵)

جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تو ذبحِ اختیاری صحیح ہوگا، پھر اگر جانور ''مایؤ کل لحمہ'' میں سے ہو تو اس کا گوشت پاک اور حلال ہو جائے گا، اور اگر جانور ''مالایؤ کل لحمہ'' میں سے ہے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا لیکن حلال نہیں ہوگا۔ (۶)

ذبحِ اضطراری کی دو قسمیں

(۱) ... پہلی قسم یہ ہے کہ کسی دھاردار چیز سے شکار کرنا۔

(۲) ... کسی شکاری جانور یا شکاری پرندے کے ذریعے شکار کرنا۔

ان دونوں قسموں میں دو شرطیں ضروری ہیں:

اگر دھاردار آلے سے شکار کر رہے ہیں تو:

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۴۵۔

(۲) الهداية كتاب الذبائح ج۴ ص ۶۲.

(۳) الهداية كتاب الذبائح ج۴ ص۶۲ وتكملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۸۳ و ۴۸۴

(۴) الهداية ج ٤ ص ٦٥ وتكملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۸۴.

(۵) بدائع الصنائع كتاب الذبائح والصيود فصل وأما بيان شرط حل الاكل فى الحيوان المأكول ج۵ ص ۴۱.

(۶) الهداية كتاب الذبائح فصل فيما يحل اكله وما لايحل، ج۴ ص ۶۹.

(۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ دھاردار آلے کو شکار کے مارتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر مارنا۔

(۲) ... دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دھاردار آلہ دھار کی طرف سے جانور کو لگے اور اس کو زخمی کر کے اس کو مار دے، یہ اس کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔[۱]

ان دو شرطوں کے پائے جانے سے شکار حلال ہوگا، اگر دھار والی چیز جیسے چاقو وغیرہ دھار کی طرف سے نہ لگے، یا لگے تو دھار والی طرف سے، لیکن اس سے جانور زخمی ہو جائے، مرے نہیں، تو پھر جانور حلال نہ ہوگا اور اس کے حلال ہونے کے لئے ذبحِ اضطراری کافی نہیں، بلکہ ذبحِ اختیاری لازم ہے۔

اور اگر کسی شکاری جانور یا پرندے کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو اس میں بھی دو شرطیں ہیں:

(۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور یا پرندے کو شکار کی جانب روانہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا۔

(۲) ... شکاری جانور یا پرندہ جانور کو شکار کرنے کے بعد مالک کے پاس لیکر آنا، خود اس میں سے نہ کھانا، یہ اس کے لئے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔[۲]

قوله: ما يوكل من الحيوان

حیوان کے لفظ میں حلال جانور اور پرندے دونوں آگئے، لہٰذا جانوروں میں سے "سباعِ بھائم" یا "ذی ناب" نہ ہوں، اور پرندوں میں سے "ذی مخلب" نہ ہوں۔ ایسے تمام جانور اور پرندے حلال ہیں جنکی مثالیں اوپر گزریں۔

باب الصيد بالكلاب المعلمة

(سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ، فَيُمْسِكْنَ عَلَيَّ، وَأَذْكُرُ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ، فَقَالَ :إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ

---

(۱) كما جاء في حديث الباب۔

(۲) الشرط الاول ثابت من حديث الباب اى "اذا ارسلت كلبك المعلم وذكرت اسم الله عليه فكل"۔ والشرط الثاني ثابت من حديث ثالث اى "فان اكل منه فلا تأكل فانه انما امسك على نفسه"۔

فَكُلْ ، قُلْتُ :وَإِنْ قَتَلْنَ؟ قَالَ :وَإِنْ قَتَلْنَ، مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ لَيْسَ مَعَهَا قُلْتُ لَهُ :فَإِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ، فَأُصِيبُ، فَقَالَ :إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ، وَإِنْ أَصَابَهُ بِعَرْضِهِ، فَلَا تَأْكُلْهُ (ص ۱۴۵ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

قوله: عن عدی بن حاتم،(ص ۱۴۵ سطر ۱)

عدی بن حاتمؓ مشہور حاتم طائی کے بیٹے ہیں، جو ۹ یا ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب پر تھے، حضور ﷺ کے دین سے نفرت کرتے تھے، ایک دن ان کے دل میں آیا کہ میں حضور سے جا کر ملوں، اگر آپ ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو آپ کے جھوٹ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اگر آپ سچے ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا، چنانچہ یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی، دورانِ گفتگو سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا، جس کو انہوں نے قبول کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت طویل عمر عطا فرمائی تھی، تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال ان کی عمر ہوئی، اور اسلام لانے کے بعد سے مرتے دم تک ان کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اس باب کی اکثر روایات انہی سے مروی ہیں۔ (۱)

قوله : انی ارسلت الکلاب المعلمة الخ (ص ۱۴۵ سطر ۱)

"کلاب" جمع ہے "کلب" کی، "کلب" عربی میں کتے کو کہتے ہیں، اور حضراتِ فقہاء کرام کے نزدیک "کلب" سے ہر درندے مراد ہے۔

یوں تو ہر درندہ شکاری ہوسکتا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے شیر اور ریچھ کو شکاری بننے سے مستثنیٰ فرمایا ہے، شیر جنگل کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کسی کے لئے شکار نہیں کرتا، اور ریچھ کمینہ ہونے کی وجہ سے کسی کے تابع نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کالے کتے اور چیل کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ حدیث میں کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے، اور چیل میں کمینہ پن ہے، اور خنزیر تو ویسے ہی نجس العین ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔ (۲)

شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعے شکار اس وقت درست ہوسکتا ہے جبکہ وہ معلّم

---

(۱) الاصابة فی معرفة الصحابة (رضی اللہ عنہم) ج ۲ ص ۴۶۸ (ترجمة عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۴۵ و تکملة فتح الملہم ج ۳ ص ۴۸۱، ۴۸۲۔

ہوں،[۱] یعنی ان کو شکار کرنا سکھایا گیا ہو۔

معلَّم اور غیر معلَّم کی تشریح

حیوان (جانور) کس وقت معلَّم اور شکاری بنتا ہے؟ اس سلسلے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ وہ شکاری جانور تین مرتبہ شکار پر روانہ کیا جائے اور تینوں مرتبہ وہ شکار مالک کو لا کر دے، خود نہ کھائے، تو سمجھا جائے گا کہ وہ معلَّم ہے، یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک اور روایت ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ ظنِ غالب کا اعتبار ہوگا، جب تک اس جانور کے بارے میں یہ گمان غالب نہیں ہو جاتا کہ یہ شکار کو خود نہیں کھائے گا بلکہ مالک کے لئے لیکر آئے گا، اس وقت تک اس کو غیر معلَّم ہی کہیں گے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، جب عرف میں کسی جانور کو شکاری کہا جائے تو اس کو معلَّم سمجھا جائے گا، اور جب کسی جانور کے بارے میں کہا جائے کہ یہ شکاری نہیں ہے تو اس کو غیر معلَّم سمجھا جائے گا۔ یہ حضراتِ شوافع کا قول ہے۔

شکاری پرندے کے معلَّم ہونے کے لئے نہ کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے اور شکار تک پہنچنے سے پہلے واپس بلایا جائے تو وہ شکار چھوڑ کر واپس آ جائے۔[۲]

بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینے میں اقوال

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ذبحِ اختیاری اور ذبحِ اضطراری دونوں میں اللہ کا نام لینا ضروری ہے، جان کر چھوڑ دینے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، اگر بھول کر چھوٹ گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تفصیل ہے، ذبحِ اختیاری میں ان کا بھی وہی موقف ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، جبکہ ذبحِ اضطراری میں ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے، لہٰذا بھول کی صورت میں بھی شکار حلال نہیں ہوگا۔

---

(۱) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللّٰہ" سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۴

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۲، ۳۸۳۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ ذبحِ اختیاری ہو، یا ذبحِ اضطراری، دونوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنّت ہے، فرض وواجب نہیں، کوئی جان بوجھ کر بھی چھوڑ دے تو یہ فعل مکروہ ہے، لیکن وہ ذبیحہ اور صید حلال سمجھا جائے گا۔

جمہور کی دلیل مشہور آیت: وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الأنعام: آیت ۱۲۱) ہے، اور اس کے ساتھ احادیث الباب بھی جمہور کی دلیل ہیں، کیونکہ تقریباً ہر حدیث میں "وذكرت اسم الله" کا لفظ آیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل مشہور آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ....اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ہے، (مائدۃ: آیت:۳) اس آیت میں تذکیہ مطلق ہے، جس میں بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینے کا ذکر نہیں ثابت ہوا کہ بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری نہیں۔

اس کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے "اِعلاء السنن" میں دیا ہے، کہ تذکیہ کے ایک لغوی معنیٰ ہیں الشق و القطع، پھاڑنا اور کاٹنا، اور ایک اصطلاحی معنیٰ ہیں، جو "الذبح" ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا داخل ہے، اگر لغوی معنیٰ مراد لیں تو پھر کسی جانور کو اگر کلبِ جاہل نے شکار کر کے مار دیا ہو، اور پھر کوئی بعد میں چاقو یا چھری کے ذریعے اس کو پھاڑ لے، یا اس کا گوشت کاٹ لے تو وہ بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" یہاں صادق آرہا ہے، اسی طرح "اَلْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ میں بھی یہی صورت حال ہوگی، حالانکہ کوئی بھی ان کی حلت کا قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنیٰ مراد نہیں ہو سکتے، لہٰذا اصطلاحی معنیٰ ہی مراد ہوں گے، جس میں تسمية الله تعالیٰ موجود ہے۔ لہٰذا اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں۔ (۱)

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے پر جانور حلال ہے

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کے باوجود جانور حلال ہوجاتا ہے، اس کی دلیل دارِ قطنی کی ایک روایت ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

(۱) اعلاء السنن كتاب الذبائح باب وجوب التسمية عند الصيد والذبح ج۱۷ ص۲۶۔

عرض کیا کہ حضور! بعض مرتبہ ہم جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے منہ یعنی دل میں ہے،[1] اسی طرح کا مضمون دیگر متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بھول کی وجہ سے اللہ کا نام نہ لینے کی صورت میں ذبیحہ حلال ہے۔[2]

قوله: ما لم یشر کها کلب لیس معها (ص ۱۴۵ سطر ۲)

شکاری کتے کو روانہ کرنے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی اور شکاری کتا از خود شامل ہو گیا، یا اس دوسرے کتے کا روانہ کرنے والا کوئی مسلمان یا کتابی نہیں ہے، بلکہ مجوسی یا مشرک ہے تو پھر وہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حلت اور حرمت دونوں جمع ہوگئیں، اور شکار میں حرمت اصل ہے۔ لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی۔

فائدہ: پاکی ناپاکی میں اصل پاکی ہے، جبکہ حلت و حرمت میں سے اصل حرمت ہے۔

قوله : بالمعراض (ص ۱۴۵ سطر ۳)

"معراض" اُس تیر کو کہتے ہیں، جس کے آگے پھل اور پیچھے کے حصے میں پَر نہ ہوں، یعنی مِعراض لکڑی کی ایک لمبی سی ڈنڈی ہوتی ہے جو دو دھاری ہوتی ہے، اس کے دائیں بائیں دھار ہوتی ہے،[3] جبکہ درمیان سے موٹا ہوتا ہے، کبھی یہ تیر جا کر دھار کی طرف سے لگتا ہے، جس سے جانور زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی یہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے جہاں دھار نہیں ہوتی، اس وقت جانور اس کے وزن یا موٹائی سے مرتا ہے، اس میں جانور زخمی نہیں ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تیر دھار کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال ہے اور اگر چوڑائی کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال نہیں ہے۔

غلیل اور بندوق کے شکار کا حکم

غلیل، قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، جبکہ بندوق متاخرین کے زمانے میں وجود میں آئی ہے، غلیل کے مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض حضرات اس کے شکار کو حلال کہتے ہیں، جبکہ اکثر علماء اور فقہاء اس کے شکار کو حرام فرماتے ہیں، کیونکہ عام طور پر اس میں مٹی کے گولے بنا کر شکار کو مارتے ہیں، ان میں کوئی دھار نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شکار اس کے وزن کے دباؤ سے

---

(۱) سنن الدار قطني كتاب الاشربة وغيرها باب الصيد والذبائح الخ رقم الحديث: ۴۸۲۵.

(۲) تكملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۸۳ تا ۴۸۶.

(۳) لسان العرب حرف الضاد مادة "عرض" ج ۷ ص ۱۶۵.

مرتا ہے، زخمی نہیں ہوتا، اسی طرح پتھر غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں تو عام طور پر پتھر بھی بغیر دھار والے ہوتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک غلیل سے کیا ہوا شکار "موقوذۃ" کے حکم میں داخل ہے، اور حدیث میں بھی "لاتاکل من البُنْدَقَۃِ الا ما ذکّیتَ" کے الفاظ آئے ہیں[1]، لہٰذا اگر غلیل وغیرہ سے کوئی جانور شکار کیا تو جب تک اس کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح نہ کرلیں، اس وقت تک حلال نہیں۔

بندوق کی گولی بھی چونکہ عموماً گول ہوتی ہے، لہٰذا اس کے ذریعے کیا جانے والا شکار بھی حلال نہیں بلکہ وہ غلیل کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے حکم میں ہے، غرضکہ وہ "موقوذۃ" کے حکم میں داخل ہے، کیونکہ بندوق کی گولیاں خواہ کیسی ہی ہوں، یہ شکار کو کاٹتی نہیں ہیں بلکہ اپنے دھکے، وزن اور زور کی وجہ سے اس کو کوٹتی اور پھاڑتی ہیں، لہٰذا اس کے ذریعے مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا، خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی غلیل اور بندوق چلائی ہو، کیونکہ اس میں دوسری شرط یعنی کاٹنا نہیں پائی جا رہی۔

تاہم بندوق کے بارے میں علماءِ متاخرین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور پھر علماءِ عرب اور علماءِ غیر عرب دونوں میں اختلاف ہے، لیکن الحمدللہ! ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے اکابرین وفقہاءؒ کا اتفاق ہے کہ بندوق کے ذریعے سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔

البتہ اگر گولی دھار دار ہو، جیسا کہ اس طرح کی گولیاں بھی اب تیار ہوگئی ہیں جن میں نوک اور دھار ہوتی ہے، لہٰذا دھار دار گولی کے ذریعے اگر شکار کیا جائے تو اس کا حکم ایسے ہی ہوگا جیسا کہ چھری، تلوار یا تیر کے ذریعے شکار کیا جائے۔[2] یعنی اگر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اگر دھار دار گولی سے کوئی جانور شکار کیا اور وہ گولی لگنے سے مرگیا تو وہ حلال ہوگا۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ:(الی قوله) وَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَلْبِ، فَقَالَ :إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ، فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ ، قُلْتُ :فَإِنْ وَجَدْتُ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا آخَرَ، فَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ :فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ،

---

(۱) مسند احمد، بقية حديث عدى بن حاتم رضى الله تعالى، رقم الحديث: ۱۸۵۸۱.

(۲) تكملة فتح الملهم ج۳ ص۴۸۸ تا ۴۹۱.

وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى غَيْرِهِ (۱۴۵ سطر ۵ تا ۸)

تشریح

قولہ: فإن أكل منه فلا تأكل الخ (۱۴۵ سطر ۸)

اگر شکاری جانور خود شکار میں سے کچھ کھالے تو پھر وہ شکار، شکاری آدمی کے لئے حلال نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں وہ جانور معلَّم نہ رہا۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے، لیکن حضرات مالکیہؒ فرماتے ہیں کہ شکاری کتا اگر شکار میں سے کچھ کھالے تو تب بھی وہ شکاری کے لئے حلال ہے، ان کی دلیل یہ آیت ہے: **فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ**[1]، اس سے معلوم ہوا کہ اگر شکاری کتا کچھ شکار میں سے کھا بھی لے تو بھی یہی کہا جائے گا کہ اس نے مالک کے لئے شکار کو رکھا، لہٰذا اس کا کھانا جائز ہے۔

اس آیت کا جواب جمہور کی جانب سے یہ دیا گیا کہ لفظ "عَلَيْكُمْ" سے آپ کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے لئے روک کر رکھے، خود نہ کھائے۔

اس کے علاوہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت بھی مالکیہ کی دلیل ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: **اذا ارسلت كلبك وذكرت اسم الله فكل وان اكل منه.**[2]

اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ سنداً ضعیف ہے۔[3]

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيدِ، (الى قوله) عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ، حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ، وَكَانَ لَنَا جَارًا وَدَخِيلًا وَرَبِيطًا بِالنَّهْرَيْنِ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أُرْسِلُ كَلْبِي، فَأَجِدُ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا قَدْ أَخَذَ، لا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَ؟ قَالَ: فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ، وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى غَيْرِهِ (۱۴۵ سطر ۵ تا ۸)

تشریح

قولہ: وكان لنا جارا ودخيلا وربيطا بالنهرين، (ص ۱۴۶ سطر ۷)

---

(۱) سورة المائدہ: آیت: ۴۔

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الصید باب فی الصید رقم الحدیث: ۲۴۶۹۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۴۹۱، ۴۹۲۔

''جار'' کے معنیٰ پڑوسی ہیں، ''دخیل'' کے معنیٰ ہیں: وہ آدمی جو کسی کے کاموں میں اس کے ساتھ شریک رہتا ہو، جبکہ '' ربیط ''ملازم کو کہتے ہیں، ''نهرین ''جگہ کا نام ہے۔[1]

حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ السَّكُونِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ، فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ، فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قَتَلَ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ، وَقَدْ قَتَلَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتَ سَهْمَكَ، فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ، فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا، فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ، فَكُلْ إِنْ شِئْتَ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقًا فِي الْمَاءِ، فَلَا تَأْكُلْ(۱۴۶ سطر ۹ تا ۱۲)

تشریح

قوله: فأدركته حيا فاذبحه، الخ(ص ۱۴۶ سطر ۱۱)

اگر کسی نے تیر کے ذریعے یا کسی دھاردار آلے کے ذریعے شکار کیا، یا کسی شکاری کتے یا شکاری جانور کے ذریعے شکار کیا اور شکاری کو شکار زندہ حالت میں مل گیا تو ایسی صورت میں ذبحِ اختیاری ضروری ہے، اگر شکار کو ذبح نہ کیا اور وہ مر گیا تو وہ مردار ہوگا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ذبحِ اختیاری اصل ہے اور ذبحِ اضطراری اس کے قائم مقام ہے، جب اصل پر قدرت حاصل ہو جائے تو قائم مقام باطل ہو جاتا ہے۔

قوله: فإن غاب عنك يوما، فلم تجد فيه إلا أثر سهمك، الخ

(ص ۱۴۶ سطر ۱۲)

اگر شکاری نے شکار کو کوئی تیر یا دھاردار چیز ماری، جو اس کو جا کر لگی، لیکن وہ شکار اس شکاری کے ہاتھ نہ لگ سکا، اور کہیں بھاگ گیا، پھر دوسرے دن کہیں پڑا ہوا ملا، تو اب اس بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس پر صرف اس شکاری کے تیر وغیرہ کا نشان ہے، کسی اور چیز کا اس پر نشان نہیں ہے، تو اس کو کھا سکتے ہیں، اور اگر کسی اور چیز کا نشان بھی ہے یا مثلاً پانی میں گر کر مر گیا تو اب اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۲ ص ۴۹۳، ۴۹۴۔

حنابلہ اور مالکیہؒ اس مسئلے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر شکار پر شکار کرنے والے کے تیر وغیرہ کے زخم کا نشان ہے اور کوئی دوسرا نشان نہیں ہے، اور پھر وہ شکار ایک دن کے بعد ملتا ہے تو ایسی صورت میں وہ شکار حلال ہے، مذکورہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے۔

شوافعؒ فرماتے ہیں کہ مطلقاً حلال نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں معلوم نہیں کہ وہ اس کے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا کسی اور وجہ سے مرا ہے؟

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر شکاری اس کی تلاش میں لگا رہا، تو ایسی صورت میں اگر ایک دن بھی گزر جائے اور پھر شکار مردہ حالت میں ملے تو حلال ہے، اور اگر اس نے شکار کی تلاش ترک کردی، پھر اس کو وہ مردہ حالت میں ملے تو وہ حرام ہے۔ (۱)

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الى قوله) أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ، يَقُولُ :أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ، وَأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيدُ بِقَوْسِي (الى قوله) قَالَ :أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكُمْ بِأَرْضِ قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ تَأْكُلُونَ فِي آنِيَتِهِمْ، فَإِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ، فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا، وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا، ثُمَّ كُلُوا فِيهَا، . .الحديث(ص ۱۴۶ سطر ۱۴ تا ۱۷)

تشریح

قوله : إنا بأرض قوم من أهل الكتاب نأكل فى آنيتهم الخ(ص ۱۴۶ سطر ۱۶)

اہلِ کتاب کے برتن وغیرہ استعمال کرنے کا حکم

غیر مسلموں کے برتن استعمال کرنے کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دوسرے برتن موجود نہ ہوں، تو ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھا سکتے ہیں۔

حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے غیر مسلموں کے برتنوں میں کھانے کی مطلقاً اجازت دی ہے، چنانچہ حدیث شریف اور حضرات فقہاءِ کرامؒ کے قول میں بظاہر تعارض ہوگیا، اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے امام نوویؒ نے ایک تطبیق دی ہے، لیکن وہ تطبیق زیادہ کارگر نہیں ہے، البتہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں جو تطبیق دی ہے وہ زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کے برتنوں

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۹۴.

میں کھانے کی ممانعت مکروہِ تنزیہی ہے، لہٰذا اگر ان کے برتن ناپاک ہوں تو ان کو پاک کر کے استعمال کرنا جائز ہے، لیکن اگر دوسرے برتن موجود ہوں تو خلافِ اولیٰ ہے، اور اگر پاک ہونے کا غالب گمان ہو تو بغیر دھوئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ (۱)

باب إباحة ميتات البحر

(دریائی مردہ جانوروں کی اباحت کا حکم)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَّرَ عَلَيْنَا أَبَا عُبَيْدَةَ، نَتَلَقَّى عِيرًا لِقُرَيْشٍ، وَزَوَّدَنَا جِرَابًا مِنْ تَمْرٍ لَمْ يَجِدْ لَنَا غَيْرَهُ، فَكَانَ أَبُو عُبَيْدَةَ يُعْطِينَا تَمْرَةً تَمْرَةً، قَالَ :فَقُلْتُ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِهَا؟ قَالَ: نَمَصُّهَا كَمَا يَمَصُّ الصَّبِيُّ، ثُمَّ نَشْرَبُ عَلَيْهَا مِنَ الْمَاءِ، فَتَكْفِينَا يَوْمَنَا إِلَى اللَّيْلِ، وَكُنَّا نَضْرِبُ بِعِصِيِّنَا الْخَبَطَ، ثُمَّ نَبُلُّهُ بِالْمَاءِ فَنَأْكُلُهُ، قَالَ :وَانْطَلَقْنَا عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَرُفِعَ لَنَا عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ كَهَيْئَةِ الْكَثِيبِ الضَّخْمِ، فَأَتَيْنَاهُ فَإِذَا هِيَ دَابَّةٌ تُدْعَى الْعَنْبَرَ، قَالَ: قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ :مَيْتَةٌ، ثُمَّ قَالَ :لَا، بَلْ نَحْنُ رُسُلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَقَدِ اضْطُرِرْتُمْ فَكُلُوا، قَالَ: فَأَقَمْنَا عَلَيْهِ شَهْرًا وَنَحْنُ ثَلَاثُ مِائَةٍ حَتَّى سَمِنَّا، قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا نَغْتَرِفُ مِنْ وَقْبِ عَيْنِهِ بِالْقِلَالِ الدُّهْنَ، وَنَقْتَطِعُ مِنْهُ الْفِدَرَ كَالثَّوْرِ، أَوْ كَقَدْرِ الثَّوْرِ، فَلَقَدْ أَخَذَ مِنَّا أَبُو عُبَيْدَةَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا، فَأَقْعَدَهُمْ فِي وَقْبِ عَيْنِهِ، وَأَخَذَ ضِلَعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ فَأَقَامَهَا ثُمَّ رَحَلَ أَعْظَمَ بَعِيرٍ مَعَنَا، فَمَرَّ مِنْ تَحْتِهَا — الحديث

(ص ۱۴۷ سطر ۲۰ تا ۲۶)

(۱) فتح الباری کتاب الذبائح والصید، باب صید القوس ۱۵/ ۳۱۰۔

تشریح

سریہ خَبَط کا پس منظر

اس باب میں "سریه خَبَط" اور "سریۃُ سیف البحر" کا ذکر ہے،[1] یہ سریہ ۸ھ میں ہوا، سرکارِ دوعالم ﷺ نے تین سو صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر تیار کرکے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو ان کا امین مقرر فرمایا، اوران کے دوکام سپرد فرمائے، ایک قریش کے قافلے پر حملہ کرنا، دوسرے سمندر کے کنارے قبیلۂ جہینہ کے ایک خاندان پر حملہ کرنا، قریش کا قافلہ تو ہاتھ نہ آسکا، البتہ انہوں نے دوسرا کام انجام دیا، اس سریہ میں مجاہدین کے پاس جو زادِراہ تھا، وہ ختم ہوگیا، پہلے کچھ اونٹ ذبح کیے، جب وہ ختم ہونے لگے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اونٹ ذبح کرنے سے منع فرمادیا، چنانچہ وہ حضرات کھجور کھا کر گزارہ کرتے رہے، آخر میں صرف ایک ایک کھجور حصہ میں آتی، وہ بھی اس طرح سے کہ کھجور کو بچوں کی ٹافی کی طرح چوس کر اس پر پانی پی لیتے تھے، سارے دن کی پوری خوراک بس یہی ایک کھجور ہوتی، اس کے علاوہ کیکر کے درختوں کے پتے بھی کھاتے، جب کھجوریں بھی ختم ہوگئیں تو حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس وقت روزانہ ملنے والی ایک کھجور کی بھی قدر معلوم ہوئی۔

جب یہ حضرات حالتِ اضطرار کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے مدد فرمائی، ان کو سمندر کے کنارے ریت کا ایک بہت بڑا ٹیلہ نظر آیا، جب اس کے پاس گئے تو معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑی مچھلی ہے، جس کا نام عنبر تھا، وہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ اس کی آنکھ میں پانچ آدمی بیٹھ گئے، اوراس میں سے مٹکے بھر بھر کر چربی نکالی، اس کی ایک پسلی کھڑی کی، اور لشکر میں سے سب سے اونچا اونٹ، اور پھر اس پر سب سے لمبے آدمی کو بیٹھا کر اسکی پسلی کے نیچے سے گزارا تو وہ بآسانی گزر گیا، اس مچھلی کا گوشت اہلِ لشکر نے ایک مہینے تک کھایا۔

یہاں دو مسئلے قابلِ تحقیق ہیں:

(۱) ... دریائی اور سمندری جانور کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے یا حرام؟

(۲) ... دوسرے جھینگے کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے یا حرام؟

مچھلی حلال ہے

دریائی جانوروں کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ایک مچھلی (۲) ... غیر مچھلی،

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۵۰۱۔

مچھلی کے بارے میں ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مچھلی اپنی تمام اقسام کے ساتھ حلال ہے، مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانوروں کے بارے میں اختلاف ہے، ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ وہ بھی سب حلال ہیں، لیکن بعض حضرات نے مینڈک، کچھوے، سانپ، انسانِ بحری، کلب بحری وغیرہ کو مستثنیٰ کیا ہے۔

ائمۂ ثلاثہ کی دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے: **وَاُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ**

(مائدۃ، آیت:۹۶)

دوسری دلیل وہ مشہور حدیث ہے: **هو الطهور ماؤه والحل ميتته**[1]

احناف کے نزدیک مچھلی کے علاوہ تمام دریائی جانور حرام ہیں، حنفیہ، ائمۂ ثلاثہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے آپ کا استدلال اس وقت صحیح ہوسکتا ہے، جب دو باتیں ثابت ہوں، پہلی بات یہ ہے کہ آیت میں "صید" بمعنی "مصید" ہو نہ کہ بمعنی "اصطیاد"، اور دوسری بات یہ کہ لفظ "صید" کی اضافت البحر کی طرف، یہ استغراق کے لئے ہو، اور یہ دونوں باتیں ثابت نہیں ہیں،

پہلی بات تو اس لئے کہ "صید" درحقیقت مصدر کے معنیٰ میں ہے یعنی "اصطیاد" کے معنیٰ میں ہے، اور "مصید" کے معنیٰ میں ہونا مجاز ہے، جب تک اصلی اور حقیقی معنیٰ مراد لینا ممکن ہو اس وقت تک مجاز پر عمل نہیں کیا جائے گا، اور یہاں اصلی اور حقیقی معنیٰ مراد لئے جاسکتے ہیں کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا حلال ہے۔

دوسری بات اس لئے ثابت نہیں کہ "صید" کی البحر کی طرف اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے بلکہ بالاتفاق عہد کے لئے ہے، کیونکہ آگے "وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًا" ہے جس میں "مَادُمْتُمْ حُرُمًا" کی قید لگی ہوئی ہے، اور یہ عہد کیلئے ہے، اسلئے صید البحر میں بھی اضافت عہد کے لئے ہوگی۔

اسی طرح والحل میتته میں بھی اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے، اس کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: **احلت لكم ميتتان ودمان فاما الميتتان فالحوت**

(۱) موطا مالك كتاب الطهارة باب الطهور للوضوء ج ۱ ص ۲۲.

والجراد واما الدمان فالکبد والطحال[1]۔

خلاصہ یہ کہ یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے، جس میں حنفیہ کا مسلک احوط ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کا مسلک اوسع اور اقرب الی النصوص ہے، کیونکہ ایک روایت کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دریائی جانوروں کو حلال فرمایا ہے۔[۲]

جھینگہ کے بارے میں تحقیق

اگر بحری حیوانات میں مچھلی کی تعریف کے لحاظ سے جھینگہ دیکھا جائے تو جھینگہ پر مچھلی کی تعریف صادق نہیں آتی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھینگا کھانا ناجائز ہے، کیونکہ ماہرینِ حیواناتِ بحری نے مچھلی کی یہ تعریف کی ہے کہ مچھلی کی جتنی بھی اقسام ہیں، ان میں دو علامتیں ضرور ہوتی ہیں، ایک گلپھڑے اور دوسرے ریڑھ کی ہڈی، جبکہ جھینگے میں یہ دونوں علامتیں نہیں پائی جاتیں، لہٰذا جھینگہ مچھلی نہیں اور جب مچھلی نہیں تو حلال نہیں۔

دوسری طرف لغت کی بڑی بڑی کتابوں میں اس کو مچھلی کہا گیا ہے، اور اسی طرح عرف میں بھی اس کو مچھلی سمجھا جاتا ہے، اور شریعت کے احکام کا دارومدار فنی باریکیوں پر نہیں ہوتا، بلکہ موٹی موٹی باتوں، اور عرف وعادات پر ہوتا ہے، تاکہ عام آدمی کے لئے ایسی چیزوں کا سمجھنا اور ان کے احکام کا جاننا آسان رہے، لہٰذا لغت اور عرف کے لحاظ سے اس کو مچھلی سمجھتے ہوئے اس پر حلت کا حکم لگائیں گے، خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھینگہ بلاشبہ حلال ہے لیکن حنفیہ کے یہاں جھینگہ کا حلال ہونا یا حرام ہونا حتمی نہیں ہے، اس لئے نہ کھانے میں احتیاط ہے اور کھانے کی گنجائش ہے۔[۳] جو کھائے اس کو منع نہ کیا جائے اور جو نہ کھائے اس کو کھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قوله) جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ :بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الی قوله) فَأَكَلْنَا مِنْهَا نِصْفَ شَهْرٍ، وَادَّهَنَّا مِنْ وَدَكِهَا حَتَّى ثَابَتْ أَجْسَامُنَا (الی قوله) فَكَانَ أَبُو عُبَيْدَةَ يُعْطِي

---

(۱) سنن ابن ماجه ابواب الاطعمة باب الكبد والطحال رقم الحديث: ۳۳۰۵۔

(۲) تكملة فتح الملهم ج۳ص۵۰۶تا۵۱۱۔

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تکملة فتح الملهم ج۳ص۵۱۲،۵۱۳۔

كُلَّ رَجُلٍ مِنَّا قَبْضَةً قَبْضَةً، ثُمَّ أَعْطَانَا تَمْرَةً تَمْرَةً، فَلَمَّا فَنِيَ وَجَدْنَا فَقْدَهُ.

(ص ۱۴۸ اسطر ۱ تا ۵)

تشریح

قوله: وادهنا من ودكها حتى ثابت أجسامنا (ص ۱۴۸ سطر ۳)

ہم نے اس کی چربی سے مالش کی، یہاں تک ہمارے جسم دوبارہ اپنی حالت پر آ گئے مضبوط اور قوی ہو گئے۔

"ودک" کے معنیٰ ہیں چربی، اور "ثابت" کا معنیٰ ہے، "رجعت"[1] واپس لوٹ آنا پہلی حالت پر آ جانا۔

قوله: وجدنا فقده (۱۴۸ سطر ۴، ۵)

اس ایک کھجور کے نہ ملنے کا احساس ہوا۔ (یعنی اس ایک کھجور کی قدر محسوس ہوئی۔)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ، قال نَا سُفْيَانُ، قَالَ :سَمِعَ عَمْرٌو، جَابِرًا، يَقُولُ فِي جَيْشِ الْخَبَطِ :إِنَّ رَجُلًا نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ، ثُمَّ ثَلَاثًا، ثُمَّ ثَلَاثًا، ثُمَّ نَهَاهُ أَبُو عُبَيْدَةَ(ص ۱۴۸ سطر ۵، ۶)

تشریح

قوله: إن رجلا نحر ثلاث جزائر، (۱۴۸ سطر ۵)

رجل سے **قیس بن سعد بن عبادة**ؓ مراد ہیں۔[2]

باب تحريم أكل لحم الحمر الإنسية

(پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ :أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُلْقِيَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، نِيئَةً وَنَضِيجَةً، ثُمَّ لَمْ يَأْمُرْنَا بِأَكْلِهِ (ص ۱۴۹ سطر ۱۹، ۲۰)

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص ۱۴۸۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص ۵۱۵ وشرح النووی ج۲ ص ۱۴۸۔

تشریح

حمار کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ... وحشی۔ (۲) ... اہلی۔

وحشی بالاتفاق حلال ہے، جبکہ اہلی بالاتفاق حرام ہے، البتہ بعض حضرات سے حمارِ اہلی کی حلت ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا حلال ہونا منقول ہے، اور حضرت امام مالکؒ سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک اس کے مکروہ ہونے کی، جبکہ دوسری اس کے حرام ہونے کی، جو حضرات حمارِ اہلی کی حلت کے قائل ہیں، وہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، جو حضرت غالب بن ابجرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں قحط پڑ گیا، میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور! ہمارے ہاں قحط پڑ گیا ہے اور وہاں کھانے کے لئے سوائے گدھوں کے اور کوئی چیز نہیں ہے، جبکہ آپ ﷺ نے ان کو حرام قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے اموال میں سے موٹے گدھوں کا گوشت کھاؤ، کیونکہ میں نے **جلالة** ہونے کی وجہ سے ان کو حرام کیا ہے،[1] (جلالة اس جانور کو کہتے ہیں جو ناپاکی کھاتا ہو) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حمارِ اہلی کو بھی کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

دوسری دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے حمارِ اہلی کی حرمت کی علت میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے خیبر کے موقع پر کہا تھا کہ شاید ان کو اس لئے حرام قرار دیا کہ ان کا خمس نہیں نکالا گیا، بعض نے کہا کہ شاید لوٹ کا مال ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان کو کھانے سے منع فرمایا۔

جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ سب ان حضرات کی اجتہادی آراء ہیں، ان میں سے کوئی بھی قوی نہیں ہے، جبکہ حدیثُ الباب جیسے **حدیث البراء بن عازب** میں ہے کہ آپ ﷺ نے حمارِ اہلی کے گوشت کو پھینکنے کا حکم دیا، چاہے وہ کچا ہو یا پکا، پھر اس کے بعد اس کے کھانے کا دوبارہ حکم نہیں دیا۔[2]

اس باب کی آخری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ''**إن اللّٰہ ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر، فإنها رجس أو نجس**'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو رجس یا نجس ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ علت اس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔

قوله : نیئة ونضیجة (ص ۱۴۹ سطر ۲۰)

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الأطعمة باب في أكل لحوم الحمر الأهلية رقم الحديث: ۳۳۱۵

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۵۱۷، ۵۱۸۔

نیئة، کچا، نضیجة، پکا ہوا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ (الى قوله) قَالَ الْبَرَاءُ :أَصَبْنَا يَوْمَ خَيْبَرَ حُمُرًا، فَنَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِ اكْفَئُوا الْقُدُورَ (ص ۱۴۹ سطر ۱۷، ۱۸)

تشریح

قوله : اکفئوا القدور (ص ۱۴۹ سطر ۱۸)

ہانڈیاں اُلٹ دو۔

باب اباحة أكل لحم الخيل
(گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ. (ص ۱۵۰ سطر ۶، ۷)

تشریح

حضرت امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا بلاشبہ حلال ہے اور بلا کراہت حلال ہے، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے، اور راجح قول کے مطابق مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہے۔

اوّل الذکر حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے، جس میں ہے کہ **وأذن فی لحوم الخیل**[1] کی صراحت کی ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے حضرت امام صاحبؒ کی طرف سے یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں اپنی نعمتوں کا احسان جتلایا ہے وہ آیت یہ ہے: **وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً** (نحل، آیت :۸) احسان جتلاتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑے پر سواری اور اس کے زینت کا سامان ہونے کا ذکر تو فرمایا ہے، لیکن اس کے گوشت کے کھانے کا ذکر نہیں فرمایا، جبکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، اور سواری اور زینت ادنیٰ درجے کی چیزیں ہیں، جبکہ کھانا ضروریاتِ زندگی میں داخل ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی چیز ہے، تو یہ بات حکیم کی حکمت کے خلاف ہے کہ اعلیٰ نعمتوں کے ذریعے

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۵۰۔

احسان جتلانے کی بجائے اس سے ادنیٰ نعمتوں کا ذکر کرے، اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔[1]

دوسری دلیل ابن ماجہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی روایت ہے کہ " **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لحوم الخيل، والبغال، والحمير** "[2]

اس کے علاوہ امام محمدؒ کی **کتاب الآثار** میں **حضرت عبداللہ بن عباسؓ** سے مروی ہے کہ " **نهى رسول الله ﷺ عن لحم الفرس** "[3]

ان احادیث کی وجہ سے حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے، اور مذکورہ متعارض احادیث میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ گھوڑا جہاد میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کے آلۂ جہاد ہونے کی بناء پر اس کے اکرام وتعظیم کی وجہ سے اس کا گوشت کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور حلت اور کراہت جمع ہوسکتی ہیں، اور احادیثِ طیبہ کا تعارض دور ہوجاتا ہے۔

باب إباحة الضب

(گوہ حلال جائز ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ :سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبِّ، فَقَالَ :لَسْتُ بِآكِلِهِ، وَلَا مُحَرِّمِهِ (ص ۱۵۰ سطر ۱۱ تا ۱۳)

تشریح

گوہ کی حلت میں اختلاف ہے

گوہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمۂ ثلاثہ اور جمہور فقہاءؒ فرماتے ہیں: گوہ کھانا بلا کراہت جائز ہے، اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مکروہِ تحریمی ہے، ائمۂ ثلاثہؒ کی دلیل حدیث الباب ہے، کیونکہ اس باب کی تمام احادیث میں ضب (گوہ) کھانے کی صراحت ہے، البتہ آپ ﷺ نے خود اس کے کھانے سے اجتناب فرمایا، اور فرمایا کہ نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں، اور نہ اس سے منع کرتا ہوں، حنفیہؒ اسی سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے گوہ کھانے کی کراہت

---

(۱) الهدايه كتاب الذبائح فصل فيما يحل اكله ومالا يحل ج ۴ ص ۳۵۲.

(۲) سنن ابن ماجه كتاب الذبائح باب لحوم البغال رقم الحديث : ۳۱۸۹.

(۳) كتاب الآثار رقم الحديث: ۸۱۸ بحواله تكملة فتح الملهم.

معلوم ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کی دلیل وہ حدیث بھی ہے، جو ابوداؤد شریف میں ہے کہ " نهى عن اكل لحم الضب[۱]"، اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ ﷺ کو گوہ ہدیہ میں دی، اس کے کھانے کے بارے میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو منع فرمایا، چنانچہ ایک فقیر آیا، اور حضرت عائشہؓ نے اُسے دینے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے اس فقیر کو صدقہ کرنے سے بھی منع فرمایا۔[۲]

چنانچہ اكل الضب کے بارے میں اجازت و ممانعت دونوں طرح کی احادیث جمع ہو گئیں، اور حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں توجیہ فرمائی ہے کہ اجازت والی احادیث، ممانعت والی احادیث کے لئے ناسخ ہیں[۳]، جبکہ علامہ عینیؒ نے بنایہ میں اس کے بالکل برعکس توجیہ فرمائی ہے کہ ممانعت والی احادیث، اجازت والی احادیث کے لئے ناسخ ہیں، لیکن حنفیہ کا مذہب زیادہ راجح ہے، کیونکہ حنفیہ کے اصول کے مطابق حلت و حرمت جمع ہو جائیں تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔[۴]

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَبٍّ، فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ، وَقَالَ: لَا أَدْرِي لَعَلَّهُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي مُسِخَتْ. (ص ۱۵۱ سطر ۲۷ و ۲۸)

تشریح

قوله: لا أدری لعله من القرون التی مسخت. (ص ۱۵۱ سطر ۲۸)

آپ ﷺ کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ شاید مسخ شدہ اقوام کی باقیات میں سے ہو اس صورت میں ضب بالکل بھی حلال نہیں ہونی چاہئے، اس کے بارے میں شارحینؒ نے فرمایا کہ دراصل حضور ﷺ نے قطعی طور پر یہ بات نہیں فرمائی، بلکہ اپنے شبہ اور احتمال کا ذکر فرمایا، دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ سے بندر اور خنزیر کے بارے میں پوچھا گیا کہ حضور! کیا یہ مسخ شدہ قوم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنا عذاب نازل فرماتے ہیں، تو اس کو ہلاک کر دیا جاتا ہے، اور اس قوم کی نسل آگے نہیں چلتی۔ یہی بات گوہ کے بارے میں سمجھ لینی چاہئے کہ جس

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الاطعمة باب فی أکل الضب رقم الحدیث: ۳۳۰۲۔

(۲) فتح الباری کتاب الذبائح باب الضب ۱۵/۴۹۰۔

(۳) فتح الباری کتاب الذبائح والصید باب الضب ۱۵/۴۹۰۔

(۴) البنایة شرح الهدایة کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکله وما لایحل ۱۱/۵۸۸۔

طرح بندر اور خنزیر پر مسخ شدہ قوم نہیں ہے اسی طرح گوہ بھی مسخ شدہ قوم نہیں، بلکہ یہ دیگر جانوروں کی طرح ہیں جو معذب قوموں سے پہلے بھی موجود تھے اور ان کے بعد بھی موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔[1]

باب إباحة الجراد

(ٹڈی حلال ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، قال نَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ :غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ. (۱۵۲ سطر ۶،۷)

تشریح

قوله: ابی یعفور (۱۵۲ سطر ۶)

"ابو یعفور" دو ہیں، ایک ابو یعفور اصغر اور دوسرے ابو یعفور اکبر، یہاں ابو یعفور اصغر مراد ہیں، ان کا نام ہے عبدالرحمن بن عبیدبن نسطاس. اور ابو یفعور اکبر کا نام "واقد" ہے۔[2]

اس باب کی حدیث سے ٹڈی کا حلال ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، جمہور فقہاءؒ ٹڈی کے حلال ہونے پر متفق ہیں، البتہ جمہورؒ فرماتے ہیں کہ خواہ ٹڈی خود مر جائے یا ماری جائے، یا اس کے ٹکڑے کئے جائیں، چاہے کسی برتن میں ڈال دی جائے اور وہاں وہ مر جائے، ہر صورت میں حلال ہے، جبکہ حضرت امام مالکؒ کی مشہور روایت اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر یہ خود بخود مر جائے، تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس کو مار کر کھائے تو جائز ہے۔[3]

باب إباحة الأرنب

(خرگوش حلال ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :مَرَرْنَا

---

(۱) صحیح مسلم کتاب القدر باب بیان أن الاجال والارزق الخ رقم الحدیث: ۴۸۱۵۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۵۲۔

(۳) تکملۃ فتح الملھم ج۳ ص۵۳۵.

فَاسْتَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، فَسَعَوْا عَلَيْهِ فَلَغَبُوا ، قَالَ :فَسَعَيْتُ حَتّٰى أَدْرَكْتُهَا، فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا، فَبَعَثَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَيْهَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْتُ بِهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَهُ. (ص ۱۵۲ سطر ۹ تا ۱۱)

تشریح

خرگوش کی حلت میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے، بالاتفاق حلال ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور ابن ابی لیلیٰ ؒ فرماتے ہیں یہ مکروہ ہے، وہ بعض احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جن سے کراہت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ احادیث سنداً ضعیف ہیں۔ (۱)

باب إباحة ما يستعان به على الاصطياد و العدو ....

(دشمن یا شکار کرنے کے لئے کسی چیز سے مدد لینا جائز ہے)

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ (الى قوله) عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ :رَأٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُغَفَّلِ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ لَاتَخْذِفْ ـــــ الحديث (۱۵۲ سطر ۱۲، ۱۳)

تشریح

قوله: يخذف (ص ۱۵۲ سطر ۱۳)

خذف يخذف خذفا کے معنی ہیں: کنکری یا گٹھلی پھینکنا، دو انگلیوں کے درمیان یا انگوٹھے اور برابر والی انگلی کے درمیان کنکری وغیرہ رکھ کر مارنا (۲)، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ لغو اور بے کار کام ہے، کیونکہ اس سے نہ تو شکار ہوسکتا ہے اور نہ ہی دشمن کو زخمی کیا جاسکتا ہے، البتہ نقصان ہوسکتا ہے کہ دانت یا آنکھ پر لگنے سے دانت ٹوٹ جائے یا آنکھ پھوٹ جائے۔

باب النهي عن صبر البهائم

(جانوروں کو باندھ کر مارنے کی ممانعت ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، (الى قوله) فَقَالَ أَنَسٌ :نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۵۳۷۔

(۲) لسان العرب باب حرف الفاء مادة "خذف" ۹/۶۱۔

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ (ص ۱۵۳ سطر ۲ تا ۴)

عرب میں یہ دستور تھا کہ جب جانور کو ذبح کرنا ہوتا تو اس کا یہ طریقہ اختیار کرتے کہ کسی جگہ پر جانور کو باندھ دیتے اور پھر دور سے تیروں سے نشانہ لیکر اس کو تیر مارتے، یہاں تک وہ ہلاک ہو جاتا، آپ ﷺ نے اس طریقۂ کار سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں ناحق جانور کو بے دردی سے مارنا ہے جو درست نہیں۔

كتاب الأضاحي

(قربانی کا بیان)

الأضاحي، أضحية اور إضحية دونوں کی جمع ہے، لغت میں أضحية اس جانور کو کہتے ہیں، جس کو ضحیٰ کے وقت ذبح کیا جائے، اس کو "ضحية" بھی کہتے ہیں، جس کی جمع "ضحايا" آتی ہے، اسی طرح اس کو "أضحاة" بھی کہتے ہیں، جس کی جمع "أضحى" آتی ہے، اسی سے یوم الأضحیٰ ہے۔ یعنی قربانی کا دن۔ (۱)

اصطلاح میں أضحية کہتے ہیں: ذبح حيوان مخصوص في وقت مخصوص بنية مخصوصة، مخصوص حیوان کو مخصوص وقت میں خاص نیت سے ذبح کرنے کو قربانی کہتے ہیں۔ (۲)

مخصوص حیوان سے مراد اونٹ، بیل اور بکری ہیں، اس سے نیل گائے، ہرن وغیرہ خارج ہو گئے۔ (۳)

وقتِ مخصوص سے مراد ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب تک کا وقت ہے (۴)، اور نیت قربانی کی ہونا ضروری ہے، اس کے علاوہ کسی اور نیت سے مثلاً کھانے کی نیت سے ذبح کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔ (۵)

قربانی تمام شریعتوں میں عبادت ہے

یہ قربانی، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور ﷺ تک، تمام شریعتوں میں مشروع رہی ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے دو صاحبزادوں کا قصہ اللہ پاک نے قرآنِ کریم میں بیان فرمایا: اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ (مائدۃ، آیت: ۲۷)

(۱) الصحاح في اللغة للجوهري، حرف الضاد مادة "ضحا" ج ۱ ص ۳۰۶۔

(۲) البناية شرح الهداية للعينيؒ كتاب الاضحية ج ۱۲ ص ۳۔

(۳) الهداية مع البناية ج ۱۲ ص ۳۵، ۳۶۔

(۴) الهداية مع البناية ج ۱۲ ص ۲۶۔

(۵) البناية شرح الهداية ج ۱۲ ص ۵۰۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے عیسائیوں نے بعد میں اس قربانی کے حکم میں بہت تبدیلی کی، انہوں نے کہا کہ اس دنیا میں سب سے آخری اور بڑی قربانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دے دی، لہٰذا وہ تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، اسی طرح ہمارے زمانے کے ملحدین اور بے دین لوگ بھی قربانی کے اس حکم کو (معاذ اللہ) بے کار اور بے فائدہ بتاتے ہیں، کہ قربانی میں سوائے جانور کا خون بہانے اور گوشت کو ضائع کرنے کے اور کیا ہے؟ اس سے بہتر ہے کہ یہ پیسے خیرات کردئے جائیں، کسی غریب کی غربت دور کرنے اور کسی بیمار کے علاج معالجے میں استعمال کرلئے جائیں۔

یہ ایسے ہی بیہودہ بات ہے جیسے کوئی کہے کہ نماز پڑھنے سے کیا حاصل؟ یہ تو اُٹھک بیٹھک ہے، یا روزے رکھنے سے کیا فائدہ؟ یہ تو اپنے آپ کو بھوکا مارنا ہے، یا حج کا سفر کرنے سے کیا فائدہ؟ پیسے بھی خرچ کرو اور مشقت بھی اُٹھاؤ اور وہاں جاکر خالی پہاڑوں کا طواف کرو۔

وجہ یہ ہے کہ یہ سب کام عبادت ہیں، اور عبادتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا موقوف ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قربانی کے بارے میں فرمایا: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (حج، آیت: ۳۷) کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

قربانی واجب ہے یا نہیں؟

ائمۂ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قربانی سنتِ مؤکدہ ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب ہے[1]، امام صاحبؒ کی دلیل ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (کوثر، آیت:۲) اِنحر صیغۂ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں ہے: مَنْ وَجَدَ سَعَةً فلم يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا[2]، اتنی زبردست وعید ترکِ واجب ہی پر ہوسکتی ہے نہ کہ ترکِ سنت پر۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس (۱۰) سال قیام فرمایا اور ہر سال پابندی سے قربانی کی[3]، اور مواظبت بلا ترک، دلیلِ وجوب ہے۔

---

(۱) الهداية كتاب الاضحية ج۱۲ ص۵.

(۲) مسند احمد مسند ابی هريرة رضی الله تعالی عنه رقم الحديث: ۸۲۷۳.

(۳) جامع الترمذی ابواب الاضاحی عن رسول الله صلی الله عليه وسلم رقم الحديث: ۱۴۲۷.

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل مسند احمد میں حضرت ابنِ عباسؓ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: كُتِبَ عَلَيَّ النَّحْرُ، وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ، وَأُمِرْتُ بِرَكْعَتَيِ الضُّحَى، وَلَمْ تُؤْمَرُوا بِهَا.[۱]

اس کے علاوہ سنن ابنِ ماجہ اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ام سلمہؓ کی یہ روایت بھی ائمہ ثلاثہؒ کا مستدل ہے: إذا دخل العشر، وأراد أحدكم أن يضحي، فلا يمس من شعره، ولا بشره شيئا[۲]، اس میں لفظ "اراد" سے عدمِ وجوب مفہوم ہوتا ہے۔

امام صاحبؒ کی طرف سے پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے،[۳] جبکہ دوسری حدیث میں "اراد" کا لفظ تخییر کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ قصد وعمد کے معنیٰ میں ہے،[۴] اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ من أرادالحج فليعجل،[۵] (أو كما قال) اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ من أرادالصلوٰة فليتوضأ، اسی طرح ایک حدیث میں ہے: اذا اراد احدكم ان ياتي الجمعة فليغتسل[۶]، ان سب میں ارادہ قصد کے معنیٰ میں ہے، یعنی ان احکام میں، خواہ یہ فرض ہوں یا واجب ہوں یا سنّت ہوں، جب بھی کوئی ان کے ادا کرنے کا ارادہ کرے!

اسی طرح قربانی کے بارے میں بھی ہے کہ ان دنوں میں جب کوئی اس واجب قربانی کی ادائیگی کا ارادہ کرے تو اپنے بال نہ کاٹے اور نہ ہی ناخن تراشے، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے، سنّتِ مؤکدہ نہیں۔

باب وقتها
(قربانی کا وقت)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الى قوله) جُنْدَبُ بْنُ سُفْيَانَ، قَالَ :شَهِدْتُ الْأَضْحَى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَعْدُ أَنْ صَلَّى وَفَرَغَ

(۲) مسند احمد مسند عبد الله بن عباس رضي الله عنهما رقم الحديث: ۲۹۱۷.

(۳) سنن ابن ماجه ابواب الاضاحي باب من اراد ان يضحي الخ رقم الحديث ۳۱۴۰.

(۴) فتح الباری کتاب الاضاحی باب سنة الاضحية ج۱۶ ص ۳ وتكملة فتح الملهم ج۳ ص ۵۵۰.

(۵) تكملة فتح الملهم ج۳ ص ۵۵۰.

(۶) سنن ابن ماجه ابواب المناسك باب الخروج الى الحج رقم الحديث: ۲۸۷۳.

(۷) صحيح مسلم كتاب الجمعة رقم الحديث: ۱۳۹۳.

مِنْ صَلَاتِهِ سَلَّمَ، فَإِذَا هُوَ يَرَى لَحْمَ أَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ، فَقَالَ :مَنْ كَانَ ذَبَحَ أُضْحِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ -أَوْ نُصَلِّيَ -، فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ، فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللهِ (ص ۱۵۳ سطر ۱۲ تا ۱۵)

تشریح

قربانی کا اول وقت

قربانی کے لئے ایک ابتدائی وقت ہے اور ایک انتہائی وقت ہے، اس کے ابتدائی وقت میں ائمہ اربعہؒ کا اختلاف ہے، حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک شہروں میں جب امام نمازِ عید پڑھادے تو اس کا وقت قربانی کا شروع ہو جاتا ہے، خواہ پورے شہر میں کسی بھی جگہ نمازِ عید ادا ہو جائے اور چاہے جتنی جلد ادا کر دی جائے، بشرطیکہ وقت کے اندر اندر ہو، نمازِ عید کسی بھی جگہ ہو جانے کے بعد قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور ہر شخص قربانی کرسکتا ہے، خواہ ابھی تک اس نے عید کی نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، جبکہ گاؤں، دیہات میں صبحِ صادق کے بعد قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب تک امام قربانی نہ کرلے، اس وقت تک شہر والوں کے لئے قربانی کرنا درست نہیں، اگر کسی نے امام کی قربانی سے پہلے قربانی کرلی تو اس کو دوبارہ قربانی کرنی پڑے گی۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جب اتنا وقت گزر جائے کہ اس میں امام نماز بھی پڑھا لے اور قربانی بھی کرلے تو دوسروں کے لئے قربانی کرنا جائز ہو جائے گا، خواہ امام نے نماز اور قربانی ادا کی ہو یا نہ کی ہو۔ (۱)

قربانی کا آخری وقت

قربانی کے انتہائی وقت کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہؒ اور حضرات جمہورؒ کے نزدیک قربانی کا آخری وقت بارہ (۱۲) ذی الحجہ ہے، بارہ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک قربانی

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۵۵۰،۵۵۱۔

کا وقت ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ذی الحجہ کی تیرہ (۱۳) تاریخ کے غروب تک قربانی کا وقت ہے[1]، گویا ان کے نزدیک کل ایامِ قربانی چار ہیں۔

جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قربانی پہلے دن یعنی یوم النحر، اور دو دن اس کے بعد ہیں، گویا تین دن قربانی کے ہیں، یہ حدیث مؤطا امام مالک میں ہے۔[2]

حضرت امام شافعیؒ دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے: **کل فجاج مکة منحر و کل ایام التشریق ذبح،** (او کما قال[3]) کہ مکہ مکرمہ کا ہر راستہ قربانی کرنے کی جگہ ہے، یعنی حدودِ حرم میں کہیں بھی حج کی قربانی کی جاسکتی ہے، اور ایام تشریق قربانی کے دن ہیں، اور ایام تشریق سب کو معلوم ہیں کہ وہ ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ تک ہیں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ خَالَهُ أَبَا بُرْدَةَ بْنَ نِيَارٍ، ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ هَذَا يَوْمٌ اللَّحْمُ فِيهِ مَكْرُوهٌ، وَإِنِّي عَجَّلْتُ نَسِيكَتِي لِأُطْعِمَ أَهْلِي وَجِيرَانِي وَأَهْلَ دَارِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَعِدْ نُسُكًا، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ عِنْدِي عَنَاقَ لَبَنٍ هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَقَالَ:هِيَ خَيْرُ نَسِيكَتَيْكَ، وَلَا تَجْزِي جَذَعَةٌ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

(ص ۱۵۴ سطر ۵ تا ۷)

تشریح

قوله : إن هذا يوم اللحم فيه مكروه، (ص ۱۵۴ سطر ۶)

اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ **ان هذا يوم طلب اللحم فيه مكروه،** میں نے اس لئے جلدی قربانی کی کہ اس دن گوشت مانگنا برا سمجھا جاتا ہے، لہٰذا میں نے جلدی قربانی کر کے جس کو دینا تھا، دے دیا۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۳ ص ۵۵۱.

(۲) مؤطا امام مالکؒ کتاب الضحایا باب الضحیة عما فی بطن المرأة وذکر ایام الاضحی ج ۲ ص ۴۸۷.

(۳) المعجم الکبیر للطبرانیؒ رقم الحدیث: ۱۵۶۲.

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس دن گوشت اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ لوگ گوشت لینا پسند نہیں کرتے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے، جبکہ سب لوگ قربانی کرتے ہیں، اس لئے میں نے جلدی قربانی کر لی، تاکہ لوگ اسے بخوشی قبول کر لیں۔ (۱)

قوله: إن عندي عناق، (ص ۱۵۴ سطر ۷)

"عناق" بکری کے پانچ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں، پانچ ماہ کے بکری کے بچے کی قربانی نہیں ہوسکتی، کیونکہ بکری اور بکرے کی قربانی کے لئے ایک سال کا ہونا ضروری ہے، دُنبے اور بھیڑ میں کم از کم چھ ماہ کا ہو، اور فربہ ہونے کی وجہ سے وہ سال والے کے برابر لگتا ہو تو اس کی قربانی بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ اسی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: **ولا تجزی جذعة عن أحد بعدک**، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان صحابیؓ کی خصوصیت تھی۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ :مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ، وَذَكَرَ هَنَةً مِنْ جِيرَانِهِ، كَأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَهُ، قَالَ :وَعِنْدِي جَذَعَةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، أَفَأَذْبَحُهَا؟ قَالَ :فَرَخَّصَ لَهُ، -فَقَالَ :لَا أَدْرِي أَبَلَغَتْ رُخْصَتُهُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا -قَالَ :وَانْكَفَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا، فَقَامَ النَّاسُ إِلَى غُنَيْمَةٍ فَتَوَزَّعُوهَا، أَوْ قَالَ: فَتَجَزَّعُوهَا (ص ۱۵۴ سطر ۲۲ تا ص ۱۵۵ سطر ۱)

تشریح

قوله: وذکر هنة، (ص ۱۵۴ سطر ۲۳)

"هنة" کے معنی ہیں: حاجت،

قوله : وانکفأ رسول الله ﷺ الی کبشین، (ص ۱۵۵ سطر ۱)

آنحضرت ﷺ دو مینڈھوں کی طرف جھکے یا متوجہ ہوئے اور پھر ان کو ذبح کیا،

قوله : فتوزعوها، (ص ۱۵۵ سطر ۱)

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۵۵۳۔

پھر انہوں نے آپس میں ان کو بانٹ لیا۔

باب سن الأضحية

(قربانی کے جانور کی عمر)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ (ص ۱۵۵ سطر ۴، ۵)

تشریح

قوله: لا تذبحوا إلا مسنة، (ص ۱۵۵ سطر ۵)

"مسنة اور "ثنی" ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں، جو ایک سال کا ہو کر دوسرے سال میں لگ جائے، جبکہ گائے، بیل اور بھینس وغیرہ میں دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں لگ جائے، اور اونٹ میں پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں لگ جائے، اس کو "مسنّة" کہتے ہیں[1]، اردو میں ان کو دو دانت کہتے ہیں۔

صرف حضرت براء بن عازبؓ کے لئے عناق (بکری کے پانچ ماہ کے بچہ) کی قربانی کی اجازت دی گئی، اور حضور ﷺ نے فرمایا: **ولا تجزی جذعة عن احد بعدک**، جیسا کہ گذشتہ باب میں گذر چکا ہے، اور اسی طرح اس باب کی ایک حدیث میں حضرت عقبہ بن عامر کے لئے "عتود" کی قربانی کرنے کی اجازت دی، اور فرمایا: **ضح به أنت**، صرف تم اس کی قربانی کرلو، اور "عتود" بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں، جو اگر چہ سال کا تو نہ ہو، لیکن اس کی دیکھ بھال اچھے انداز میں کی گئی ہو، جس کی وجہ سے وہ خاصہ قوی ہو گیا ہو، جبکہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ "عتود" بکری کے ایک سال کے بچے کو کہتے ہیں[2]، بہر حال! اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان حضرات کی خصوصیت تھی، عام ضابطہ نہیں تھا۔

البتہ دنبہ اور بھیڑ میں "جذع" بھی قربانی کے لئے کافی ہے، "جذع" چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں، جس میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اتنا موٹا تازہ ہو کہ اگر اس کو ایک سال کے بچوں میں چھوڑا جائے تو زیادہ فرق محسوس نہ ہو۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۵۵۸.

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۵۵۔

باب استحباب الضحية، وذبحها مباشرة بلا توكيل، والتسمية والتكبير

(قربانی، اور اس کو بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر خود ذبح کرنا مستحب ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :ضَحَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ، وَسَمَّى وَكَبَّرَ، وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا (ص ۱۵۵ سطر ۱۲، ۱۳)

تشریح

قوله : أملحين (ص ۱۵۵ سطر ۱۳)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ أملح کے معنٰی ہیں: بالکل سفید رنگ کا ہونا، جبکہ امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ سفیدی کے ساتھ کچھ سیاہی بھی ملی ہو تو اس کو املح کہتے ہیں۔ [1]

قوله : أقرنين (ص ۱۵۵ سطر ۱۳)

یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو خوبصورت سینگ تھے۔

قوله : صفاحهما (ص ۱۵۵ سطر ۱۳)

یعنی ان کے کندھے کے ایک جانب پاؤں رکھا۔

اس باب کی احادیث سے اپنی قربانی کو خود کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ [2]

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ (الی قوله) ثُمَّ ذَبَحَهُ، ثُمَّ قَالَ :بِاسْمِ اللهِ، اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ ضَحَّى بِهِ (ص ۱۵۶ سطر ۵ تا ۷)

تشریح

قوله: باسم اللّٰه، اللّٰهم تقبل من محمد، وآل محمد، ومن أمة محمد، (ص ۱۵۶ سطر ۷)

(۱) الفائق ج ۱ ص ۳۳۳ وشرح النووی ج ۲ ص ۱۵۵۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۵۶۔

ایک بکری ایک سے زائد افراد کی طرف سے کرنے کا حکم

اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ایک بکری ایک سے زیادہ افراد کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

حنفیہؒ اور شافعیہؒ کے نزدیک درست نہیں، جبکہ حضراتِ مالکیہ چند شرائط کے ساتھ شرکت کی اجازت دیتے ہیں، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قربانی کر رہا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے گھر میں کچھ ایسے لوگ بھی رہتے ہیں، جو اس کے ماتحت ہوں، اور وہ ان کے نان ونفقہ کا بھی ذمہ دار ہو، خواہ وجوبا خواہ تبرعا، تو ایسی صورت میں ان افراد کو بھی اپنی بکری کی قربانی میں شریک کر سکتا ہے، اگر یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں تو پھر شرکت جائز نہیں۔

حضراتِ حنابلہؒ کے نزدیک ایک بکری میں ایک سے زیادہ افراد کی شرکت مطلقاً جائز ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اس میں آپ نے ایک مینڈھا اپنی طرف سے، آلِ محمد ﷺ کی طرف سے اور امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی طرف سے ذبح فرمایا۔

جمہورؒ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد قربانی میں شریک کرنا نہیں ہے، بلکہ قربانی کے ثواب میں شریک کرنا مراد ہے۔[1]

باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم، إلا السن، والظفر، وسائر العظام

(دانت اور ناخن اور دیگر ہڈیوں کے سوا ہر دھار والی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، (الى قوله) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قال قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا لَاقُو الْعَدُوِّ غَدًا، وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى، قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَعْجِلْ -أَوْ أَرْنِي -مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ، فَكُلْ، لَيْسَ السِّنَّ، وَالظُّفُرَ، وَسَأُحَدِّثُكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ ، قَالَ :وَأَصَبْنَا نَهْبَ إِبِلٍ وَغَنَمٍ، فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ، فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص ۵۲۴، ۵۲۵۔

فَحَبَسَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ لِهٰذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَإِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا (ص ۱۵۶ سطر ۸ تا ص ۱۵۷ سطر ۲)

تشریح

قوله: وليست معنا مدى، قال صلى الله عليه وسلم : أعجل (۱۵۶ سطر ۹)

فرمایا: تم کوئی ایسی چیز لے لینا جو اس کو جلدی سے ذبح کردے، یعنی چھری کے علاوہ کوئی اور دھاردار چیز لے لینا، اَرنی: اور مجھے تم دکھا دینا اور پوچھ لینا کہ اس سے ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قوله: ليس السن والظفر (ص ۱۵۶ سطر ۹)

جس دھاردار چیز سے بھی ذبح کرو، درست ہے، لیکن وہ دانت اور ناخن نہ ہو۔

ناخن اور دانت میں اگر دھار ہو تو اگر یہ جسم سے الگ ہوں تو ان سے ذبح کیا ہوا جانور حلال ہوگا لیکن مکروہ ہوگا، اس لئے کہ ان کی دھار بہت معمولی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ جانور کو ذبح کرنے میں جانور کو ضرورت سے زیادہ تکلیف ہوگی، اور تکلیف کی بناء پر کراہت ہوتی ہے، اور اگر دانت منہ میں ہوں اور ناخن انگلی پر ہو، یعنی اپنی جگہ پر ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ کیا ہوا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، کیونکہ اس وقت وہ دھار سے ذبح نہیں ہوگا، بلکہ زور لگانے سے ذبح ہوگا، لہٰذا وہ موقوذة کے حکم میں داخل ہوکر حرام ہو جائے گا۔

پالتو جانور کا جنگلی جانور کے حکم میں ہونا

قوله : فرماه رجل بسهم فحبسه الخ (ص ۱۵۷ سطر ۱)

حضرت نافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت میں ہمیں بہت سے اونٹ بھی ملے، جن میں سے ایک اونٹ بھاگ کھڑا ہوا، ایک شخص نے اس کو تیر مارا، جس کی وجہ سے وہ رُک گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی صورتحال میں اسی طرح ذبح کرلیا کرو، یعنی جب پالتو جانور جنگلی جانور کی طرح بدک کر بھاگنے لگے تو جیسے جنگلی جانور ذبح اضطراری سے حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح پالتو جانور بھی ذبح اضطراری سے حلال ہو جائے گا، اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اگر جنگلی جانور، پالتو جانور کی طرح ہو جائے تو پھر اس

کے لئے ذبح اختیاری ہوگا نہ کہ ذبح اضطراری، جیسے کوئی ہرن کو پال لے اور وہ اسکے پاس ہل جائے تو اب اس کے حلال ہونے کے لئے اس کو اپنے اختیار سے ذبح کرنا ضروری ہے، تیر وغیرہ مار کر حلال کرنے سے وہ حلال نہیں ہوگا۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ :كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ مِنْ تِهَامَةَ، فَأَصَبْنَا غَنَمًا وَإِبِلًا، فَعَجِلَ الْقَوْمُ فَأَغْلَوْا بِهَا الْقُدُورَ، فَأَمَرَ بِهَا فَكُفِئَتْ، ثُمَّ عَدَلَ عَشْرًا مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُورٍ الخ (ص۱۵۷ سطر ۲ تا ۴)

تشریح

قوله: فعجل القوم فأغلوا بها القدور، فامر بها فكفئت، الخ

(ص۱۵۷ سطر ۳،۴)

لوگوں نے بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کو ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا، آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے ہانڈیوں کو اُلٹنے کا حکم دیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ مالِ غنیمت کا استعمال دار الحرب میں رہتے ہوئے تو جائز ہے، لیکن اگر مالِ غنیمت دار الاسلام میں آجائے تو اب کسی کو بھی اس میں سے کھانا پینا، یا استعمال کرنا جائز نہیں، اور مذکورہ بالا اونٹ اور بھیڑ بکریاں وغیرہ دار الاسلام میں آگئی تھیں، اس لئے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کا استعمال کرنا ناجائز تھا، اس لئے آپ ﷺ نے ہانڈیوں کو اُلٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ (۱)

قوله: ثم عدل عشرا من الغنم بجزور، الخ (ص۱۵۷ سطر ۴)

پھر آپ ﷺ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا، اس سلسلے میں امام ابو اسحٰقؒ کا مسلک یہ ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس حصے ہوسکتے ہیں، جبکہ گائے میں سات حصے ہوتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے، ائمہ اربعہؒ اور جمہورؒ کے نزدیک جس طرح گائے میں سات حصے ہیں، اسی طرح اونٹ میں سات حصے ہیں، مذکورہ حدیث کا تعلق مالِ غنیمت کی تقسیم سے ہے نہ کہ قربانی سے، لہٰذا اس سے قربانی کے مسئلہ پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ البدنة

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۵۷۔

عن سبعة والبقرة عن سبعة، (او كما قال عليه السلام[1]**)** وجہ اس کی یہ ہے کہ قربانی کا قاعدہ الگ ہے اور مالِ غنیمت کا قاعدہ الگ ہے، مالِ غنیمت کی بنیاد قیمت لگانے پر، اگر اونٹ اچھی نسل کا ہے توہوسکتا ہے کہ وہ دس سے زیادہ بکریوں کی قیمت کے برابر ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی اونٹ پانچ بکریوں کی قیمت کے برابر ہو، جبکہ قربانی کا دارومدار قیمت پر نہیں، بلکہ اس کا مدار نقل پر ہے کہ آپ ﷺ نے جس جانور میں جتنے آدمیوں کی شرکت کو جائز قرار دیا، وہ اتنے ہی افراد کے لئے قابلِ شرکت ہے، قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔[2]

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، (الی قوله) عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ :قُلْنَا :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا لَاقُو الْعَدُوِّ (الی قوله) وَقَالَ :فَنَدَّ عَلَيْنَا بَعِيرٌ مِنْهَا، فَرَمَيْنَاهُ بِالنَّبْلِ حَتَّى وَهَصْنَاهُ (ص۱۵۷ سطر ۴ تا ۶)

تشریح

قوله: وهصناه (ص۱۵۷ سطر ۶)

وهض کا معنی ہے بہت زیادہ تیر مارنا، اور ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو زمین پر گرادیا۔[3]

باب بيان ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحى بعد ثلاث فى أول الإسلام، وبيان نسخه وإباحته....

(شروع اسلام میں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی جو بعد میں منسوخ ہوگئی)

حدثنا اسحاق بن ابراهيم الحنظلى (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَاقِدٍ، قَالَ :نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ ، قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ :فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعَمْرَةَ، فَقَالَتْ :صَدَقَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ، تَقُولُ :دَفَّ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ حُضْرَةَ الْأَضْحَى زَمَنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب الاشتراك فى الهدى الخ رقم الحديث:۳۲۲۲۔
(۲) شرح النووی ج۲ص۱۵۷۔
(۳) شرح النووی ج۲ص۱۵۷۔

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ادَّخِرُوا ثَلَاثًا، ثُمَّ تَصَدَّقُوا بِمَا بَقِيَ ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ النَّاسَ يَتَّخِذُونَ الْأَسْقِيَةَ مِنْ ضَحَايَاهُمْ، وَيَجْمُلُونَ مِنْهَا الْوَدَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا :نَهَيْتَ أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ، فَقَالَ :إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِي دَفَّتْ، فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَتَصَدَّقُوا

(۱۵۸ سطر ۷ تا ۱۱)

تشریح

قوله : الدافة (۱۵۸ سطر ۱۱)

لغت میں آہستہ چلنے والی جماعت کو کہتے ہیں، اور ان دیہاتیوں کو بھی کہتے ہیں جو شہر میں مانگنے آتے ہیں، اور یہاں دافۃ سے مراد وہ کمزور دیہاتی ہیں جو امداد اور غمخواری کے لئے شہر آتے ہیں۔[1]

قوله: إن الناس يتخذون الأسقية من ضحاياهم الخ (۱۵۸ سطر ۱۰)

یارسول اللہ! لوگ اپنی قربانی سے مشکیزے بنالیتے ہیں اور پھر اس میں چربی پگھلاتے ہیں اور مشکیزوں میں چربی بھر لیتے ہیں۔

قوله: نهى رسول الله ﷺ عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث الخ

(ص ۱۵۸ سطر ۱۰)

اس باب کی اکثر احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے تین دن تک قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا، اس کی وجہ بیان فرمائی کہ **إنما نهيتكم من أجل الدافة التي دفت**، کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا غریب دیہاتی اور بدؤوں کے آنے کی وجہ سے، یعنی شروع اسلام میں مسلمانوں میں بہت غربت تھی اور خاص طور پر دیہات میں غربت بہت زیادہ تھی، تو قربانی کے دنوں میں دیہاتوں سے غریب دیہاتی گوشت لینے کے لئے شہر آیا کرتے تھے، جیسا کہ ہمارے یہاں بھی گاؤں، دیہات اور قرب وجوار سے لوگ قربانی کا گوشت لینے آتے ہیں، ان کے آنے کی وجہ سے آپ ﷺ نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو فراخی نصیب ہوئی تو آپ ﷺ نے تین دن سے زیادہ کھانے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی کہ اب تم تین دن

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص

سے زیادہ بھی کھا سکتے ہو، اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو اور صدقہ وغیرہ بھی کر سکتے ہو۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا، وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَأَمْسِكُوا مَا بَدَا لَكُمْ، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيذِ إِلَّا فِي سِقَاءٍ، فَاشْرَبُوا فِي الْأَسْقِيَةِ كُلِّهَا، وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا (۱۵۹ سطر ۸ تا ۱۱)

تشریح

قوله: نهيتكم عن زيارة القبور، الخ (۱۵۹ سطر ۱۰)

باب کی اس آخری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے شروع میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی تھی، جن کی بعد میں اجازت دے دی، ان میں ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو شروع میں قبروں کی زیارت کے لئے جانے سے منع کیا تھا، اب تمہیں اس کی اجازت ہے، دوسری یہ کہ **نهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث،** میں نے تم کو پہلے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا، اب تمہیں اجازت ہے کہ تم جتنا چاہو، اپنے لئے رکھ سکتے ہو، تیسری چیز یہ تھی کہ شروع میں **نهيتكم عن النبيذ إلا في سقاء**، میں نے تم کو نبیذ "سقاء" (خاص برتن) کے علاوہ میں پینے سے منع کیا تھا، اب تمہیں اجازت ہے کہ جس برتن میں چاہو، نبیذ پی سکتے ہو۔

باب الفرع والعتيرة

(فرع اور عتیرہ قربانی کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا فَرَعَ، وَلَا عَتِيرَةَ ــــ الحديث (۱۵۹ سطر ۸ تا ۱۱)

تشریح

قوله: لا فرع، ولا عتيرة الخ (ص ۱۵۹ سطر ۱۱)

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۵۸، اسی وجہ سے قربانی کے گوشت کے بارے میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ اس کے تین حصے کر کے ایک تہائی اپنے کھانے کے لئے رکھ لے اور ایک تہائی پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو ہدیہ کر دے اور ایک تہائی صدقہ کر دے۔ تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۵۷۷ وبدائع الصنائع كتاب التضحية فصل وأما بيان ما يستحب قبل التضحية وعندها وبعدها وما يكره، ج ۵ ص ۸۰۔

اونٹنی، گائے یا بکری کے پہلے بچے کو "فرع" کہتے ہیں، اس پہلے بچے کو مشرکینِ عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور اس کے خون کو بت کے سر پر لگایا کرتے تھے۔

اور "عتیرۃ" رجب کے پہلے عشرہ میں قربانی کرنے کو کہتے ہیں، مشرکینِ عرب رجب کے پہلے عشرے میں قربانی کیا کرتے تھے، اس کو "عتیرۃ" کہتے ہیں، جس کا دوسرا نام "رجبیۃ" ہے۔[1]

ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ اب "فرع" اور "عتیرۃ" دونوں منسوخ ہیں، اور اب یہ ناجائز ہیں، ان کی دلیل حدیث الباب ہے، البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، بلکہ ان کے نزدیک مستحب ہے، جبکہ وہ اللہ کے نام پر ہو، اور اس حدیث کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ حدیثِ باب میں وجوب کی نفی ہے جواز کی نفی نہیں ہے[2]، ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! فرائع اور عتائر کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا دل چاہے "فرع" اور "عتیرۃ" کی قربانی کرے اور جس کا دل نہ چاہے نہ کرے، تو اس حدیث سے جواز ثابت ہوا۔[3]

باب تحریم الذبح لغیر اللّٰہ تعالیٰ ولعن فاعلہ

(غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت ہے)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) قال نا أَبُو الطُّفَيْلِ عَامِرُ بْنُ وَاثِلَةَ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ :مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسِرُّ إِلَيْكَ، قَالَ :فَغَضِبَ، وَقَالَ :مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسِرُّ إِلَيَّ شَيْئًا يَكْتُمُهُ النَّاسَ، (الی قوله) وَلَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ. (ص ۱۶۰ سطر ۱۳ تا ۱۶)

تشریح

قولہ: ولعن اللّٰہ من غیر منار الأرض، الخ (ص ۱۶۰ سطر ۱۶)

اور اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں ایسے شخص پر، جو زمین کے نشانات مٹائے، پہلے زمانے میں بھی اور آج کل بھی ہر آدمی کی زمین پر خود اس کی طرف سے لگائی جانیوالی نشانی یا سرکاری طور پر کوئی نشانی ہوتی

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص ۱۵۹۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص ۵۸۴، ۵۸۵ وشرح النووی ج۲ ص ۱۶۰۔

(۳) سنن النسائی باب الفرع والعتیرۃ رقم الحدیث: ۴۱۵۴ ومسند احمد حدیث الحارث بن عمرو رقم الحدیث: ۱۵۹۷۲۔

ہے، اس کو "مناد" کہتے ہیں،[1] اب جس کو کسی کی زمین پر قبضہ کرنا ہوتا، وہ اس کی زمین پر لگی ہوئی نشانیاں مٹا دیتا یا آگے پیچھے کر دیتا، اس پر بہت سخت وعید ہے کہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہے۔

كتاب الأشربة

شرابوں کا حکم

باب تحريم الخمر، وبيان أنها تكون من عصير العنب، ومن التمر والبسر والزبيب، وغيرها مما يسكر

(یہ باب حرمتِ خمر کے بیان میں ہے اور یہ کہ خمر انگور کے شیرہ سے بنتی ہے،
چھوارہ، کچی کھجور اور کشمش وغیرہ سے نشہ لانے والی شراب بھی خمر ہے)

جب مصنفؒ ما کولات کی احادیث کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب مشروبات کی احادیث بیان فرماتے ہیں، مشروبات میں حلال و جائز مشروبات بھی ہیں اور حرام و ناجائز مشروبات بھی ہیں۔

حرمتِ خمر کی حکمت

حضرت امام مسلمؒ نے بہت خوبصورت انداز میں حرمتِ خمر کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ احادیث طیبہ کی روشنی میں پہلے ایسے واقعات بیان فرمائے ہیں کہ جن میں شراب کے نقصانات کا ذکر ہے، اس کے بعد حرمتِ خمر کی احادیث بیان فرمائیں، اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ شارع نے شراب کو کیوں حرام قرار دیا؟ اور اس کی حکمت وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی کہ ﴿اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا[2]﴾ کہ اس کا نقصان اس کے نفع پر بڑھا ہوا ہے، اور شراب تو ویسے بھی اُمّ الخبائث ہے۔

ان واقعات میں سب سے خاص واقعہ حضرت علیؓ کا ہے، چونکہ اکثر احادیث میں یہ واقعہ مذکور ہے، اس لئے پہلے اس کا خلاصہ عرض کر دوں، غزوۂ بدر کے بعد حضرت علیؓ کے اپنے حصے میں ایک اونٹنی آئی اور ایک اونٹنی آپ ﷺ نے ذوی القربیٰ کے حصے کے طور پر ان کو عطا فرمائی، اس وقت تک حضرت علیؓ کے یہاں حضرت بی بی فاطمہؓ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی، رشتہ طے ہو چکا تھا، حضرت علیؓ نے سوچا کہ رخصتی کے لئے ولیمہ کا بندوبست کرنا چاہئے، ولیمہ اگرچہ واجب نہیں لیکن سنت ہے، اور حضور ﷺ کے

(۱) شرح النووي ج ۲ ص ۱۶۰۔
(۲) سورة البقرة: آیت نمبر ۲۱۹

زمانے میں یہ بھی رواج تھا کہ نکاح کے موقعہ پر مہر کا کچھ حصہ پیشگی دیا جاتا تھا، اس لئے اس کام کے لئے کچھ پیسے چاہئیں تھے، تو حضرت علیؓ نے بنو قینقاع جو مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، ان میں سے ایک سنار کو اپنے ساتھ لیا کہ ہم دونوں مل کر جنگل سے اِذخر گھاس جمع کریں گے اور اس کو ان اونٹیوں پر لاد کر شہر میں لائیں گے اور ان کو بیچیں گے، اور اس سے جو آمدنی ہوگی، اس میں سے اپنے حصے سے، میں اپنے ولیمے کا بندوبست کروں گا، چنانچہ حضرت علیؓ نے وہ دونوں اونٹیاں ایک انصاری کے مکان کے باہر باندھ رکھی تھیں اور گھاس کے لئے بورے اور تھیلے وغیرہ جمع فرمار ہے تھے، اس مکان میں حضرت حمزہؓ اور ان کے احباب شراب نوشی میں مصروف تھے، اور اپنے رواج کے مطابق گانے بجانے میں مشغول تھے، اس وقت تک شراب نوشی اور خوش طبعی کے لئے گانا بجانا ممنوع نہیں ہوا تھا، چنانچہ ایک گانے والی باندی نے یہ مصرعہ پڑھ دیا

ألا يا حمز للشرف النواء

اے حمزہ! موٹی موٹی اونٹنیاں باہر کھڑی ہیں، یہ سنتے ہی حضرت حمزہؓ جو نشے میں تھے، اُٹھے اور اونٹنیوں کے کوہان اور ان کی کوکھیں کاٹ دیں، اور ان کا کام تمام کر دیا، حضرت علیؓ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا اور انہوں نے آکر دیکھا تو ان کو بہت دُکھ ہوا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ روتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری صورتحال بیان کی، آپ ﷺ زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر حضرت حمزہؓ کی طرف روانہ ہوئے، جب وہاں پہنچے اور حضرت حمزہؓ پر غصہ کا اظہار فرمایا تو چونکہ وہ نشہ میں تھے، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کی طرف سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا **هل أنتم إلا عبيد لآبائي**، کہ تم میرے آباء واجداد کے غلام ہو، باپ سے یہاں حضرت عبدالمطلب کی طرف اشارہ تھا، آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ نشہ کی حالت میں ہیں، چنانچہ آپ ﷺ وہاں سے الٹے پاؤں واپس تشریف لے آئے، اور حضرت علیؓ نے بعد میں حضرت حمزہؓ سے ان دو اونٹنیوں کا ضمان وصول کیا یا نہیں؟ ان احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ[1] نے فتح الباری میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ابوبکر بن عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دو اونٹنیوں کا تاوان دلوایا تھا ___ بہر حال شراب کے نشے کی وجہ سے اتنا بڑا واقعہ اور حادثہ رونما ہوا اور حضرت علیؓ کا اتنا بڑا مالی نقصان ہوا۔ حضرت امام مسلمؒ نے کتاب الاشربہ کے شروع میں یہ حدیث لکھی تاکہ شراب کے حرام ہونے کی حکمت معلوم ہو جائے۔

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۶۱ وفتح الباری ج ۶ ص ۲۰۱۔

ہے، اس کو "منار" کہتے ہیں،(۱) اب جو

نشانیاں مٹا دیتا یا آگے پیچھے کر

سے لعنت

قَالَ :كَانَتْ لِي شَارِفٌ

رِلْ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ

م، وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ

ارَدْتُ أَنْ أَبِيعَهُ مِنَ الصَّوَّاغِينَ فَأَسْتَعِينَ بِهِ فِي

وِيمِ أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِفَيَّ مَتَاعًا مِنَ الْأَقْتَابِ، وَالْغَرَائِرِ

وَالْحِبَالِ، رِفَايَ مُنَاخَتَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَجَمَعْتُ حِينَ جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ، فَإِذَا شَارِفَايَ قَدِ اجْتُبَّتْ أَسْنِمَتُهُمَا، وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا، وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ حِينَ رَأَيْتُ ذَلِكَ الْمَنْظَرَ مِنْهُمَا، قُلْتُ :مَنْ فَعَلَ هَذَا؟ قَالُوا :فَعَلَهُ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَهُوَ فِي هَذَا الْبَيْتِ فِي شَرْبٍ مِنَ الْأَنْصَارِ غَنَّتْهُ قَيْنَةٌ وَأَصْحَابَهُ، فَقَالَتْ فِي غِنَائِهَا:أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ، فَقَامَ حَمْزَةُ بِالسَّيْفِ فَاجْتَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا، فَأَخَذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، فَقَالَ عَلِيٌّ :فَانْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ، قَالَ :فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِيَ الَّذِي لَقِيتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا لَكَ؟ قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، وَاللهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ، عَدَا حَمْزَةُ عَلَى نَاقَتَيَّ، فَاجْتَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا، وَهَا هُوَ ذَا فِي بَيْتٍ مَعَهُ شَرْبٌ، قَالَ :فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِدَائِهِ فَارْتَدَاهُ، ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتَّى جَاءَ الْبَابَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةُ، فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنُوا لَهُ، فَإِذَا هُمْ شَرْبٌ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ، فَإِذَا

حَمْزَةُ مُحْمَرَّةٌ عَيْنَاهُ، فَنَظَرَ حَمْزَةُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى سُرَّتِهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ، فَقَالَ حَمْزَةُ :وَهَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي، فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ثَمِلٌ، فَنَكَصَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَقِبَيْهِ الْقَهْقَرَى، وَخَرَجَ وَخَرَجْنَا مَعَهُ. (ص ۱۶۱ سطر ۱۳ ص ۱۶۲ سطر ۹)

تشریح

قوله : الأقتاب، والغرائر والحبال،الخ (ص ۱۶۲ سطر ۱)

اقتاب ،جمع ہے قتب کی، پالان کو کہتے ہیں،غرائر،غریرۃ کی جمع ہے، تھیلے، حبال، حبل کی جمع ہے،اس کا معنیٰ ہیں: رسّی۔شارف: اونٹنی کو کہتے ہیں،اکباد، کبد کی جمع ہے،اس کے معنی ہیں کلیجی۔

قوله : فی شرب(ص ۱۶۲ سطر ۳) شرب کے معنیٰ ہے: شرابیوں کی جماعت۔

قوله : ثمل (ص ۱۶۲ سطر ۸) **ثمل** کا معنیٰ ہے: سکران،

حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ يَوْمَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فِي بَيْتِ أَبِي طَلْحَةَ، وَمَا شَرَابُهُمْ إِلَّا الْفَضِيخُ :الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ......الحديث (ص ۱۶۲ سطر ۱۰، ۱۱)

تشریح

قوله : الفضيخ....(ص ۱۶۲ سطر ۱۱)

کچی اور پکی کھجور دونوں کو ملا کر جو شراب بنائی جائے اس کو فضیخ کہتے ہیں۔اور اس کو خلیط البسر والتمر بھی کہتے ہیں۔

شرابوں کی حرمت کا حکم اور ائمہ کا اختلاف

حضرات ائمۂ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ہر نشہ لانے والا مشروب خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے، ان کی دلیل: **کل مسکر خمر و کل خمر حرام** ہے[1]، لہٰذا شراب کی ہر وہ قسم جو نشہ آور ہو، ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک خمر ہے۔

خمر کے لئے چار حکم ہیں:

(۱) ... اس کا قطرہ قطرہ حرام ہے۔ (۲) ... موجب حد ہے۔

(۳) ... ناپاک ہے۔ (۴) ... اور اس کی بیع ناجائز ہے۔

ائمۂ ثلاثہؒ کے نزدیک یہ احکام ہر شراب پر لاگو ہوں گے، خواہ واقعۃً وہ خمر ہو یا اشربۂ اربعہ میں سے اربعۂ ثلاثہ ہوں اور خواہ وہ ان چار شرابوں کے علاوہ دیگر شرابوں میں سے کوئی اور شراب ہو۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک شراب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) و (۲) ... اشربۂ اربعہ میں سے قسم اول الگ ہے اور باقی اشربۂ ثلاثہ الگ ہیں۔

(۳) ... ان چار شرابوں کے علاوہ باقی دیگر شرابیں۔ چاہے وہ جو کی ہو یا مکئی کی ہو یا جوار و باجرہ کی شراب ہو، یا گنے کی شراب ہو۔

پہلی قسم وہ ہے جو کچے انگور کے پانی سے بنائی جائے، اور اس میں **اذا غلا و اشتد و قذف بالزبد** کی صفت پیدا ہو جائے، حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اصل خمر یہ ہے، اور اس کی حرمت قطعی ہے، ظنی نہیں ہے۔

دوسری قسم ہے: **طلاء**، انگور کا کچا شیرہ جب آگ پر پکایا جائے اور ایک تہائی سے کم اس میں سے جل جائے اور دو تہائی سے کچھ زیادہ بچ جائے اسکو "طلاء" کہتے ہیں، یہ بھی حرام ہے۔

تیسری قسم "**نقیع الزبیب**"، وہ یہ ہے کہ پانی میں کشمش ڈال دی جائے، جس سے پانی میٹھا ہو جائے اور اس میں جوش آجائے اور اس میں نشہ لانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

چوتھی قسم "**نقیع التمر**"، چھوارے یا کھجوریں پانی میں ڈال کر رکھ دی جائیں اور اس میں **اذا غلا و اشتد و قذف بالزبد** کی صفت پیدا ہو جائے، یعنی اس میں جوش آجائے گاڑھی ہو جائے اور

---

(۱) صحیح مسلم ج۲ ص۱۶۸

جھاگ پیدا ہو جائیں، یعنی اس میں نشہ لانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

ان تین اشربۂ ثلاثہ کی حرمت ظنّی ہے، اس کے علاوہ باقی شرابیں تیسری قسم میں آتی ہیں، جیسے جو، مکئی، جوار، باجرہ، گنا وغیرہ۔ یہ من وجہ خمر کے مشابہ ہیں اور من وجہ اشربۂ ثلاثہ کے۔

اگر ان میں پہلی قسم کے مشابہ ہونے کا لحاظ کریں تو اس کے چار حکموں میں دو حکم یعنی قطرہ قطرہ حرام اور ناپاک ہونا اس پر لاگو ہوں گے، اور اگر دوسری قسم کے مشابہ ہونے کا اعتبار کریں تو دو حکم اس کے لاگو ہوں گے، یعنی اتنی مقدار میں اگر ان کو پیا جائے جس سے نشہ آجائے تو موجب حد ہو گی ورنہ نہیں، اور دوسرا حکم یہ کہ ان کی بیع جائز ہوگی۔

خمر کے بارے میں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حرام ہے، البتہ اس کی اقسام کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں شراب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... انگور کا کچا شیرہ جب اس میں جوش آجائے اور وہ مسکر ہو جائے تو اس کو خمر کہتے ہیں، لغۃً بھی اور حقیقۃً بھی، اس کے چار احکام ہیں:

(۱) ... ایک ایک قطرہ حرام ہے۔ (۲) ... ناپاک ہے۔

(۳) ... موجب حد ہے۔ (۴) ... اور اس کی بیع ناجائز ہے۔

دوسری قسم اشربۂ ثلاثہ کی ہے، یعنی **طلاء**، **نقیع التمر**، **نقیع الزبیب**، جب یہ مسکر ہو جائیں، ان کو مجازاً خمر کہتے ہیں۔ یہ حرام و نجس تو ہیں لیکن قلیل مقدار جو حدِ سکر کو نہ پہنچے وہ موجب حد نہیں اور اسی طرح ان کی بیع بھی جائز ہے۔

شراب کی تیسری قسم وہ ہے جو ان چار کے علاوہ ہوں۔

اس تیسری قسم کی شرابوں کی من وجہ مشابہت قسم اول یعنی خمر سے ہے اور من وجہ مشابہت قسم ثانی یعنی اشربۂ ثلاثہ سے ہے، لہٰذا اس تیسری قسم نے ہر ایک کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے دو دو حکم لے لئے، قسمِ اول کی مشابہت کی وجہ سے یہ حرام اور قلیل و کثیر ناپاک ہے، اور قسمِ ثانی کی مشابہت کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہے (امام صاحبؒ کے نزدیک)، اور حدِ سکر سے کم موجب حد نہیں ہے۔

ائمۂ ثلاثہ اور جمہورؒ فرماتے ہیں کہ ہر شرابِ مسکر خمر ہے اور خمر کے چار حکم اس میں پائے جاتے

ہیں چاہے وہ اشربۂ اربعہ ہوں یا اس کے علاوہ دیگر شرابیں ہوں۔غرضکہ ان کے نزدیک مذکورہ تینوں قسموں کا حکم ایک ہے کہ یہ سب خمر ہیں اور ان میں خمر کے مذکورہ چاروں احکام پائے جاتے ہیں۔

حنفیہ نے لغت اور احادیثِ طیبہ دونوں سے استدلال کیا ہے، امامِ لغت ابن منظورؒ نے **لسان العرب** میں فرمایا ہے کہ خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں جب وہ مسکر ہو جائے، اور امامِ لغت علامہ جوھری نے صحاح میں خمر کی یہی تعریف کی ہے[1]، لہٰذا ثابت ہوا کہ لغت میں خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں۔جب **اذا غلا و اشتدو قذف بالزبد** کی صفت اس میں پیدا ہو جائے۔

انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ دیگر اشربہ کو لغۃً خمر نہیں کہتے، تقریباً چودہ یا اس سے کچھ زائد احادیثِ طیبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خمر اور غیر خمر اشربہ الگ الگ ہیں، خمر میں سکر کی قید نہیں، اس کا ایک ایک قطرہ بھی موجبِ حد ہے، جبکہ غیر خمر میں موجبِ حد ہونے کے لئے سکر کی قید پائی جاتی ہے۔

طحاوی شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یمن میں دو قسم کی شرابیں ہوتی ہیں، ایک گندم (یا شہد) سے بنتی ہے اور ایک جو سے بنتی ہے، جو گندم (یا شہد) سے بنتی ہے اسے "بتع" کہتے ہیں، اور جو جو سے بنتی ہے اس کو "مزر" کہتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حدِ نشہ سے کم کم پی سکتے ہو[2]، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ شرابیں خمر نہیں اور خمر کا جو حکم اوپر گزرا وہ ان کا نہیں، کیونکہ اگر یہ خمر ہوتیں تو ان کا قطرہ قطرہ حرام اور نجس ہوتا، لہٰذا حدِ نشہ سے کم کم پینے کی آپ ﷺ اجازت کیسے دے سکتے تھے؟

اسی طرح طحاوی شریف میں ایک اور روایت ہے جس میں آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ **حرمت الخمر لعینھا والسکر من کل شراب**[3] خمر بالذات حرام کی گئی ہے جبکہ دیگر اشربہ کا سکر کی حد تک پینا حرام ہے۔

ائمۂ ثلاثہ اور جمہورؒ بھی احادیثِ طیبہ سے استدلال فرماتے ہیں، شارحین نے تقریباً دس احادیثِ طیبہ ان کے موقف میں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے بطورِ نمونہ دو تین آپ کے سامنے عرض

---

(۱) الصحاح للجوھری حرف المیم مادۃ "مزر" ۲/۱۶۸۔

(۲) شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب ما یحرم من النبیذ ۲/۳۲۷۔

(۳) شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب ما یحرم من النبیذ ۲/۳۲۳۔

کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ مسجد نبوی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ **نَزَلَ تَحرِيمُ الخَمرِ** خمر کی حرمت نازل ہو چکی ہے، **وهي من خمسة اشياء** اور وہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے، **العنب والتمر والحنطة و الشعير والعسل، والخمر ماخامر العقل**[1]، اور خمر اس کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے، اس سے ثابت ہوا کہ کل مسکر خمر، کیونکہ سکر سے انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ابوداؤد شریف میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن من العنب خمرا، وإن من التمر خمرا، وإن من العسل خمرا، وإن من البر خمرا، وإن من الشعير خمرا[2]

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے عنب، تمر، عسل وغیرہ سے بننے والی شراب کو خمر فرمایا۔

حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب بھی احادیث طیبہ سے ثابت ہے، اور جمہور کا مذہب بھی احادیثِ طیبہ سے ثابت ہے، البتہ لغت کے اعتبار سے حنفیہ کا مذہب قوی ہے، کیونکہ لغت میں خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں، جبکہ روایۃً ائمہ ثلاثہ کا مذہب زیادہ قوی ہے۔

الکحل کا حکم

ایک شراب وہ ہے جو تقریباً سو سال سے ہمارے زمانے میں وجود میں آئی ہوئی ہے، اس کو الکحل کہتے ہیں، یہ شراب کی روح ہے، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اشربۂ اربعہ سے الکحل حاصل کیا جائے تو خمر کے چاروں احکام اس پر لاگو ہوں گے، اور اگر اشربۂ اربعہ کے علاوہ کسی اور چیز سے اس کو بنایا جائے، جیسے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، گنے کا چھلکا، پٹرول وغیرہ، تو ایسا الکحل پاک ہوگا، دواءً اسکا استعمال بھی جائز ہوگا اور غذاءً استعمال بھی حدِ سکر سے کم کم جائز ہوگا، چونکہ یہ پاک ہے لہٰذا اس کا اسپرے وغیرہ کپڑے یا بدن پر لگانا جائز ہے، اس سے کپڑے یا بدن ناپاک نہیں ہوں گے، ہومیو پیتھک کی اکثر دواؤں میں الکحل استعمال ہوتا ہے، اسی طرح ایلو پیتھک دواؤں کے مشروبات میں بھی الکحل

---

(۳) صحیح البخاری کتاب الأشربة باب ما جاء فی أن الخمر ماخامر العقل من الشراب رقم الحدیث: ۵۱۶۰

(۴) سنن ابی داؤد کتاب الأشربة باب الخمر مما هو؟ رقم الحدیث: ۳۱۹۱۔

استعمال ہوتا ہے، لیکن چونکہ یہ عام طور پر اشربۂ اربعہ کے علاوہ دیگر حلال اور پاکیزہ چیزوں سے حاصل کیا جاتا ہے، اس لئے حدِ سکر سے کم کم دوا یا غذاء کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے۔ [۱]

جب آپ ﷺ نے شراب کی حرمت کا اعلان فرمایا تو وہ شراب مدینہ کی گلیوں میں نالیوں میں بہہ رہی تھی، چونکہ شراب کو حرام اور ناپاک قرار دیا گیا تو جو لوگ اس کی حرمت سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے، لوگوں کو ان کے بارے میں شبہ ہوا کہ ان کا کیا انجام ہوگا؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيۡسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوۡا اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. (المائدة: ۹۳) [۲]

جس کا حاصل یہ ہے کہ ان سے اس پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الی قوله) أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُخْلَطَ التَّمْرُ وَالزَّهْوُ، ثُمَّ يُشْرَبَ.....الحديث(ص ۱۶۳ سطر ۹، ۱۰)

تشریح

قوله : الزهو (ص ۱۶۳ سطر ۱۰) کچی کھجور کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ، قَالَ :كُنْتُ أَسْقِي أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، وَأَبَا طَلْحَةَ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِنْ فَضِيخٍ وَتَمْرٍ، فَأَتَاهُمْ آتٍ، فَقَالَ :إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ :يَا أَنَسُ، قُمْ إِلَى هَذِهِ الْجَرَّةِ فَاكْسِرْهَا، فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى تَكَسَّرَتْ(ص ۱۶۳ سطر ۱۰ تا ۱۲)

تشریح

قوله : مهراس (ص ۱۶۳ سطر ۱۲) پتھر کو تراش کر بنایا ہوا برتن۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۵۹۹ تا ۶۰۸۔

باب تحریم تخلیل الخمر

(خمر کا سرکہ بنانے کا حکم)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ تُتَّخَذُ خَلًّا، فَقَالَ :لَا. (ص ۱۶۳ سطر ۱۴، ۱۵)

تشریح

خمر کو سرکہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر خمر رکھی ہوئی خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، اور وہ پاک اور حلال ہے، اور اگر کوئی اپنے اختیار سے خمر کو سرکہ بنائے تو اس میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خمر سے سرکہ بنانا بلا کراہت جائز ہے، وہ حلال بھی ہے اور پاک بھی ہے، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں خمر کا سرکہ بنانا جائز نہیں، اگر بنالیا تو وہ حرام ہوگا اور ناپاک ہوگا اور اس کا استعمال کرنا ناجائز ہوگا، بشرطیکہ اس میں کوئی پاک چیز ڈال کر سرکہ بنایا جائے اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ شراب کا سرکہ بنانا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے سرکہ بنالیا تو وہ پاک اور حلال ہوگا، شوافع اور حنابلہ کی دلیل حدیث الباب ہے، اس میں آپ ﷺ نے سرکہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے: خیر خلکم خل خمر کم، جس کو امام سخاویؒ نے المقاصد الحسنۃ میں ص ۲۰۶ پر نقل فرمایا ہے۔[1] بہترین سرکہ وہ ہے جو خمر سے بنایا جائے، بعض حضرات نے اگرچہ اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے، لیکن متعدد حضرات نے اس کی توثیق بھی کی ہے، حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی، وہ مرگئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کے چمڑے کو دباغت کیوں نہ دے دی؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! وہ تو میتہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دباغت سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے، جیسے خمر کا سرکہ بن جانے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔[2]

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تھی تو اس وقت آپ ﷺ نے کئی دوسری چیزوں کو بھی حرام فرمایا تھا، جیسے شراب کے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا، اسی طرح آپ ﷺ نے خمر کا سرکہ بنانے سے بھی منع فرمایا، سدًا للذریعۃ[3]، دلیل اس کی یہ ہے، حضرت انسؓ

---

(۱) السنن الکبری للبیہقیؒ کتاب الرھن باب ذکر الخبر الذی ورد فی خل الخمر، رقم الحدیث: ۱۱۲۰۳۔

(۲) سنن الدار قطنی کتاب الاشربۃ باب اتخاذ الخل من الخمر رقم الحدیث: ۴۷۶۲۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۲ ص ۲۱۴

سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے یہاں ایک یتیم بچہ تھا، انہوں نے اس یتیم کے لئے خمر خریدی، خریدنے کے بعد حضور ﷺ نے اس کو حرام قرار دے دیا، انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے یتیم کے لئے خمر خریدی تھی لیکن آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا، کیا میں اس کا سرکہ نہ بنالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لا[1]، (کما فی الدار قطنی فی سننه) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس وقت آپ ﷺ نے شراب کو حرام فرمایا تھا، اس وقت شراب کو سرکہ بنانے سے بھی منع فرمادیا تھا، پھر جس طرح بعد میں شراب کے برتنوں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی، ایسے ہی شراب کو سرکہ بنانے کی اجازت بھی آپ ﷺ نے دے دی۔

باب تحريم التداوى بالخمر

(خمر سے علاج کرنا حرام ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الى قوله) أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ الْجُعْفِيَّ، سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ، فَنَهَاهُ -أَوْ كَرِهَ -أَنْ يَصْنَعَهَا، فَقَالَ :إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ، فَقَالَ :إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ، وَلَكِنَّهُ دَاءٌ. (ص ۱۶۳ سطر ۱۵ تا ۱۷)

تشریح

حرام اشیاء سے علاج کرنے کا حکم

حرام اشیاء جیسے شراب اور پیشاب وغیرہ سے علاج کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے، شوافعؒ کے نزدیک نشہ لانے والی اشیاء جیسے شراب وغیرہ کے علاوہ دیگر حرام و ناجائز اشیاء سے علاج کرنا جائز ہے جبکہ اس سے شفا کا قوی امکان ہو۔

حنفیہ میں بھی اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ حرام اشیاء سے علاج کرنا جائز نہیں، لیکن حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن اکثر مشائخ حنفیہ نے اس پر فتوی دیا ہے کہ اگر کوئی طبیب حاذق مریض سے کہے کہ تمہارے مرض کا علاج اس حرام و نجس چیز کے علاوہ کسی اور میں نہیں، اور اسی سے تمہیں شفاء ہوگی تو اس کے لئے اُس سے علاج کرانا جائز ہے، (اس مسئلہ کی دلائل کے ساتھ پوری تفصیل **تکملة فتح الملهم جلد ثانی کتاب القسامة** ۳۰۱ پر ملاحظہ ہو)۔

---

(۱) مسند ابی یعلی الموصلیؒ رقم الحدیث: ۲۳۹۳ و سنن الدار قطنی کتاب الاشربة باب اتخاذ الخل من الخمر رقم الحدیث: ۴۷۶۵

باب كراهة انتباذ التمر والزبيب مخلوطين

(کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُنْبَذَ التَّمْرُ وَالزَّبِيبُ جَمِيعًا، وَنَهَى أَنْ يُنْبَذَ الرُّطَبُ وَالْبُسْرُ جَمِيعًا(ص ۱۶۳ سطر ۲۲،۲۳)

تشریح

کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانا مکروہ ہے

کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانا کیسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، ائمۂ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے، اور اس باب کی تمام احادیث ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، جمہور مکروہِ تنزیہی فرماتے ہیں۔[1]

احناف کے دلائل

حنفیہ کی دلیل ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ حضرت صفیہ بنت عطیہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کھجور و کشمش کی نبیذ کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کہ میں خود حضور ﷺ کے ایک مٹھی کھجور اور ایک مٹھی کشمش لیتی ہوں اور دونوں کو پانی میں ڈال دیتی ہوں اور پھر ان کو مسلتی ہوں، اس کے بعد پھر ان سے نبیذ بنا کر حضور ﷺ کو پلاتی ہوں۔[2]

ابوداؤد شریف ہی کی دوسری روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں کچھ کھجوریں اور کچھ کشمش لیکر ایک برتن میں ڈال دیتی ہوں اور پھر جب اس سے پانی میٹھا ہو جاتا ہے تو حضور ﷺ کو پلا دیتی ہوں۔[3]

ایک وہ واقعہ ہے جو ہدایہ میں ہے کہ ابن زیاد نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاں افطار کیا، کھانا وغیرہ کھانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مشروب پلایا، مشروب پی کر وہ گھر چلے گئے اور دوسرے دن ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اے عبداللہ! کل تم نے کیا پلایا تھا؟

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۶۴

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الأشربة باب فی الخلیطین رقم الحدیث: ۳۷۰۷ [printed: ۳۲۲۱].

(۳) سنن ابی داؤد کتاب الأشربة باب فی الخلیطین رقم الحدیث: ۳۲۲۰.

گھر جانا مشکل ہو گیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس میں عجوہ اور کشمش کے علاوہ اور کچھ نہیں ملایا، اگر ناجائز ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کیسے یہ نبیذ بناتے اور پھر دوسروں کو کیسے پلاتے؟ معلوم ہوا کشمش اور کھجور ملا کر نبیذ بنانا جائز ہے۔ (۱)

اس لئے حنفیہ ان احادیث باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جس وقت شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تھا، تو شراب کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے شراب کے متعلق دیگر بہت سی چیزوں سے بھی منع فرمایا تھا، جیسے شراب کے برتنوں کا استعمال، شراب کا سرکہ بنانا وغیرہ تو اس وقت کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانے سے بھی منع فرمایا تھا، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب دو چیزیں پانی میں ڈال کر نبیذ بناتے ہیں تو اس کے جلد نشہ آور ہونے کا امکان ہوتا ہے، لہٰذا خدشہ تھا کہ اس طرح سے نبیذ بنانے کی اجازت کہیں دوبارہ شراب پینے تک نہ پہنچا دے، اس لئے اس دروازہ کو بھی بند کر دیا گیا، بعد میں جب شراب کی حرمت اچھی طرح ذہنوں میں راسخ اور پختہ ہو گئی تو جس طرح دیگر چیزوں کی اجازت دی گئی، کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ (تکملة فتح الملهم) (۲)

باب النهي عن الانتباذ في المزفت والدباء والحنتم والنقير، وبيان أنه منسوخ، وأنه اليوم حلال ....

(مزفت، دباء، حنتم اور نقیر میں نبیذ بنانے کی ممانعت اور یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہے)

اس باب کے شروع میں حضرت امام مسلمؒ وہ احادیث لائے ہیں، جن سے شراب کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، پھر آخر میں اجازت کی احادیث لائے ہیں معلوم ہوا کہ جن احادیث میں شراب کے برتن استعمال کرنے کی ممانعت ہے وہ منسوخ ہیں اور جن احادیث میں اجازت ہے وہ انکے لئے ناسخ ہیں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنْبَذُ لَهُ فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ (ص ١٦٢ سطر ٢٥)

---

(۱) الهداية: ج ۴ ص ۳۹۶، كتاب الأشربة۔

(۲) تكملة فتح الملهم ج ۳ ص ۶۱۸

تشریح

تور: پتھر کے بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔[1]

باب بیان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام

(ہر مسکر خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ، فَقَالَ :كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ

(ص۱٦۷ سطر۵،٦)

تشریح

شہد کی شراب کو "بتع" بھی کہتے ہیں۔

قوله : كل شراب أسكر فهو حرام (ص۱٦۷ سطر۲)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، جیسے **انما الأعمال بالنيات** جوامع الکلم میں سے ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، (الی قوله) سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، (الی قوله) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :كُلُّ مَا أَسْكَرَ عَنِ الصَّلَاةِ فَهُوَ حَرَامٌ

(ص۱٦۷ سطر۱۳ تا۱٦)

تشریح

قوله: كل ما أسكر عن الصلاة فهو حرام (ص۱٦۷ سطر۱٦)

یہ تخصیص بعد التعمیم ہے، اس میں کوئی تعارض نہیں۔[2]

باب عقوبة من شرب الخمر إذا لم يتب منها بمنعه إياها في الآخرة

(آخرت میں شراب پینے کی سزا جبکہ پینے والا توبہ نہ کرے)

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱٦٦۔

(۲) تکملة فتح الملہم ج۳ ص٦۳۹۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ

(۱٦۷ سطر ۲۳، ۲۴)

تشریح

قوله: لم يشربها في الآخرة، الخ (۱٦۷ سطر ۲۴)

شارحین نے اس کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں شراب کو حلال سمجھ کر پیا، وہ ہمیشہ کے لئے آخرت میں اس سے محروم کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس نے شراب کو حلال سمجھ کر تو نہیں پیا، لیکن شراب پینے کے بعد اس سے توبہ نہیں کی اور مر گیا تو آخرت میں اوّلاً شراب پینے سے محروم رہے گا، جب اپنے کئے کی سزا پا کر جنت میں جائے گا تو پی لے گا۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پیے گا، اور توبہ کئے بغیر مر جائے گا وہ جنت میں جا کر بھی شراب پینے سے محروم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی طبیعت ایسی بنا دیں گے کہ اس کی شراب پینے کی چاہت ختم ہو جائے گی۔ [1]

باب إباحة النبيذ الذی لم يشتد ولم يصر مسكرا

(نبیذ جائز ہے جبکہ وہ نشہ لانے والی نہ ہو)

اس باب میں نبیذ کا حکم بیان کیا جارہا ہے، انگور کی نبیذ، کھجور کی نبیذ یا کشمش کی نبیذ یا کسی اور چیز کی نبیذ اس کو کہتے ہیں کہ ان چیزوں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور جب پانی میٹھا ہو جائے تو اسے پی لیا جائے، چونکہ نبیذ حدِ سکر سے کم کم ہوتی ہے، اس لئے یہ بالاجماع پاک اور حلال ہے، اور آپ ﷺ سے اس کا پینا ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، ہاں البتہ آپ ﷺ ایک دو دن تک اس کو پیتے، جب دیکھتے کہ اس میں سکر کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں تو اس کو پھینکنے کا حکم فرما دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :كُنَّا نَنْبِذُ

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱٦۸ و تکملة فتح الملهم ج۳ ص ۲۳۰ و ۲۳۱۔

لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سِقَاءٍ يُوكَى أَعْلَاهُ وَلَهُ عَزْلَاءُ... الحديث (ص۱۶۸ سطر ۲۰، ۲۱)

تشریح

عزلاء کے معنی سوراخ کے آتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: دَعَا أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُرْسِهِ، فَكَانَتِ امْرَأَتُهُ يَوْمَئِذٍ خَادِمَهُمْ وَهِيَ الْعَرُوسُ، قَالَ سَهْلٌ: تَدْرُونَ مَا سَقَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَنْقَعَتْ لَهُ تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ، فَلَمَّا أَكَلَ سَقَتْهُ إِيَّاهُ (ص۱۶۸ سطر ۲۱ تا ۲۳)

تشریح

قوله: دعا أبو أسيد الساعدی رسول الله ﷺ فی عرسه (ص۱۶۸ سطر ۲۲)

ابواسیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی شادی کے موقع پر دعوت دی، اس دن ان کی بیوی نے مہمان نوازی کی خدمت انجام دی، یہ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلا کا واقعہ ہے، اور پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چند کھجوریں پانی میں ڈال کر پیش کیں، جنہیں آپ ﷺ نے تناول فرمالیا اور انکا پانی (نبیذ) نوش فرمالیا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) وَقَالَ: فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ أَمَاثَتْهُ، فَسَقَتْهُ تَخُصُّهُ بِذَلِكَ. (۱۶۹ سطر ۲، ۳)

تشریح

قوله: أماثته (۱۶۹ سطر ۳)

إماثة کے معنی آتے ہیں: ملنا، پھسلنا، باریک کرنا۔ (۱)

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۶۹

باب جواز شرب اللبن

(دودھ پینا جائز ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى (الی قوله) سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، يَقُولَ :لَمَّا أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَأَتْبَعَهُ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ ، قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاخَتْ فَرَسُهُ، فَقَالَ: ادْعُ اللهَ لِي وَلَا أَضُرُّكَ، قَالَ: فَدَعَا اللهَ..... الحديث (۱۶۹ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

قوله : فساخت فرسه،(۱۶۹سطر۱۴) ان کا گھوڑا دھنس گیا،

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، (الی قوله) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِإِيلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ......الحديث (ص ۱۶۹ سطر ۱۵ تا ۱۷۰ تا سطر ۱)

تشریح

قوله : بإيلياء (۱۶۹سطر۱۴) بیت المقدس کو ایلیا بھی کہتے ہیں۔

باب الأمر بتغطية الإناء وإيكاء السقاء .....

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ -أَوْ أَمْسَيْتُمْ- فَكُفُّوا صِبْيَانَكُمْ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ. (ص ۱۷۰ سطر ۷ تا ص ۱۷۱ سطر ۱)

تشریح

قوله : جنح الليل،(۱۶۹سطر۱۴) رات کی تاریکی کو کہتے ہیں،

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الی قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تُرْسِلُوا فَوَاشِيَكُمْ وَصِبْيَانَكُمْ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتَّى

تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ، فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَنْبَعِثُ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتَّى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ (۱۷۱ سطر ۴ تا ۷)

قوله : فواشي، فاشية کی جمع ہے، مویشی اور جانور کو کہتے ہیں، اور **فحمة** کا معنیٰ ہے رات کی تاریکی۔

حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ (الی قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :غَطُّوا الْإِنَاءَ، وَأَوْكُوا السِّقَاءَ، فَإِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيهَا وَبَاءٌ، لَا يَمُرُّ بِإِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ، أَوْ سِقَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاءٌ، إِلَّا نَزَلَ فِيهِ مِنْ ذَلِكَ الْوَبَاءِ (ص ۱۷۱ سطر ۸ تا ۱۰)

تشریح

قوله : الوباء (ص ۱۷۱ سطر ۱۰)

وباء ایسی بیماری کو کہتے ہیں جس میں غالب امکان ہلاکت کا ہو۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، (الی قوله) قَالَ اللَّيْثُ :فَالْأَعَاجِمُ عِنْدَنَا يَتَّقُونَ ذَلِكَ فِي كَانُونَ الْأَوَّلِ.(ص ۱۷۱ سطر ۱۱ تا ۱۲)

تشریح

قوله : كانون الأوّل، (ص ۱۷۱ سطر ۱۲) دسمبر کے مہینے کو کانون کہتے ہیں۔

باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما

(کھانے پینے کے آداب واحکام)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ :كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ أَيْدِيَنَا حَتَّى يَبْدَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعَ يَدَهُ، وَإِنَّا حَضَرْنَا مَعَهُ مَرَّةً طَعَامًا، فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ كَأَنَّهَا تُدْفَعُ، فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا فِي الطَّعَامِ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهَا، (الی قوله) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَا يُذْكَرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ...الحديث

(ص ۱۷۱ سطر ۱۶ تا ص ۱۷۲ سطر ۱)

تشریح

قوله : لم نضع أيدينا حتى يبدأ رسول الله صلى الله عليه وسلم

(ص ۱۷۱ سطر ۱۷)

اس حدیث سے دو آداب معلوم ہوئے، پہلا یہ کہ اگر دسترخوان پر کوئی بزرگ موجود ہو تو کھانے کی ابتداء ان سے کروانی چاہئے، اور دوسرا ادب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانا چاہئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهِ، فَقَالَ: كُلْ بِيَمِينِكَ، قَالَ: لَا أَسْتَطِيعُ، قَالَ: لَا اسْتَطَعْتَ، مَا مَنَعَهُ إِلَّا الْكِبْرُ، قَالَ: فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ. (ص ۱۷۲ سطر ۱۶ تا ۱۸)

تشریح

قوله: لا استطعت، ما منعه إلا الكبر، الخ (ص ۱۷۲ سطر ۱۷)

بعض حضرات نے کہا کہ اس آدمی کا نام **بسر بن راعی العیر الأشجعی** تھا۔[1]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، سَمِعَهُ مِنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: كُنْتُ فِي حِجْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ، فَقَالَ لِي: يَا غُلَامُ، سَمِّ اللهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ (ص ۱۷۲ سطر ۱۸، ۱۹)

تشریح

قوله : تطيش في الصفحة (ص ۱۷۲ سطر ۱۹)

تطیش کا معنیٰ گھومنا[2]، اور **الصحفة** کے معنیٰ پلیٹ۔

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ:

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۷۲

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۷۲

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ أَنْ يُشْرَبَ مِنْ أَفْوَاهِهَا (ص ۱۷۳ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

قوله : اختناث الأسقية (ص ۱۷۳ سطر ۳)

مشک کو اُلٹا کر کے اس سے پانی پینا، اس میں چونکہ بہت زیادہ پانی پیٹ میں چلے جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اس میں ممانعت سے مراد کراہت تنزیہی ہے[۱]۔ کیونکہ خود حضور ﷺ سے کھڑے ہو کر مشک کو کچھ الٹا کر کے پانی پینا ثابت ہے۔[۲]

باب كراهية الشرب قائما
(کھڑے ہو کر پینا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا (ص ۱۷۳ سطر ۴)

تشریح

اس باب میں دو قسم کی حدیثیں مذکور ہیں، شروع میں وہ احادیث ہیں جن میں کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینے کی ممانعت ہے، مثلاً ایک حدیث کے الفاظ ہیں "زجر عن الشرب قائما" اور دوسری حدیث میں "نهى أن يشرب الرجل قائما" پھر اس کے بعد دوسری قسم کی احادیث میں ماءِ زمزم کو کھڑے ہو کر پینے کا ذکر ہے، اور حضرت کبشہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر مشکیزے سے پانی پیا، انہوں نے تبرکاً مشکیزہ کا وہ حصہ جس پر آپ ﷺ کے ہونٹ مبارک لگے تھے، کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔[۳]

اسی طرح حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر پانی پیا، اور پھر فرمایا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا منع ہے، لیکن میں نے اس طرح سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کو پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔[۴]

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۷۳

(۲) صحیح ابن حبان کتاب الاشربة باب آداب الشرب رقم الحدیث: ۵۳۰۸۔

(۳) صحیح ابن حبان کتاب الاشربة باب آداب الشرب رقم الحدیث: ۵۳۰۸۔

(۴) صحیح البخاری کتاب الاشربة باب الشرب قائماً رقم الحدیث: ۵۱۸۴۔

خلاصہ یہ کہ دونوں قسم کی احادیث ہیں، کھڑے ہو کر پانی پینے کی بھی اور کھڑے ہو کر پینے سے ممانعت کی بھی، اس تعارض کو دور کرنے کے لئے علماء کرام کے چھ مسلک ہیں، ان میں سے تین یہ ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو احادیث کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت پر مشتمل ہیں وہ منسوخ ہیں، اور جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت ہے وہ ناسخ ہیں۔

بعض حضرات اس کا بالکل عکس فرماتے ہیں کہ ممانعت والی احادیث کو ناسخ اور اجازت والی احادیث کو منسوخ کہتے ہیں۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء کرامؒ کا یہی مسلک ہے، اور ایک توجیہ یہ ہے کہ جن احادیث میں ممانعت کا ذکر ہے، ان کا تعلق ان مواضع سے ہے جہاں بیٹھنے کی جگہ ہو، اور جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کا ذکر ہے، ان کا تعلق ان مواضع سے ہے کہ جہاں بیٹھنے کی جگہ نہ ہو، یا جگہ تو ہو لیکن پینے والے کو کوئی عذر ہو، مثلاً وہ بیمار ہو، گھٹنے، کمر یا کسی اور جگہ تکلیف ہو یا اس کو جلدی ہو۔ (۱)

باب كراهة التنفس في نفس الإناء

(برتن میں سانس لینے کی کراہت)

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ (ص ۱۷۴ سطر ۴،۵)

تشریح

برتن میں سانس لینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، پانی تین سانس میں پئیں، لیکن ہر مرتبہ سانس لیتے وقت برتن منہ سے ہٹالیں، اور اگر مراد یہ لیا جائے کہ آپ ﷺ پانی میں سانس لیتے تھے تو پھر یہ بیانِ جواز کے لئے ہے۔

باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما....

(پانی اور دودھ وغیرہ دوسروں کو دینا)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَأَنَا ابْنُ عَشْرٍ، وَمَاتَ وَأَنَا ابْنُ عِشْرِينَ، وَكُنَّ

(۱) فتح الباری کتاب الأشربة باب الشرب قائماً ج ۱۰ ص ۹۴

أُمَّهَاتِي يَحُثُّنَنِي عَلَى خِدْمَتِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا دَارَنَا فَحَلَبْنَا لَهُ مِنْ شَاةٍ دَاجِنٍ، وَشِيبَ لَهُ مِنْ بِئْرٍ فِي الدَّارِ، فَشَرِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ، وَأَبُو بَكْرٍ عَنْ شِمَالِهِ :يَا رَسُولَ اللهِ، أَعْطِ أَبَا بَكْرٍ، فَأَعْطَاهُ أَعْرَابِيًّا عَنْ يَمِينِهِ، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ

(ص ۱۷۴ سطر ۱۱ تا ۱۴)

تشریح

قوله : شاة داجن،(ص ۱۷۴ سطر ۱۳) پالتو بکری[1]

قوله : وشيب له من بئر في الدار(ص ۱۷۴ سطر ۱۳)

وشيب له اى خلط له [2]

قوله : الأيمن فالأيمن (ص ۱۷۴ سطر ۱۴)

الأيمن فالأيمن اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں، منصوب کی صورت میں **اعط الايمن فالايمن** اور مرفوع کی صورت میں **الايمن احق فالايمن احق** پڑھیں گے[3]، حاصل یہ کہ جب کوئی چیز دینی ہو تو دائیں طرف سے دے، اور اگر بائیں طرف سے دینی ہو تو دائیں والے سے پہلے پوچھ لے۔

باب جواز أكل المرق، واستحباب أكل اليقطين،

(شوربہ کھانا جائز اور لوکی کھانا مستحب ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ :إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ، قَالَ أَنَسٌ :فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص ۱۷۴۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) شرح النووی ج۲ ص ۱۷۵

مِنْ حَوَالَي الصَّحْفَةِ ، قَالَ :فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مُنْذُ يَوْمَئِذٍ (ص ۱۸۰ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

قولہ: یتتبع الدباء من حوالی الصحفة (ص ۱۸۰ سطر ۳)

اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ لوکی کے ٹکڑے پلیٹ میں سے تلاش کر کے تناول فرما رہے تھے، اور گذشتہ احادیث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے قریب سے کھانا چاہئے، ہاتھ کو پلیٹ میں گھمانا نہیں چاہئے، تو تعارض ہوا، شارحین نے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے تین جواب دئے ہیں:-

ایک جواب یہ ہے کہ جب ایک قسم کا کھانا ہو تو ہاتھ گھمانا منع ہے، اور اگر ایک سے زیادہ قسم کا کھانا ہو تو حسبِ منشاء ہاتھ گھمانا جائز ہے، اور یہاں تین قسم کا کھانا تھا، ایک شوربہ، ایک پنیر اور تیسرے دباء یعنی لوکی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر شرکاء کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً رضامندی ہو تو جائز ہے اور یہاں رضامندی تھی۔

تیسری بات یہ کہ اگر آدمی اپنے ماتحتوں کے ساتھ خواہ بچے ہیں، شاگرد ہوں یا ملازم ہوں، کھانا کھا رہا ہے تو ادھر اُدھر ہاتھ گھما سکتا ہے۔[1]

باب استحباب وضع النوى خارج التمر
(کھجور کے برتن سے گٹھلی الگ رکھنا مستحب ہے)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ، قَالَ: نَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي، قَالَ :فَقَرَّبْنَا إِلَيْهِ طَعَامًا وَوَطْبَةً، فَأَكَلَ مِنْهَا، ثُمَّ أُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَأْكُلُهُ (ص ۱۸۰ سطر ۷، ۸)

قولہ : وطبة (ص ۱۸۰ سطر ۸)

گھی، پنیر اور کھجور کو ملا کر بنایا گیا حلوا۔[2]

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص ۳۰

(۲) شرح النووی ج۲ ص ۱۸۰

باب استحباب تواضع الآكل، وصفة قعوده

(کھانے والے کا تواضع کرنا مستحب اور اس کے بیٹھنے کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سُلَيْمٍ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ :رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْعِيًا يَأْكُلُ تَمْرًا

(ص ۱۸۰ سطر ۱۲ تا ۱۴)

قوله : مقعياً (ص ۱۸۰ سطر ۱۴)

مقعیا، دونوں کولہے زمین پر رکھے اور پنڈلیاں کھڑی ہوں تو اس حالت کو اقعاء کہتے ہیں، یہ حالت بہت ہی عاجزانہ اور مسکنت والی ہے، اور کھانے کھاتے وقت آدمی کو متواضعانہ ہیئت ہی اختیار کرنا چاہئے نہ کہ متکبرانہ۔ اور اقعاء سے بڑھ کر متواضعانہ صورت نہیں ہو سکتی، اس لئے اکثر علماء نے فرمایا کہ اگر آدمی کھانا کھائے تو اگر التحیات میں بیٹھنے کی طرح بیٹھ کر کھانا کھا سکتا ہو تو یہ بہتر ہے، یا پھر دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بٹھا کر اس پر بیٹھ جائے، اور اسی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔[1]

باب نهي الآكل مع جماعة عن قران تمرتين الخ

(جماعت کے ساتھ کھانے میں ایک ساتھ دو کھجوریں منع ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الى قوله) جَبَلَةَ بْنَ سُحَيْمٍ، قَالَ :كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ، قَالَ :وَقَدْ كَانَ أَصَابَ النَّاسَ يَوْمَئِذٍ جَهْدٌ، وَكُنَّا نَأْكُلُ فَيَمُرُّ عَلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ وَنَحْنُ نَأْكُلُ، فَيَقُولُ :لَا تُقَارِنُوا فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْإِقْرَانِ، إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ أَخَاهُ (ص ۱۸۱ سطر ۱، ۲)

تشریح

اس باب میں آپ ﷺ نے دو کھجوریں اور اسی طرح کھانے کی دیگر چیزوں میں دو دو کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا، علماء نے تقارن کی کئی صورتیں بیان فرمائی ہیں، بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز ہیں،

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۴۳۔

پہلی صورت یہ ہے کہ کھائی جانے والی چیز اگر کھانے والوں کے درمیان مشترک ہے، تو دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر دو، دو، تین تین لے کر کھانا حرام ہے، البتہ اگر شرکاء سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت لے لے، تو پھر جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کھانا مشترک نہیں ہے، بلکہ جو کھا رہے ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کی ملکیت ہے، تو ایسی صورت میں مالک کی اجازت کے بغیر دو دو، تین تین کر کے اٹھا کر کھانا ناجائز ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماکولات اسی کی ملکیت ہیں، تو ایسی صورت میں اس کے لئے دو دو، تین تین اٹھا کر کھانا جائز ہے، البتہ اگر کھانا کم ہو تو فی نفسہ اس طرح کھانا جائز ہے، لیکن چونکہ اس سے ساتھیوں کو تکلیف ہوگی، اس لئے ان سے اجازت لیکر کھائے، ان کی اجازت کے بغیر نہ کھائے، اور اگر کھانا زیادہ ہو تو پھر دو دو، تین تین ملا کر کھانے میں مضائقہ نہیں۔

لیکن علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ساری تفصیل اس زمانے میں ہوگی جب کھانے میں تنگی تھی، چنانچہ شروع اسلام کا زمانہ ایسا ہی تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں فراخی عطا فرما دی تو پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اس کی دلیل حضرت بریدہؓ کی حدیث ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **کنت نهیتکم عن الاقران ....الخ**[1] کہ میں کھجور ملا کر کھانے سے تم کو منع کرتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے فراخی عطا فرما دی، لہٰذا اب کھا سکتے ہو، لیکن اب بھی اتنی بات ضرور ہے کہ جہاں کہیں دو، دو، تین تین ملا کر کھانا تہذیب کے خلاف ہو، وہاں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔[2]

باب فضل تمر المدينة

(مدینہ منورہ کی کھجور کی فضیلت)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قلوه) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ فِي عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءً -أَوْ إِنَّهَا تِرْيَاقٌ -أَوَّلَ الْبُكْرَةِ

(ص ۱۸۱ سطر ۱۳ تا ۱۵)

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۷۲۶۸

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۴۴، ۴۵۔

اضافہ: باب کی اس حدیث سے بھی اور اس باب کی دیگر احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ خصوصاً زہر اور سحر سے حفاظت ہو جاتی ہے جیسے عجوہ کھجور۔ طاہر اقبال

تشریح

قولہ : تریاق(ص ۱۸۱ سطر ۱۵)

ایسی دوا یا غذا کو کہتے ہیں کہ جس کا فوری اثر ہو۔[1]

باب فضل الكمأة، ومداواة العين بها

(کھمبی کی فضیلت اور اس سے آنکھ کا علاج)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ (ص ۱۸۱ سطر ۱۵، ۱۶)

تشریح

قولہ: الكمأة من المن (ص ۱۸۱ سطر ۱۶)

الکماۃ، سانپ کی چھتری ۔ کھمبی۔ یہ برسات کے موسم میں بارش کے بعد زمین میں ازخود اُگتی ہے، اور بہت لذیذ اور عمدہ سبزی ہے، بعض نے الکماۃ کو مفرد اور الکمأ کو جمع کہا ہے جبکہ دیگر بعض حضرات نے اس کا عکس کہا ہے[2]۔

قولہ : الكمأة من المن،(ص ۱۸۱ سطر ۱۶)

کھمبی ''من'' میں سے ہے، اس کی تفسیر وتشریح میں تین قول ہیں،

ایک قول یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل پر من نازل ہوتا تھا کہ صبح کے وقت ان کو خود بخود رکھا ہوا ملتا تھا، ایسے ہی یہ زمین سے خود بخود نکلتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح منّ بنی اسرائیل کو بغیر ان کے کسب کے ملتا تھا، ایسے ہی یہ کھمبی بندوں کو بغیر کسی محنت اور کسب کے ملتی ہے، یعنی اس کو اُگانے کے لئے کسی کو محنت کرنے، زمین نرم کرنے اور کھاد و پانی دینے کی ضرورت نہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ''من'' لغوی معنٰی میں ہے، جو ''احسان'' کے معنٰی میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی اللہ تعالٰی کے احسانات میں سے ہے، اللہ تعالٰی کے احسانات وانعامات دو قسم کے

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۱

(۲) لسان العرب حرف الهمزة مادة "كمأ" ج ۱ ص ۱۴۸

ہوتے ہیں، ایک بلاواسطہ کہ بندے کے کسب ومحنت کا اس میں کوئی دخل نہیں، یہ کھمبی بھی اسی قسم میں سے ہے، اور بعض احسانات ایسے ہیں کہ جو بندے کو سبب اور واسطے کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ (۱)

قوله: وماؤها شفاء للعين (ص ۱۸۱ سطر ۱۶)

اور اس کھمبی کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے، یعنی اس کے پانی کو آنکھ میں لگانا آنکھ کے امراض کے لئے مفید ہے، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ کھمبی سے پانی نکال کر کسی سرمے میں ملا کر آنکھوں میں لگایا جائے تو یہ بینائی کو بڑھاتا ہے اور پلکوں کو بڑھاتا ہے۔ (۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کھمبی کا صرف پانی بھی آنکھوں کے لئے مفید ہے، یہاں تک کہ میں نے اپنے زمانے کے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا کہ جن کی بینائی چلی گئی تھی، انہوں نے اس کا پانی آنکھوں میں استعمال کیا تو ان کی بینائی واپس آگئی۔ (۳)

علامہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آنکھ کے اندر حرارت ہو تو اس کا پانی استعمال کرنا مفید ہے، ورنہ اس کو مرکب استعمال کرنا چاہئے۔

باب فضيلة الأسود من الكباث

(پیلو کے کالے پھل کی فضیلت)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، وَنَحْنُ نَجْنِي الْكَبَاثَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ، قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، كَأَنَّكَ رَعَيْتَ الْغَنَمَ، قَالَ: نَعَمْ، وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَاهَا أَوْ نَحْوَ هٰذَا مِنَ الْقَوْلِ (ص ۱۸۲ سطر ۱۰ تا ۱۲)

تشریح

قوله: كباث (ص ۱۸۲ سطر ۱۱)

کباث، پیلو کے درخت کے پھل کو کہتے ہیں، اس درخت کی جڑوں سے مسواک بھی بنتی ہے، اس پر پھل لگتا ہے جو شروع میں ہرا ہوتا ہے، پھر پیلا ہو جاتا ہے، اس کے بعد کالا ہو جاتا ہے، کالا

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص ۴۹.

(۲) تکملة فتح الملهم ج۴ ص ۵۰.

(۳) شرح النووی ج۲ ص ۱۸۲

میٹھا ہوتا ہے اور لال یا پیلا کڑوا ہوتا ہے، مرالظہران ایک جگہ کا نام ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ہمراہ مرالظہران میں تھے اور پیلو کے درخت سے کباث توڑ رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کالے کباث توڑنا، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ حضور! شاید آپ ﷺ نے بکریوں کو چرایا ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کو علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! چرایا ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

بکریاں چرانے سے آدمی کے اندر تواضع اور حسنِ اخلاق پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اُمت کی راہنمائی آسان ہو جاتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی کو نبوت سے سرفراز کرنے سے پہلے ان کی تربیت بھی فرماتے ہیں۔ (۱)

باب فضيلة الخل والتأدم به

(سرکہ کی فضیلت اور اس کو سالن بنانا)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :كُنْتُ جَالِسًا فِي دَارِي، فَمَرَّ بِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَشَارَ إِلَيَّ، فَقُمْتُ إِلَيْهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي، فَانْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَى بَعْضَ حُجَرِ نِسَائِهِ، فَدَخَلَ ثُمَّ أَذِنَ لِي، فَدَخَلْتُ الْحِجَابَ عَلَيْهَا، فَقَالَ :هَلْ مِنْ غَدَاءٍ ؟ فَقَالُوا :نَعَمْ، فَأُتِيَ بِثَلَاثَةِ أَقْرِصَةٍ، فَوُضِعْنَ عَلَى نَبِيٍّ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْصًا، فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَأَخَذَ قُرْصًا آخَرَ، فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيَّ، ثُمَّ أَخَذَ الثَّالِثَ، فَكَسَرَهُ بِاثْنَيْنِ، فَجَعَلَ نِصْفَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَنِصْفَهُ بَيْنَ يَدَيَّ، ثُمَّ قَالَ :هَلْ مِنْ أُدُمٍ؟ قَالُوا :لَا إِلَّا شَيْءٌ مِنْ خَلٍّ، قَالَ :هَاتُوهُ، فَنِعْمَ الْأُدُمُ هُوَ

(ص ۱۸۲ سطر ۲۰ تا ص ۱۸۳ سطر ۳)

تشریح

قوله: فدخلت الحجاب عليها (ص ۱۸۳ سطر ۱)

حجاب سے مراد وہ جگہ ہے جہاں عورتیں رہتی ہیں، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اندر بلایا اور حضرت جابر بن عبداللہؓ پردے کی جگہ داخل ہو گئے۔ یا تو اس وقت آیاتِ حجاب نازل نہیں ہوئی تھیں، اور اگر پردے کی آیات نازل ہونے کے بعد کی حدیث ہو تو مطلب یہ ہے کہ خواتین کو ایک

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۲

طرف کر کے اس جگہ داخل کیا، جہاں خواتین پردے میں رہتی ہیں۔ (۱)

آپ ﷺ نے کھانے کا پوچھا تو تین روٹیاں یا روٹیوں کے ٹکڑے اندر سے دئے گئے،

قوله : اقرصة (ص ۱۸۳ سطر ۱)

اقرصة، قرص کی جمع ہے اور قرص ٹکیہ کو کہتے ہیں۔

قوله : فوضعن علی بتی، (ص ۱۸۳ سطر ۱)

بتی اُون یا بالوں کے کپڑے کو کہتے ہیں (۲)، اور اُردو میں چنگیری کہتے ہیں۔

باب إباحة أكل الثوم ..الخ

(لہسن کھانا جائز ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قوله) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ أَكَلَ مِنْهُ، وَبَعَثَ بِفَضْلِهِ إِلَيَّ، وَإِنَّهُ بَعَثَ إِلَيَّ يَوْمًا بِفَضْلَةٍ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا، لِأَنَّ فِيهَا ثُومًا، فَسَأَلْتُهُ: أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ :لَا، وَلَكِنِّي أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيحِهِ ، قَالَ :فَإِنِّي أَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ (ص ۱۸۳ سطر ۲ تا ۴)

تشریح

کچے لہسن کو کھانے سے آپ ﷺ احتیاط کرتے تھے، کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے، جبکہ کھانے میں پکا ہوا آپ ﷺ کھا لیتے تھے، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی منع فرما دیا کہ جو آدمی کچا لہسن کھائے اور اس کے منہ میں بدبو بھی ہو تو اس کو مجلس یا مسجد میں آنا منع ہے اور یہ ہر بدبودار چیز کا حکم ہے۔ اسی میں جسم کی بدبو بھی داخل ہے، خاص طور پر گرمیوں کے موسم میں پسینے کی بدبو سے دوسروں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

باب إكرام الضيف وفضل إيثاره

(مہمان کا اکرام کرنا اور اس کو ترجیح دینے کی فضیلت)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،(الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۵۵

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۳

رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنِّي مَجْهُودٌ، فَأَرْسَلَ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَقَالَتْ :وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى أُخْرَى، فَقَالَتْ مِثْلَ ذَلِكَ، حَتَّى قُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَلِكَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، فَقَالَ :مَنْ يُضِيفُ هَذَا اللَّيْلَةَ رَحِمَهُ اللهُ؟ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ أَنَا، يَا رَسُولَ اللهِ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ...الحديث (۱۸۳ سطر ۱۱ تا ۱۴)

تشریح

قولہ: فقام رجل من الانصار، (۱۸۳ سطر ۱۴)

انصاری صحابی سے مراد حضرت ابوطلحہ انصاریؓ ہیں[۱]، وہ حضور ﷺ کے مہمان کو اپنے گھر لے گئے، اور کچھ کھانے کا پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے، انہوں نے کہا کہ بچوں کو تسلی اور تھپکی دیکر سلا دو۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کھانا تو بچوں کا تھا، مہمان کو کیوں کھلا دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کھانا کھا چکے تھے، اور ان کا اصرار کرنا بچوں کی عادت کے مطابق تھا کہ بعض اوقات بچوں کا پیٹ بھرا ہوتا ہے، لیکن کھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں اور روتے ہیں۔[۲]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنِ الْمِقْدَادِ، قَالَ :أَقْبَلْتُ أَنَا وَصَاحِبَانِ لِي، وَقَدْ ذَهَبَتْ أَسْمَاعُنَا وَأَبْصَارُنَا مِنَ الْجَهْدِ، فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ أَنْفُسَنَا عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْهُمْ يَقْبَلُنَا، فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقَ بِنَا إِلَى أَهْلِهِ، فَإِذَا ثَلَاثَةُ أَعْنُزٍ، (الی قولہ) قَالَ :فَيَجِيءُ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيمًا لَا يُوقِظُ نَائِمًا، وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ، قَالَ :ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّي، ثُمَّ يَأْتِي شَرَابَهُ فَيَشْرَبُ، فَأَتَانِي الشَّيْطَانُ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَقَدْ شَرِبْتُ نَصِيبِي، فَقَالَ :مُحَمَّدٌ يَأْتِي الْأَنْصَارَ فَيُتْحِفُونَهُ، وَيُصِيبُ عِنْدَهُمْ مَا بِهِ حَاجَةٌ إِلَى هَذِهِ الْجُرْعَةِ، فَأَتَيْتُهَا

---

(۱) جیسا کہ اس باب کی تیسری حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۴

فَشَرِبْتُهَا، فَلَمَّا أَنْ وَغَلَتْ فِي بَطْنِي، وَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ إِلَيْهَا سَبِيلٌ، قَالَ: نَدَّمَنِي الشَّيْطَانُ، فَقَالَ: وَيْحَكَ، مَا صَنَعْتَ أَشَرِبْتَ شَرَابَ مُحَمَّدٍ، فَيَجِيءُ فَلَا يَجِدُهُ فَيَدْعُو عَلَيْكَ فَتَهْلِكُ فَتَذْهَبُ دُنْيَاكَ وَآخِرَتُكَ، وَعَلَيَّ شَمْلَةٌ إِذَا وَضَعْتُهَا عَلَى قَدَمَيَّ خَرَجَ رَأْسِي، وَإِذَا وَضَعْتُهَا عَلَى رَأْسِي خَرَجَ قَدَمَايَ، وَجَعَلَ لَا يَجِيئُنِي النَّوْمُ، وَأَمَّا صَاحِبَايَ فَنَامَا وَلَمْ يَصْنَعَا مَا صَنَعْتُ، قَالَ: فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلَّمَ كَمَا كَانَ يُسَلِّمُ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى، ثُمَّ أَتَى شَرَابَهُ فَكَشَفَ عَنْهُ، فَلَمْ يَجِدْ فِيهِ شَيْئًا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: الْآنَ يَدْعُو عَلَيَّ فَأَهْلِكُ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ، أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي، وَأَسْقِ مَنْ أَسْقَانِي، قَالَ: فَعَمَدْتُ إِلَى الشَّمْلَةِ فَشَدَدْتُهَا عَلَيَّ، وَأَخَذْتُ الشَّفْرَةَ فَانْطَلَقْتُ إِلَى الْأَعْنُزِ أَيُّهَا أَسْمَنُ، فَأَذْبَحُهَا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هِيَ حَافِلَةٌ، وَإِذَا هُنَّ حُفَّلٌ كُلُّهُنَّ، فَعَمَدْتُ إِلَى إِنَاءٍ لِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانُوا يَطْمَعُونَ أَنْ يَحْتَلِبُوا فِيهِ، قَالَ فَحَلَبْتُ فِيهِ حَتَّى عَلَتْهُ رَغْوَةٌ......الحديث

(ص ۱۸۴ سطر ۷ تا ۱۷)

تشریح

قوله: فلما أن وغلت في بطني (ص ۱۸۴ سطر ۱۲)

مطلب یہ کہ وہ میرے پیٹ میں بیٹھ گئی، یعنی میں نے وہ دودھ پی لیا جو کہ حضور ﷺ کے حصے کا تھا، یعنی حضور ﷺ کا حصہ رکھا رہتا تھا اور مہمان اپنا اپنا حصہ پی کر سو جاتے تھے، ایک دن ان کو خیال آیا کہ حضور ﷺ کے پاس تو ملنے والے بہت آتے رہتے ہیں، بظاہر آپ ﷺ کے کام نہیں آئے گا تو چلو میں ہی پی لوں، دودھ پینے کے بعد ان کو فکر ہوئی کہ میں نے حضور ﷺ کے حصے کا دودھ پی کر بہت بڑی غلطی کی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور رات کو تشریف لانے میں آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ درمیانی آواز سے سلام فرماتے کہ جاگنے والے سن لیتے اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ آتا، چنانچہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور پھر پیالے کے پاس تشریف لائے، تو خالی پا کر آپ ﷺ نے آسمان

کی طرف نظر اٹھائی، وہ فرماتے ہیں کہ اب میں نے سمجھ لیا کہ اب حضور ﷺ بددعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہوجاؤں گا، اتنے میں حضور ﷺ نے دعا فرمائی "اللّٰھم اطعم من أطعمنی واسق من سقانی".

قوله : اعنزة (ص ۱۸۴ سطر ۱۶)

اعنز، عنزة کی جمع ہے، بکریوں کو کہتے ہیں[1]۔

قوله : رغوة (ص ۱۸۴ سطر ۱۷) مکھن کو کہتے ہیں[2]۔

جب یہ ان بکریوں کی طرف گئے کہ میں ان میں آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کے گھر والوں کے لئے ایک بکری ذبح کروں تو انہوں نے دیکھا کہ بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، ان کا دودھ نکالنا شروع کیا تو اتنا دودھ نکلا کہ گھر والوں کے سارے برتن دودھ سے بھر گئے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ :كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلاثِينَ وَمِائَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ طَعَامٌ؟ فَإِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ أَوْ نَحْوُهُ، فَعُجِنَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَبَيْعٌ أَمْ عَطِيَّةٌ؟ أَوْ قَالَ :أَمْ هِبَةٌ؟ ، فَقَالَ: لَا بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً، فَصُنِعَتْ وَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَوَادِ الْبَطْنِ أَنْ يُشْوَى، قَالَ :وَايْمُ اللهِ، مَا مِنَ الثَّلاثِينَ وَمِائَةٍ إِلَّا حَزَّ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُزَّةً حُزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا (۱۸۴ سطر ۲۴ تا ۱۸۵ سطر ۱)

تشریح

قوله: رجل مشرک مشعان (۱۸۴ سطر ۲۴)

مشعان، پراگندہ بال شخص،[3]

قوله : بسواد البطن (ص ۱۸۴ سطر ۲۵)

(۱) لسان العرب مادۃ "عنز" ج ۵ ص ۳۸۱.

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۴

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۴

وَسَلَّمَ قَالَ :الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ

(ص ۱۸۶ سطر ۱۶، ۱۷)

تشریح

اس باب کی احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے، طب میں یہ بات لکھی ہے کہ ہر انسان کے پیٹ میں سات آنتیں ہوتی ہیں، ایک معدہ اور اس کے ساتھ تین پتلی آنتیں، اور پھر تین موٹی آنتیں ہوتی ہیں، اس حدیث کی تشریح میں چھ قول ہیں، ان میں سے چار قول یہ ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کافر زیادہ کھانا کھاتا ہے اور مؤمن کم کھانا کھاتا ہے،

دوسرا مطلب یہ ہے کہ کافر کا کھانا حرام کا ہوتا ہے اور وہ زیادہ ہوتا ہے اور مؤمن کا کھانا حلال کا ہوتا ہے اور وہ کم ہوتا ہے، حرام ظاہر میں بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی اور حلال ظاہر میں کم ہوتا ہے لیکن اس میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی عام ضابطہ بتانا مقصود نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ ہر کافر ہمیشہ زیادہ کھاتا ہے اور ہر مؤمن ہمیشہ کم کھاتا ہے، بلکہ یہ بات ایک خاص واقعہ کے اعتبار سے ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں ایک کافر مہمان ہوا، جس کا نام ثمامہ بن اثال [1] تھا، اس کو اسلام لانے سے پہلے بکری کا دودھ پیش کیا گیا تو وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر اسلام لانے کے بعد دودھ پلایا گیا تو دو بکریوں کا دودھ بھی نہ پی سکا، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ کافر سات آنت کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت کھاتا ہے۔

چوتھا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کے کھانے میں برکت ہوتی ہے، کافر کے کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔ [2]

باب لا يعيب الطعام

(حضور کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :مَا عَابَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَى شَيْئًا أَكَلَهُ، وَإِنْ

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۷

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۷۰، ۷۱.

كَرِهَهُ تَرَكَهُ. (ص ۱۸۷ سطر ۱، ۲)

کھانے میں عیب نکالنے کا حکم

اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالتے تھے، عیب نکالنے کا مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے، اس میں تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ اگر کوئی کھانے میں اس لئے عیب نکالے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے کو پیدا فرمایا ہے تو یہ حرام ہے اور ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کھانے میں اس کی بناوٹ کے اعتبار سے عیب نکالے، تو اگر اس سے مقصود کھانے کی تحقیر ہو یا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہو یا بنانے والے کی تحقیر ہو تو پھر یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح کھانے سے تکبر کرنا اور اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا، یہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اصلاح کی غرض سے کھانے میں عیب نکالے، تاکہ بنانے والا آئندہ خیال رکھے، مثلاً بنانے والے نے مرچیں یا نمک زیادہ ڈال دیا یا اور کوئی چیز کم یا زیادہ کردی تو ایسی صورت میں اس کو سمجھانے کے لئے کھانے کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ کیا کھانا بنادیا؟ یہ جائز ہے، شرط یہ ہے کہ بنانے والے کی اصلاح مقصود ہو، ایسا انداز نہ ہو کہ جس سے اس کی دل شکنی نہ ہو، یعنی انداز غصے والا نہیں ہونا چاہئے۔[1]

كتاب اللباس والزينة

(لباس اور زینت کا بیان)

یہ کتاب ہے لباس اور زینت کے احکام کے بیان میں ہے، اس کتاب کے تحت حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں جن سے لباس کے احکام معلوم ہوتے ہیں، کھانے اور پینے کی طرح انسان کی بنیادی ضروریات میں سے لباس بھی ہے، جس سے انسان اپنے ستر کو چھپاتا ہے، گرمی اور سردی سے اپنا بچاؤ کرتا ہے، اور مجالس واجتماعات میں زینت اختیار کرتا ہے، اسلام ایک جامع مذہب ہے جو ہر شعبۂ زندگی سے متعلق احکام دیتا ہے، اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ لباس کے سلسلے میں کوئی حکم نہ دے، قرآن واحادیث میں لباس کے متعلق تفصیل سے احکام مذکور ہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ لباس ذرائع میں سے ہے نہ کہ مقاصد میں سے، لہٰذا ذرائع میں سے ہونے کی وجہ سے شریعت میں لباس کے لئے کوئی خاص شکل وصورت اور خاص ہیئت بیان نہیں کی گئی، وہ ہر زمانے میں، ہر علاقے میں، وہاں کے موسم اور آب وہوا کے اعتبار سے کسی بھی شکل وصورت کا اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن وہ شریعت کے بیان

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۸۵ كتاب الاطعمة باب لا يعيب الطعام.

کردہ اصولوں کے مطابق ہو چنانچہ جو لباس ان اصولوں کی روشنی میں تیار ہوگا، وہ شرعی لباس کہلائے گا، اور جو لباس ان اصولوں کے خلاف ہوگا، وہ غیر اسلامی اور غیر شرعی لباس کہلائے گا، جو مکروہ اور ممنوع ہوگا، اس لئے یہاں لباس کے سلسلے میں قرآن وسنت سے جو اصول ثابت ہیں، ان کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

لباس کے شرعی اصول

پہلی اصل یہ ہے کہ مسلمان مرد وعورت کا لباس "ساتر" ہونا چاہئے، یعنی اس کے ذریعے سترِ عورت کا مقصد حاصل ہونا چاہئے، مرد کا ستر ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے کے نیچے تک اور عورت کا چہرہ، دونوں ہاتھ اور پیر چھوڑ کر باقی سارا جسم ستر ہے، لہٰذا اس کا لباس ایسا ہونا چاہئے جس سے اس کا ستر چھپ جائے، کیونکہ مرد ہو یا عورت، دونوں کو اپنا ستر چھپانا واجب ہے، لہٰذا لباس نہ تو اتنا باریک ہونا چاہئے کہ جس سے ستر نہ چھپ سکے، اور نہ ہی اتنا چست اور تنگ ہونا چاہئے کہ اس میں ستر والے اعضاء کی بناوٹ ظاہر ہو، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "يٰبَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيْشًا"۔ (۱)

دوسری اصل یہ ہے کہ لباس موجبِ زینت ہو، کیونکہ زینت بھی اعتدال کے ساتھ مطلوب ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"، (۲) اور دوسری آیت ہے "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِي"، (۳) ...الخ

اسی طرح حضرت ابو الاحوص ؓ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا لباس بہت ہی خراب اور بوسیدہ تھا، جس کی وجہ سے ان کی حالت بہت خراب تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟ کیونکہ آدمی کے لباس کا میلا کچیلا اور خراب ہونا، عام طور پر اس کے فقیر اور محتاج ہونے کی علامت ہوتی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میرے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس سب کچھ ہے تو تمہارے جسم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہئے۔ (۴)

---

(۱) سورۂ اعراف:۲۶

(۲) سورۂ اعراف:۳۱

(۳) سورۂ اعراف:۳۲

(۴) جامع الترمذی ابواب البر والصلة عن رسول الله ﷺ باب ما جاء فی الاحسان والعفو، رقم الحدیث: ۱۹۲۹۔

ایک دوسری حدیث بڑی مشہور و معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جب وہ کسی کو کوئی نعمت دیں تو اس کا اثر اس کے جسم پر نظر آئے[1]، اور جسم پر نعمت کا اثر لباس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اسلئے ہر شخص کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق لباس پہننا چاہئے۔

تیسری اصل یہ ہے کہ لباس میں فخر و غرور، تکبر و بڑائی، ریاکاری اور نام و نمود نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے، لہٰذا لباس میں ان کو اختیار کرنا اور از راہِ فخر و غرور لباس پہننا ناجائز ہے۔

چوتھی اصل یہ ہے کہ مسلمان کے لباس میں نہ تو تشبہ بالکفار ہو، نہ تشبہ بالفساق ہو، اور نہ مردوں کے لباس میں تشبہ بالنساء ہو اور نہ عورتوں کے لباس میں تشبہ بالرجال ہو، جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ مرد کو معصفر اور مزعفر لباس پہننا منع ہے، کیونکہ عُصفُر ایک گھاس ہوتی ہے، جس سے پیلا رنگ نکلتا ہے اور اس سے عورتیں اپنے کپڑے رنگا کرتی ہیں، اس کو معصفر کہتے ہیں اور مزعفر زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں، زعفران کچھ پیلا اور ہلکا لال ہوتا ہے، یہ بھی عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

پینٹ پتلون کا حکم

پینٹ پتلون پہننا مردوں کو ممنوع ہے، کیونکہ اس میں تشبہ بالکفار ہے، اگرچہ اس میں تشبہ کمزور ہو گیا ہے، کیونکہ یہ بین الاقوامی لباس بن گیا ہے، اب یہ کفار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بہت سے مسلمان ممالک میں بھی اس کو مستقل طور پر پہنا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اب یہ حرام نہیں، بلکہ مکروہ ہے، ہاں اگر اتنا چست ہو کہ اعضاء کی بناوٹ ظاہر ہوتی ہو یا ٹخنے سے نیچے ہو جیسا کہ اکثر پینٹ ہوتی ہے تو یہ ایک مستقل ممانعت کی وجہ ہے۔ اور ناجائز ہے

پانچویں اصل یہ ہے کہ مرد کا لباس ریشم کا نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ مردوں کے لئے ریشم حرام ہے، ریشم سے مراد اصلی ریشم ہے، چاہے موٹا ہو یا پتلا، چاہے تانا کسی اور چیز کا ہو بانا اصلی ریشم کا ہو، البتہ مصنوعی ریشم اور وہ کپڑا جس میں بانا سوت کا یا اُون کا ہو، لیکن تانا اصلی ریشم کا ہو، وہ مردوں کے لئے جائز ہے۔[2]

چھٹی اصل یہ ہے کہ مرد کا لباس ٹخنے سے نیچے نہ ہو۔

---

(۱) جامع الترمذی ابواب الادب عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء ان اللہ تعالیٰ یحب أن یری اثر نعمته علی عبده، رقم الحدیث: ۲۷۴۴.

(۲) الهدایه کتاب الکراهية فصل فی اللبس۔ ۳۶۶/۴.

ساتویں اصل یہ ہے کہ مرد کا لباس معصفر اور مزعفر نہ ہو[1]۔ اس کی تفصیل ان شاء آئندہ آجائیگی۔

باب تحریم استعمال أوانی الذهب والفضة فی الشرب

(پینے کے لئے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے)

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کو سونا چاندی بطورِ زیور کے حلال ہے، لیکن سونے چاندی کے برتن، کھانے پینے کے لئے، استعمال کرنے کے لئے، یہاں تک کہ قلم دوات، عینک اور دیگر اسی طرح کی اشیاء میں سونا چاندی کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے۔ مرد کے لئے چاندی صرف انگوٹھی میں، ساڑھے چار ماشہ کی حد تک حلال ہے۔

حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ يَزِيدَ أَبُو مَعْنٍ الرَّقَّاشِيُّ، (الی قوله) عَنْ خَالَتِهِ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ شَرِبَ فِي إِنَاءٍ مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ فِضَّةٍ، فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارًا مِنْ جَهَنَّمَ (ص ۱۸۷ سطر ۱۳، ۱۴)

تشریح

قوله: يجرجر في بطنه نارا (ص ۱۸۷ سطر ۱۴)

جرجر، یجرجر جرجرۃ، اونٹ کی اس آواز کو کہتے ہیں جو اس کے گلے میں ہوتی ہے، لیکن یہاں پر مراد یہ ہے کہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔[2]

باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة علی الرجال

(مردوں کے لئے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) مُعَاوِيَةُ بْنُ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، قَالَ :دَخَلْتُ عَلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ :أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ :(الی قوله) وَنَهَانَا عَنْ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص ۸۸، ۸۹ کتاب اللباس۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص ۱۸۷۔

خَوَاتِيمَ -أَوْ عَنْ تَخَتُّمٍ -بِالذَّهَبِ، وَعَنْ شُرْبٍ بِالْفِضَّةِ، وَعَنِ الْمَيَاثِرِ، وَعَنِ الْقَسِّيِّ، وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالدِّيبَاجِ (ص۱۸۸ سطر ا تا۴)

تشریح

قوله: وعن المياثر (ص۱۸۸ سطر۴)

ریشم کی لال گدی استعمال کرنے کی ممانعت ہے

میاثر، میثرۃ کی جمع ہے اور میثرۃ ریشم کی لال رنگ کی گدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی کمر پر سوار کے بیٹھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، آپ ﷺ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا ہے، اور اگر یہ میثرۃ روئی کی ہو تو پھر ممانعت کی وجہ تشبہ بالاعاجم ہے[1]، اور بعض روایتوں میں ارغوان کا لفظ بھی آیا ہے، اس کے معنٰی ہے لال، لال رنگ ہونا بذاتِ خود ممنوع ہونے کی وجہ نہیں، یا تو اس میں تشبہ بالاعاجم ہوگا یا پھر ریشم کی ہونے کی وجہ سے ممانعت ہوگی۔

قوله: قسی (ص۱۸۸ سطر۴)

مصر کے ایک گاؤں کا نام قس ہے، یہ کپڑا اس کی طرف منسوب ہے، وہاں کے بنے ہوئے ریشم کے کپڑے کو قسی کہتے تھے[2]، اس کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ یہ ریشم کا ہوتا تھا۔

قوله : الاستبرق والديباج (ص۱۸۸ سطر۴)

استبرق اور دیباج موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔[3]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ، فَإِنَّهُ مَنْ شَرِبَ فِيهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيهَا فِي الْآخِرَةِ (ص۱۸۸ سطر۵،۶)

تشریح

قوله: فإنه من شرب فيها في الدنيا... (ص۱۸۸ سطر۶)

جو سونے یا چاندی کے برتن میں کھائے، پئے گا، وہ آخرت میں محروم رہے گا، اگر حلال سمجھ کر پیا تو آخرت میں ہمیشہ کے لئے محروم ہوگا، اور اگر حلال نہیں سمجھا لیکن کوتاہی کی اور پی لیا تو اوّلاً نہیں

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۸۷ وتکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۹۳۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۸۸۔

(۳) شرح النووی ج۲ص۱۸۸۔

پڑے گا، سزا بھگتنے کے بعد پی سکے گا۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَهْلٍ (الی قوله) عَنْ أَبِي فَرْوَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُكَيْمٍ، قَالَ :كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ بِالْمَدَائِنِ، فَاسْتَسْقَى حُذَيْفَةُ، فَجَاءَهُ دِهْقَانٌ بِشَرَابٍ فِي إِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ__ الحديث(ص ۱۸۹ سطر ۵، ۶)

قوله: كنا مع حذيفة بالمدائن (ص ۱۸۹ سطر ۶)

تشریح

مدائن مشہور شہر ہے جو دریائے دجلہ کے کنارے پر واقع ہے، بغداد سے سات فرسخ کے فاصلے پر ہے، اور یہ فارس کے بادشاہوں کا مرکز رہا ہے، کسریٰ کا ایوان اور محل بھی اسی میں ہے، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کو فتح کیا تھا، تقریباً ۱۶ھ میں، اور حضرت عمرؓ کی جانب سے یہاں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ عامل مقرر ہوئے، اور یہی حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں عامل رہے اور یہیں پر حضرت حذیفہؓ کا انتقال ہوا اور وہیں ان کا مزار ہے۔[1]

قوله : فجاءه دهقان (ص ۱۸۹ سطر ۶)

دہقان، بستی کے امیر کو دہقان کہتے ہیں۔[2]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، لَوِ اشْتَرَيْتَ هَذِهِ فَلَبِسْتَهَا لِلنَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ (ص ۱۸۹ سطر ۱۸، ۱۹)

تشریح

قوله : أن عمر بن الخطاب، رأى حلة سيراء (ص ۱۸۹ سطر ۱۸)

حلة جوڑے کو کہتے ہیں، ایک تہ بند اور ایک کرتا، سیراء اس کپڑے کو کہتے ہیں کہ جس میں ریشم کے پھول ہوں، حلة سيراء کا مطلب یہ ہے کہ ریشم کے پھولوں والا ایک جوڑا۔[3] حضرت عمر بن خطابؓ نے یہ جوڑا دیکھا مسجد کے دروازے کے پاس تو حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور! اگر اس

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۹۵۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۸۹ و تکملة فتح الملهم ۴/ ۹۵۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۹۷، ۹۸

کو خرید کر جمعہ میں پہن لیں یا وفود کے آنے پر پہن لیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص پہن سکتا ہے کہ جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) قَالَ :أَرْسَلَتْنِي أَسْمَاءُ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، فَقَالَتْ :بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَرِّمُ أَشْيَاءَ ثَلَاثَةً :الْعَلَمَ فِي الثَّوْبِ، وَمِيثَرَةَ الْأُرْجُوَانِ، وَصَوْمَ رَجَبٍ كُلِّهِ، فَقَالَ لِي عَبْدُ اللهِ :أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ رَجَبٍ فَكَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ الْأَبَدَ؟ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنَ الْعَلَمِ فِي الثَّوْبِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ ، فَخِفْتُ أَنْ يَكُونَ الْعَلَمُ مِنْهُ، وَأَمَّا مِيثَرَةُ الْأُرْجُوَانِ، فَهَذِهِ مِيثَرَةُ عَبْدِ اللهِ، فَإِذَا هِيَ أُرْجُوَانٌ، فَرَجَعْتُ إِلَى أَسْمَاءَ فَخَبَّرْتُهَا، فَقَالَتْ :هَذِهِ جُبَّةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجَتْ إِلَيَّ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ لَهَا لِبْنَةُ دِيبَاجٍ، وَفَرْجَيْهَا مَكْفُوفَيْنِ بِالدِّيبَاجِ، فَقَالَتْ :هَذِهِ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى يُسْتَشْفَى بِهَا (ص ۱۹۰ سطر ۲۱ تا ۲۶)

تشریح

قوله: وأما ميثرة الأرجوان،(ص ۱۹۰ سطر ۲۴)

ارجوان، ارغوان کا معرب کا ہے، ارغوان کے معنٰی ہیں لال[1]، اس حدیث میں حضرت اسماءؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تین باتیں دریافت کرنے کے لئے اپنے غلام کو بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ تین باتوں کو حرام کہتے ہیں، ایک یہ کہ آپ کپڑے کے اندر ریشم کے پھول بوٹوں کو حرام کہتے ہیں اور اسی طرح لال رنگ کی گدی استعمال کرنے کو بھی آپ ناجائز کہتے ہیں، اور رجب کے پورے مہینے میں روزہ رکھنے سے بھی آپ منع فرماتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا کہ جو آدمی سارے سال روزے رکھے تو کیا وہ رجب میں روزے نہیں رکھے گا؟ لہٰذا یہ بات درست نہیں۔

اور جہاں تک کپڑے کے اندر ریشم کے پھول بوٹوں کی بات ہے تو میں نے حضرت عمرؓ سے یہ

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۰۔

حدیث سنی کہ ریشم پہنتا ہے وہ شخص کہ جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، تو مجھے خوف محسوس ہوا کہ یہ پھول بوٹے بھی اسی میں داخل ہیں۔

اور رہی لال گدی تو دیکھ لیجئے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی گدی بھی لال ہے، صرف لال ہونے سے ممانعت نہیں ہے، بلکہ دوسری وجہ جیسے رشم کی ہونے کی وجہ سے ممانعت ہوگی۔ (۱)

قوله: جبة طيالسة كسروانية (۱۹۰ سطر ۲۵)

طيالسة، طیلسان کی جمع ہے، طیلسان شاہی جبے کو کہتے ہیں، كسروانية، یہ کسریٰ کی طرف منسوب ہے،

قوله : لبنة ديباج، (ص ۱۹۰ سطر ۲۵) ریشم کا گریبان،

قوله : وفرجيها مكفوفين (ص ۱۹۰ سطر ۲۵)

فرج، دامن کو کہتے ہیں، مكفوفين، اى مخيطين، یعنی جبہ کے گریبان ریشم کا تھا، یعنی گریبان میں ریشم کی پٹی لگی ہوئی تھی اور اس کے دونوں چاک سلے ہوئے تھے ریشم سے۔ (۲)

چار انگل چوڑا اصلی ریشم مرد کے لئے جائز ہے

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصلی ریشم مرد کے لئے بلاشبہ حرام ہے، لیکن چار انگلیوں کے برابر ریشم کا استعمال، چاہے پٹی کی شکل میں ہو، چاہے چوکور ہو اور چاہے پھول بوٹوں کی شکل میں ہو یہ سب جائز ہے، اور جیسے بانا سوت کا ہو اور تانا ریشم کا ہو وہ مرد کے لئے جائز ہے، ایسے ہی اس کے کرتے میں گریبان میں ریشم لگا ہوا ہو، آستینوں میں لگا ہوا ہو وہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ چار انگل سے کم کم ہو، اس سے زیادہ چوڑا نہ ہو۔ (۳)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ خَلِيفَةَ بْنِ كَعْبٍ أَبِي ذِبْيَانَ، قَالَ :سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، يَخْطُبُ، يَقُولُ :أَلَا لَا تُلْبِسُوا نِسَاءَ كُمُ الْحَرِيرَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ، فَإِنَّهُ مَنْ لَبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي

---

(۱) یعنی وہ لال گدی جو ریشم سے بنی ہوئی ہو وہ منع اور حرام ہے۔ کما قال العلامہ النووی ج ۲ ص ۱۹۱۔ طاھر اقبال

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۰ او تکملۃ فتح الملھم ج ۴ ص ۱۰۲۔

(۳) نیز اس حدیث مبارک سے ایک اہم بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ آثار صالحین اور ان کے کپڑوں سے تبرک حاصل کرنا مستحب اور مشروع ہے (تکملۃ فتح الملھم ۴/۱۰۳) جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ ہے: "فنحن نغسلها للمرضى لنستشفى بها" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰)۔

الْآخِرَةِ (ص ۱۹۱ سطر ۱، ۲)

تشریح

عورتوں کے لئے اصلی ریشم پہننے کی ممانعت کا حکم

قوله: سمعت عبد الله بن الزبير، يخطب، .ألا لا تلبسوا نساء كم الحرير،
(ص ۱۹۱ سطر ۱، ۲)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سن لو! تم اپنی عورتوں کو ریشم نہ پہناؤ، اور دلیل میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا مؤقف یہی ہے، اور یہ مؤقف حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور بعض تابعینؒ سے بھی مروی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے انتقال کے بعد ان باقی حضرات کا اس بات پر اجماع ہوگیا کہ ریشم عورتوں کے لئے حلال ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس حدیث کے عموم سے استدلال فرمایا ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ ان کا اس حدیث کے عموم سے استدلال کرنا درست نہیں اور دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن احادیث میں عورتوں کے لئے ریشم کا حلال ہونا ثابت ہوتا ہے، وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تک نہیں پہنچی [1]، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اور حضرت عمرؓ کو ریشم کا کپڑا دیا، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! اس کو آپ ﷺ نے حرام قرار دیا اور پھر ہمیں دے دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس لئے نہیں دیا کہ تم پہنو، بلکہ اس کے دوپٹے بنا کر اپنے گھر کی عورتوں کو پہناؤ، اگر عورتوں کے لئے ریشم حلال نہ ہوتا تو آپ ﷺ ان کو دینے کے لئے کیوں تقسیم فرماتے؟ [2]

دوسری حدیث حضرت علیؓ سے مشہور و معروف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ گھر کے باہر تشریف لائے، ایک ہاتھ میں ریشم تھا اور ایک ہاتھ میں سونا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری امت کے مردوں کیلئے حرام ہے اور میری امت کی عورتوں کیلئے حلال ہے۔ [3]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ أُكَيْدِرَ دُوْمَةَ أَهْدَى

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۱۰۳، کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذهب الخ

(۲) صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۸۵۴ کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذهب الخ

(۳) سنن ابن ماجه كتاب اللباس باب لبس الحرير والذهب للنساء، رقم الحديث: ۳۵۸۵۔

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَ حَرِيرٍ، فَأَعْطَاهُ عَلِيًّا، فَقَالَ :شَقِّقْهُ خُمُرًا بَيْنَ الْفَوَاطِمِ (ص ۱۹۲ سطر ۱۰ تا ۱۲)

تشریح

قوله: اُکیدر (ص ۱۹۲ سطر ۱۱)

یہ ایک بادشاہ اور امیر آدمی کا نام ہے پورا نام اس طرح ہے اکیدر بن عبدالملک الکندی، یہ دومۃ الجندل کا امیر تھا، بعض نے کہا کہ یہ پہلے نصرانی تھا بعد میں مسلمان ہوگیا، لیکن محققین کہتے ہیں کہ یہ عیسائی ہی رہا، اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک جوڑا بھیجا تھا، سرکار دوعالم ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے، تو حضرت علیؓ کو ایک لشکر دیکر دومۃ الجندل پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا تھا، لیکن اس نے صلح کر لی اور جزیہ دینے پر تیار ہوگیا، یہ جزیہ دیتا رہا، حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں اس نے عہد کی خلاف ورزی کی، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا جس نے اس کو قتل کیا۔ (۱)

دومۃ الجندل ایک شہر کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تیرہ مرحلے پر ہے اور دمشق سے دس مرحلے پر واقع ہے،

چار فاطمہ

قوله : فواطم (ص ۱۹۲ سطر ۱۲)

فواطم جمع ہے فاطمہ کی، ان سے چار فاطمہ مراد ہیں، فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ، فاطمہ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ، اور فاطمہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب، اور ایک فاطمہ بنت شیبہ۔ (۲)

ان کے درمیان دوپٹے تقسیم کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا۔

باب إباحة لبس الحرير للرجل إذا كان به حكة او نحوها

(خارش کی وجہ سے مرد کی ریشم استعمال کرنے کی گنجائش ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الى قوله) أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، أَنْبَأَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ،

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۲ و تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۱۰۸۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۲ و تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۱۰۹۔

وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فِي الْقُمُصِ الْحَرِيرِ فِي السَّفَرِ مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا أَوْ وَجَعٍ كَانَ بِهِمَا. (ص ۱۹۳ سطر ۱، ۲)

تشریح

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیثِ طیبہ ذکر فرمائی ہیں کہ جن سے خارش میں اور جہاد کی صورت میں مرد کے لئے ریشم کے استعمال کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، چنانچہ جمہورؒ یعنی ائمۂ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ اور جمہور علماء وفقہاء فرماتے ہیں کہ جہاد میں یا خارش کی صورت میں خالص ریشم مرد کو استعمال کرنا جائز ہے، ان احادیث کی بناء پر جو اس باب میں مذکور ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جہاد اور خارش کی صورت میں بھی خالص ریشم استعمال کرنا جائز نہیں، البتہ ایسی صورت میں وہ ریشم استعمال کرے جس کا بانا ریشم کا ہو اور تانا کسی اور چیز کا ہو، اور اس قسم کی احادیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ حالتِ اضطرار پر محمول ہے، یا پھر یہ ان حضرات کی خصوصیت ہے۔[1]

باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر

(مرد کو پیلا لباس پہننا ممنوع ہے)

حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ :رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ، فَقَالَ :أَأُمُّكَ أَمَرَتْكَ بِهَذَا؟ قُلْتُ :أَغْسِلُهُمَا، قَالَ :بَلْ أَحْرِقْهُمَا (ص ۱۹۳ سطر ۹ تا ۱۱)

تشریح

معصفر، عصفر سے ہے، عصفر ایک جڑی بوٹی ہوتی ہے، جس میں سے پیلا رنگ نکلتا ہے، پہلے زمانے میں اس سے کپڑے رنگے جاتے تھے[2]، چونکہ یہ عورتوں کے لئے استعمال ہوتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے مردوں کیلئے اس کو پہننے سے منع فرمایا۔

قوله: بل أحرقهما (ص ۱۹۳ سطر ۱۱)

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حقیقت میں جلانا نہیں، بلکہ ڈانٹ ڈپٹ مراد ہے،[3]

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۱۰۱ا۱۱۱۔ والهداية ۴/۳۶۶ كتاب الكراهية فصل فى اللبس۔

(۲) تاج العروس باب الراء مادة "عصفر" ج ۱ ص ۳۲۰۹.

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۳

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی ملکیت سے نکالو، خواہ بیچ دو، خواہ کسی کو ہدیہ یا صدقہ کے طور پر دیدو۔

باب فضل لباس الثیاب الحبرة

(یمنی چادر استعمال کرنے کی فضیلت)

حَدَّثَنَا هَدّابُ بْنُ خَالِدٍ، (الی قوله) قَتَادَةُ، قَالَ :قُلْنَا لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ :أَيُّ اللِّبَاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ أَعْجَبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ :الْحِبَرَةُ (ص۱۹۳ سطر۱۵، ۱۶)

تشریح

قوله : الحبرة،(۱۹۳ سطر۱۶)

الحبرة یمنی چادر کو کہتے ہیں، جو بہت نفیس اور دھاری دار ہوتی تھی، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سبز رنگ کی ہوتی تھی، یہ آپ ﷺ کو بہت محبوب اور پسند تھی۔ (۱)

باب التواضع فی اللباس...الخ

(لباس میں تواضع اختیار کرنا)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، قَالَ :دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا إِزَارًا غَلِيظًا مِمَّا يُصْنَعُ بِالْيَمَنِ، وَكِسَاءً مِنَ الَّتِي يُسَمُّونَهَا الْمُلَبَّدَةَ، قَالَ :فَأَقْسَمَتْ بِاللهِ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ فِي هَذَيْنِ الثَّوْبَيْنِ (ص۱۹۳ سطر۱۷، ۱۸)

تشریح

قوله: المُلَبَّدة (ص۱۹۳ سطر۱۸)

ملبد، جس پر پیوند لگے ہوئے ہوں۔ (۲)

حَدَّثَنِي سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى

---

(۱) فتح الباری کتاب اللباس باب البرد والحبرة والشملة ۳۶۵/۱۶۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۹۴

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعَرٍ أَسْوَدَ. (ص ۱۹۴ سطر ۳ تا ۵)

تشریح

قوله : مرط(ص ۱۹۴ سطر ۵) مرط چادر کو کہتے ہیں۔[۱]

قوله : مرحّل (ص ۱۹۴ سطر ۵)

مرحل، جس چادر پر اونٹ کے کجاوے کے نمونے بنے ہوئے ہوں، وہ چادر کالے بالوں کی تھی۔[۲]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :كَانَ وِسَادَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي يَتَّكِىءُ عَلَيْهَا مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ (ص ۱۹۴ سطر ۵،۶)

تشریح

قوله: حشوه ليف (ص ۱۹۴ سطر ۶)، آپ ﷺ کا چمڑے کا تکیہ تھا، جس کا بھراؤ کھجور کی چھال تھی۔[۳]

باب جواز اتخاذ الأنماط

(اوپر کی چادر بنوانا درست ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجْتُ :أَتَّخَذْتَ أَنْمَاطًا؟ قُلْتُ :وَأَنَّى لَنَا أَنْمَاطٌ؟ قَالَ :أَمَا إِنَّهَا سَتَكُونُ (ص ۱۹۴ سطر ۹،۱۰)

تشریح

قوله : انماط(ص ۱۹۴ سطر ۱۰)

انماط، نمط کی جمع ہے، نمط بستر کے اوپر کی چادر کو کہتے ہیں۔[۴]

---

(۱) علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ "مرط" ایسی چادر ہوتی تھی جو کبھی اون سے اور کبھی بالوں سے اور کبھی کتان یا ریشم سے بنائی جاتی تھی۔ (شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴)

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴ و مشارق الانوار للقاضی عیاضؒ ج ۱ ص ۵۵۷

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴

(۴) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴

باب كراهة ما زاد على الحاجة من الفراش واللباس

(ضرورت سے زیادہ بستر اور لباس مکروہ ہیں)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ :فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ، وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهِ، وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ، وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ (ص ۱۹۴ سطر ۱۳، ۱۴)

تشریح

چوتھا بستر شیطان کا ہونے کا مطلب

اس باب کی حدیث میں فرمایا کہ ایک بستر مرد کا ہونا چاہئے، ایک بستر اس کی بیوی کا ہونا چاہئے اور ایک بستر مہمان کے لئے ہونا چاہئے، اور چوتھا شیطان کا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ شارحین نے اس کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں:

ایک یہ کہ تین بستر تو ضرورت کے ہیں، اور بلا ضرورت ناجائز ہیں، شیطان کا ہونے سے بلا ضرورت ہونا مراد ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی فخر وغرور اور تکبر کے لئے بستر بنائے، چاہے وہ ایک بنائے یا دو یا تین چار بنائے، اس طریقے سے بستر بنانا ناجائز ہے۔ (۱)

تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں بستروں کی گنتی یا تعداد بتلانا مقصود نہیں ہے، بلکہ بستروں کی قسمیں اور انواع بیان کرنا مقصود ہے۔ (۲)

باب تحريم جر الثوب خيلاء

(مرد کو شلوار وغیرہ ٹخنے سے نیچے رکھنے کی ممانعت کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ (ص ۱۹۴ سطر ۱۴، ۱۵)

تشریح

اس باب میں مصنفؒ نے بیان فرمایا کہ مرد کو اپنی شلوار ٹخنے سے نیچے رکھنا ناجائز ہے، اس سلسلے

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۱۰۵، کتاب اللباس والزينة۔

میں علامہ نوویؒ اور علامہ عینیؒ اور حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تکبر کی وجہ سے شلوار ٹخنے سے نیچے کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر بغیر تکبر کے کرے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے[۱]، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یہ فرمایا ہے کہ چاہے تکبر سے کرے یا بغیر تکبر کے کرے، شلوار ٹخنے سے نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[۲]

حضرت شیخ ؒ نے اس مسئلہ میں کافی تحقیق فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل میں تہبند یا پاجامہ ٹخنے سے نیچے کرنا تکبر کی وجہ سے ناجائز ہے، اس کی اصل علت تکبر ہے، لیکن چونکہ غرور اور تکبر دل میں ہوتا ہے اور ہر آدمی کو اس کا احساس نہیں ہوتا، لہٰذا اب اس کے قائم مقام جرِ ازار کو کردیا گیا ہے، یعنی جب کوئی شخص اپنی شلوار ٹخنے سے نیچے کرے گا تو سمجھا جائے گا کہ تکبر کی وجہ سے کر رہا ہے، البتہ ایک صورت مستثنیٰ ہوگی کہ بلا ارادہ کسی کی شلوار ٹخنے سے نیچے چلی جائے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے سفر میں قصر، اس کی علت مشقتِ سفر ہے، لیکن چونکہ مشقت ہر آدمی کے اعتبار سے الگ الگ ہے اور اسی طرح سفر کی بھی مختلف صورتیں ہیں، لہٰذا مشقتِ سفر کو قائم مقام سفر کے کردیا گیا۔[۳]

باب طرح خاتم الذهب

(سونے کی انگوٹھی اتارنے کا حکم)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِي يَدِ رَجُلٍ، فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ، وَقَالَ :يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ ، فَقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :خُذْ خَاتِمَكَ انْتَفِعْ بِهِ، قَالَ :لَا وَاللهِ، لَا آخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۱۹۵ سطر ۲۴ تا ۲۷)

تشریح

سونے کی انگوٹھی کی شروع میں اجازت تھی، بعد میں اس کو منع فرمادیا گیا، سونے یا سونے کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی سوائے چاندی کے، وہ مرد کے لئے ناجائز ہے، اور مرد کے لئے چاندی کی

(۱) مرقاة المفاتیح ج ۱۳ ص ۶۳، کتاب اللباس۔

(۲) فتح الباری کتاب اللباس باب من جر ثوبه من الخیلاء ۱۶/ ۳۳۲

(۳) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۸۔

انگوٹھی ایک مثقال کے وزن کے برابر یا اس سے کم کم جائز ہے، ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، جبکہ سونے اور چاندی کی انگوٹھی عورتوں کے لئے جائز ہے، ان دو کے علاوہ کسی اور دھات کی بنی ہوئی انگوٹھی عورتوں کے لئے کیسی ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے، اور انگوٹھی کے علاوہ باقی ہر قسم کی دھات کا زیور جیسے آرٹیفیشل یا المونیم یا اسٹیل یا پلاٹیم وغیرہ کا زیور عورتوں کے لئے جائز ہے۔[1]

باب لبس النبی ﷺ خاتما من ورق نقشه محمد رسول الله، ولبس الخلفاء له من بعده

(حضور ﷺ کا چاندی کی انگوٹھی جس میں رسول اللہ لکھا ہوا تھا پہننا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا پہننا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ، فَكَانَ فِي يَدِهِ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عُمَرَ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عُثْمَانَ، حَتَّى وَقَعَ مِنْهُ فِي بِئْرِ أَرِيسٍ، نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ....الحديث (ص ۱۹۶ سطر ۷ تا ۹)

تشریح

اس باب کی پہلی حدیث سے جمہور فقہاء رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی بنوانا، اور استعمال کرنا جائز ہے، البتہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی مکروہ ہے، وہ مسند احمد کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابوریحانہؓ سے مروی ہے کہ نهیٰ رسول الله ﷺ عن الخاتم الا لذی سلطان[2] او کما قال علیه السلام، اور بھی کئی روایتیں اسی مفہوم کی آئی ہیں کہ آپ ﷺ نے سلطان کے لئے انگوٹھی کی اجازت دی اور غیر سلطان کے لئے منع فرمادیا، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی بھی منع ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے :الدر المختار : ج۶ ص۳۵۹، ۳۶۰ کتاب الحظر والاباحة۔

(۲) مسند احمد حدیث ابی ریحانة رضی الله عنه رقم الحدیث: ۱۶۵۷۹ و سنن أبی داؤد کتاب اللباس باب من کرهه، رقم الحدیث: ۳۵۲۸۔

جمہور حدیثِ باب سے بھی استدلال کرتے ہیں اور حضرت بریدہؓ کی ایک مشہور روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ مجھے تمہارے ہاتھ سے بتوں کی بدبو آرہی ہے، اس نے اس کو اتار دیا، پھر اسٹیل کی انگوٹھی پہن کر آیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تیرے ہاتھ میں اہلِ جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی اتار دیا، اور پھر دریافت کیا کہ حضور! میں کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاندی کی انگوٹھی بنواؤ، لیکن ایک مثقال کو پورا نہ کرنا[1]، جمہورؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ان کو چاندی کی انگوٹھی بنوانے کی اجازت دی جو ایک مثقال کے اندر اندر ہو، اگر مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی مکروہ ہوتی تو آپ ﷺ کیسے اجازت دیتے؟۔

اور اسی باب کی اگلی حدیث میں ہے کہ میں نے یہ انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں یہ نقش کروایا ہے، لیکن تم اس کے مطابق نقش نہ بنوانا، یعنی آپ ﷺ نے انگوٹھی میں محمد رسول اللہ کا نقش بنوانے سے منع فرمایا، چاندی کی انگوٹھی سے منع نہیں فرمایا، اس لئے جمہور کہتے ہیں کہ مرد کے لئے بھی انگوٹھی بنوانا جائز ہے، بشرطیکہ ایک مثقال کے اندر اندر ہو۔

جمہور حدیث ابو ریحانہؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے، اور ضعیف حدیث قابلِ استدلال نہیں ہوتی، اور اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں مذکور نہی، مکروہ تنزیہی پر محمول ہے، کہ مرد کو بلا ضرورت انگوٹھی پہننا خلافِ اولیٰ ہے، اگر ضرورت ہو، جیسا کہ بادشاہ کو مہر لگانے کے لئے ضرورت ہوتی ہے، یا کوئی اور ضرورت ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے۔[2]

حضور ﷺ کی انگوٹھی کا بئرِ اریس میں گرنا

قوله: حتى وقع منه في بئر أريس (ص ۱۹۶ سطر ۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس سے حضور کی انگوٹھی آپ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہی پھر ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس آئی پھر وہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے بئرِ اریس میں گر گئی، اور اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ کے غلام حضرت معیقیبؓ سے کنویں میں گری، بئر اریس مسجدِ قباء سے جانب مغرب میں ایک باغ کے اندر تھا، جس میں یہ انگوٹھی گری تھی، اور بئر اریس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا مالک ایک یہودی تھا، جس کا نام اریس تھا، اس کی طرف یہ کنواں منسوب ہے، اریس کے معنیٰ کاشتکار کے آتے ہیں، اس کنویں پر حضرت عثمانؓ اور آپ کے

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الخاتم باب ماجاء فی خاتم الحدید رقم الحدیث: ۴۲۸۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۱۱۴، ۱۱۵ باب لبس النبي صلى الله عليه وسلم خاتما من ورق الخ۔

غلام معیقیب بیٹھے ہوئے تھے، انگوٹھی اس میں گرنے کے بعد تین دن تک آپؓ تلاش کرواتے رہے، لیکن انگوٹھی نہیں ملی، بعض حضرات نے اس تعارض کو اس طرح دور کیا ہے کہ دراصل انگوٹھی حضرت معیقیب کے ہاتھ سے گری تھی، مجازاً ان کے آقا حضرت عثمانؓ کی طرف گرنے کی نسبت کردی، اور تابع کا فعل متبوع کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی کہ انگوٹھی دونوں سے گری، وہ اس طرح کہ انگوٹھی حضرت معیقیب کے پاس تھی، حضرت عثمانؓ نے ان سے طلب کی، انہوں نے پیش کی، وہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں تھی، آپ کسی سوچ میں تھے اور اسی سوچ میں آپ نے وہ انگوٹھی حضرت معیقیب کو دوبارہ دی، اسی لین ودین میں وہ انگوٹھی کنویں میں جا گری، لیکن اس میں زیادہ راجح بات یہ ہے کہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے گری، اور جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں کچھ اسرار تھے، ایسے ہی اس انگوٹھی میں بھی کچھ اسرار تھے، جن میں سے ایک راز یہ تھا کہ انگوٹھی کی موجودگی میں فتنے رُکے ہوئے تھے، جب سے یہ انگوٹھی گم ہوئی، اسی وقت سے حضرت عثمانؓ کی حکومت کو زوال آنا شروع ہوگیا، اور اس کے بعد ہی آپؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد ہی سے مسلسل امت میں فتنے ظاہر ہوتے آرہے ہیں۔ (۱)

باب في اتخاذ النبي ﷺ خاتما لما أراد أن يكتب إلى العجم

(جب حضور ﷺ نے عجمی بادشاہوں کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی)

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى كِسْرَى، وَقَيْصَرَ، وَالنَّجَاشِيِّ، فَقِيلَ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ، فَصَاغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهُ فِضَّةً، وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ (ص ۱۹۶ سطر ۱۹ تا ۲۱)

تشریح

قوله: فصاغ رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما حلقة فضة، (۱۹۶ سطر ۲۱)

خاتما مبدل منہ ہے اور حلقة فضة اس سے بدل ہے۔ (۲)

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۱۱۵، ۱۱۶۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص۱۹۶

باب في طرح الخواتم
(انگوٹھیاں اتارنا)

حَدَّثَنِي أَبُو عِمْرَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ أَبْصَرَ فِي يَدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ يَوْمًا وَاحِدًا، قَالَ :فَصَنَعَ النَّاسُ الْخَوَاتِمَ مِنْ وَرِقٍ فَلَبِسُوهُ، فَطَرَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَهُ، فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِمَهُمْ (ص۱۹٦ سطر ۲۱، ۲۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، اور استعمال بھی فرمائی، آپ کو دیکھ کر صحابۂ کرامؓ نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوائیں اور استعمال فرمائیں، جب آپ ﷺ نے انگوٹھی اتاری تو لوگوں نے بھی اتار دی، تو اس حدیث میں چاندی کی انگوٹھی کو اتارنے کا ذکر ہے جبکہ گذشتہ ابواب کی احادیث سے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی کو اتارنے کے بارے میں جتنی بھی احادیث یہاں ہیں، ان کی سند میں ابن شہاب زُہری ہیں، اور یہ ان کا وہم ہے، اصل میں یہ سونے کی انگوٹھی تھی جس کو آپ ﷺ نے بنوایا، پہنا اور پھر اتار دیا، انہوں نے ذھب کی بجائے ورق کہہ دیا۔[۱]

بعض حضرات نے تعارض کو اس طرح دور کیا ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے زینت کے لئے انگوٹھی بنوائی تھی، آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابۂ کرامؓ نے بھی چاندی کی انگوٹھی بنوالی، جب آپ ﷺ نے یہ دیکھا تو آپ ﷺ نے انگوٹھی اتار دی، کیونکہ انگوٹھی کے ذریعے زینت مناسب نہیں ہے، پھر بعد میں آپ ﷺ نے عجم کے بادشاہوں کے نام خطوط پر مہر لگانے کی ضرورت سے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ نقش کروایا، کیونکہ آپ ﷺ کو بتایا گیا تھا کہ وہ بغیر مہر کے کسی کا خط پڑھتے ہی نہیں ہیں۔[۲]

باب في خاتم الورق فصه حبشي
چاندی کی انگوٹھی کا نگینہ حبشہ کا تھا

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الى قوله) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۱۹٦

(۲) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۱۱۸، ۱۱۹۔

مَالِكٍ، قَالَ :كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرِقٍ، وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا (ص۱۹۷ سطر۳،۴)

تشریح

قوله: وكان فصه حبشيا (ص۱۹۷ سطر ۴)

اورآپ ﷺ کی انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا، یعنی آپ کی انگوٹھی کا نگینہ جس پتھر کا تھا، وہ پتھر حبشہ کا تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی، نگینہ بھی چاندی کا تھا، اس کے دو جواب ہیں کہ نگینہ تھا تو حبشی کا لیکن اس کی بناوٹ چاندی کی سی تھی، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس کئی قسم کی انگوٹھیاں تھیں، کسی میں نگینہ چاندی کا تھا، کسی میں حبشی کا تھا۔[1]

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِي يَمِينِهِ، فِيهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ (ص۱۹۷ سطر۴ تا۶)

تشریح

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہننی چاہئے

قوله: لبس خاتم فضة في يمينه (ص۱۹۷ سطر ۵)

آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔ اس روایت میں دائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے، جبکہ بعض دیگر روایتوں میں بائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے، ان دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے لئے شارحین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں، بعض نے کہا کہ پہلے آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی، پھر بائیں ہاتھ میں پہنی، اور بعض نے کہا کہ کسی وقت آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ میں پہنی اور کسی وقت بائیں ہاتھ میں پہنی، اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ زینت کے لئے دائیں ہاتھ میں پہنی اور ضرورت کے لئے بائیں ہاتھ میں پہنی، تو جن روایات میں بائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے وہ مہر لگانے کیلئے ہے اور جن روایات میں دائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے وہ زینت کیلئے ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ اس انگوٹھی کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے،

(۱) شرح النووی ج۲ص۱۹۷

انگوٹھی کا نگینہ اوپر رکھیں یا نیچے دونوں طرح آپ ﷺ سے ثابت ہے، البتہ نگینہ اندر کی طرف رکھنا اولیٰ ہے، کیونکہ مرد کو زینت مقصود نہیں ہے، ضرورت مقصود ہے، اور ضرورت، حفاظت و سلامتی اندر رکھنے میں ہے، نہ کہ اوپر رکھنے میں ہے۔ (۱)

اسی طرح آگے انگلیوں کا مسئلہ آرہا ہے کہ آپ ﷺ نے کون کون سی انگلی میں انگوٹھی کو پہنا، تو اصل یہ ہے کہ جس میں سہولت ہو، اس میں پہن لے، آپ ﷺ نے تمام انگلیوں میں انگوٹھی کو پہنا ہے۔

باب ما جاء في الانتعال والاستكثار من النعال

(جوتا استعمال کرنا اور کئی جوڑی رکھنا)

حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي غَزْوَةٍ غَزَوْنَاهَا :اسْتَكْثِرُوا مِنَ النِّعَالِ، فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ (ص۱۹۷ سطر۱۳ تا۱۵)

تشریح

اس باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے پاس جوتوں کی ایک سے زائد جوڑیاں رکھنی چاہئیں، تاکہ اگر ایک جوڑا کہیں گم ہوجائے یا ٹوٹ جائے تو دوسری کام میں آئے، اس لئے ننگے پیر چلنا آدمی کے لئے مشکل ہوتا ہے، کیونکہ ننگے پاؤں چلنے میں گرمی میں پاؤں جلتے ہیں، اور پاؤں گندے بھی ہوتے ہیں، اور پیر میں نوک والی چیزیں چبھ بھی جاتی ہیں، اور ان سے پیر زخمی بھی ہوجاتا ہے۔ (۲)

باب إذا انتعل فليبدأ باليمين وإذا خلع فليبدأ بالشمال

(جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پیر میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پیر سے جوتا اتارے)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَلَّامٍ الْجُمَحِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنَى،

(۱) مرقاة المفاتيح كتاب اللباس باب الخاتم ج۱۳ص۱۳۱۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۱۲۲۔

وَإِذَا خَلَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ وَلْيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعًا (ص ۱۹۷ سطر ۱۵، ۱۶)

تشریح

جوتا دائیں پاؤں میں پہلے پہننا مستحب ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جوتا پہننا ایک نعمت ہے، اور اچھے کام دائیں طرف سے ہونے چاہئیں، جوتا اتارنا اس نعمت کو دور کرنا ہے، اس لئے جوتے اتارنے کی ابتداء بائیں پاؤں سے کرنی چاہئے[1]، یا دونوں پیروں میں اکٹھا پہنے یا دونوں پیروں سے اکٹھا اتارے جیسا کہ حدیثِ بالا میں ہے۔

باب النهي عن اشتمال الصماء والاحتباء في ثوب واحد

(ایک چادر میں لپٹنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا منع ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، فِيمَا قُرِءَ عَلَيْهِ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ، أَوْ يَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهِ (ص ۱۹۸ سطر ۵،۶)

تشریح

قوله: وأن يشتمل الصماء (ص ۱۹۸ سطر ۶)

ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو ایک چادر میں لپٹنا مکروہ ہے

صماء کے ایک لغوی معنیٰ ہیں اور ایک فقہی معنیٰ ہیں، لغوی معنیٰ یہ ہیں کہ چادر کو دائیں بائیں اچھے طریقے سے اس طرح لپیٹ لے کہ بالکل ہاتھ نکالنے کی جگہ باقی نہ رہے[2]، اور فقہی معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی ایک ہی چادر میں لپٹ جائے اور چادر کے پیچھے کا پلّہ اٹھا کر کندھے پر رکھ لے،[3] دونوں معانی میں تھوڑا سا فرق ہے، لغوی معنیٰ کے اعتبار سے یہ صورت ہے کہ چادر میں اپنے آپ کو بالکل اس طرح لپیٹ لے کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے، اور فقہی معنیٰ کی صورت میں ایک جانب کو اوپر کر لے، جس

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۱۲۲۔

(۲) مشارق الانوار للقاضي عياض ج ۲ ص ۸۵، حرف الصاد۔

(۳) تاج العروس باب اللام ج ۱ ص ۷۳۲۱۔

میں کشفِ عورت کا قوی خطرہ ہے، تو لغوی معنی کے اعتبار سے کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں آدمی کے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے، اٹھتے بیٹھتے گرنے کا خطرہ ہے اور اگر کوئی انسان یا جانور اس پر اچانک حملہ کردے تو دفاع کی کوئی صورت نہیں۔ اور فقہی معنی کی صورت میں کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہے۔

کولہے زمین پر اور پنڈلیاں کھڑی کر کے بیٹھنا منع ہے

قوله : وأن يحتبي في ثوب واحد كاشفا عن فرجه (ص۱۹۸ سطر۶)

احتباء یہ ہے کہ آدمی اپنی دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے زمین پر کولہے لگا کر ہاتھ سے پنڈلیوں کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جائے، یا رومال یا چادر یا کسی ڈوری وغیرہ سے باندھ لے، یہ اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں بھی ستر کھلنے کا خطرہ رہتا ہے، خصوصاً جب لنگی باندھا ہوا ہو، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا۔[1]

باب في منع الاستلقاء على الظهر ووضع إحدى الرجلين على الأخرى

(چت لیٹ کر ایک پیر دوسرے پیر پر رکھنا منع ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، (الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَالِاحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَأَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلَى ظَهْرِهِ (ص۱۹۸ سطر ۹، ۱۰)

تشریح

اس باب کی حدیث میں آپ ﷺ نے زمین پر چت لیٹ کر ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھنے سے منع فرمایا۔

باب في إباحة الاستلقاء ووضع إحدى الرجلين على الأخرى

(چت لیٹ کر ایک پیر دوسرے پر رکھنا جائز ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ رَأَى

(۱) تاج العروس باب الواو والیاء ج۱ص۸۳۳۶، وتکملة فتح الملهم ج۴ ص۱۲۴۔

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى (ص۱۹۸ سطر ۱۴، ۱۵)

تشریح

اس باب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں چت لیٹے ہوئے تھے اور ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا، گذشتہ باب میں ممانعت تھی اور اس باب میں آپ ﷺ کا خود ایسا کرنے کا ذکر ہے، اس تعارض کو حضرات محدثینؒ نے رفع فرمایا کہ پہلی حدیث میں ممانعت اس صورت میں ہے کہ جس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہو، اور آپ ﷺ نے خود جو عمل کیا، اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ نہیں تھا۔

دوسری توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ لیٹ کر ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھ لے، اس سے منع فرمایا، کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اور آپ ﷺ کے لیٹنے کی صورت ایک پاؤں کو کھڑا کر کے نہیں تھی، بلکہ دونوں پاؤں سیدھے تھے، اور ایک پاؤں کے اوپر دوسرا پاؤں رکھا ہوا تھا، یہ جائز ہے، کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا خطرہ نہیں۔ (۱)

باب النهي عن التزعفر للرجال

(مردوں کو زعفرانی کپڑا پہننا منع ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّزَعْفُرِ. (ص۱۹۸ سطر ۱۷، ۱۸)

تشریح

اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو زعفرانی رنگ کا کپڑا پہننا منع ہے، یہ بات تو مسلم ہے کہ اس کے منع ہونے کی وجہ تشبہ بالنساء ہے، لیکن شارحین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کی ممانعت کی وجہ اس کی خوشبو ہے یا رنگ؟ بعض حضرات نے خوشبو کہا اور بعض نے رنگ کہا، لیکن زیادہ راجح بات یہ ہے کہ اس کی وجہ خوشبو ہے، کیونکہ یہ خوشبو عورتیں استعمال کرتی تھیں، لہٰذا اگر کوئی زعفرانی کپڑا دھو کر پہن لے تو درست ہوگا کیونکہ اس صورت میں خوشبو ختم ہو جائے گی اور رنگ رہ جائے گا، بعض صحابہ کرامؓ جو زعفرانی کپڑا پہنتے تھے، اس کی یہی توجیہ کی جاتی ہے کہ وہ دھو کر پہنتے تھے، جیسے

---

(۱) فیض القدیر للعلامہ المناویؒ ج۱ ص۳۵۶، رقم الحدیث: ۴۳۲ وجمع الوسائل فی شرح الشمائل للعلامہ ملا علی قاریؒ باب ماجاء فی جلسته، ۱/ ۱۷۹.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [1]

باب فی صبغ الشعر وتغییر الشیب

(بالوں کو خضاب لگانا اور سفیدی کو بدلنا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أُتِيَ بِأَبِي قُحَافَةَ -أَوْ جَاءَ عَامَ الْفَتْحِ، أَوْ يَوْمَ الْفَتْحِ -وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ مِثْلُ الثَّغَامِ أَوِ الثَّغَامَةِ فَأَمَرَ أَوْ فَأُمِرَ بِهِ إِلَى نِسَائِهِ قَالَ غَيِّرُوا هَذَا بِشَيْءٍ (ص ۱۹۹ سطر ۱، ۲)

تشریح

ابوقحافہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد کی کنیت ہے، ان کا اسم گرامی **عثمان بن عمرو التیمی** ہے، [2] **ثغام یا ثغامہ**، یہ درخت کے پھل کو بھی کہتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ ایک پھول ہے، جو نہایت سفید ہوتا ہے، حضرت ابوقحافہ کی داڑھی مبارک اور سر مبارک کے بال بالکل سفید تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ **غیّروا هذا بشیء**، کہ ان کی اس حالت کو تبدیل کرو، یعنی خضاب لگاؤ، تا کہ یہ جو بالکل سفید معلوم ہو رہے ہیں، بالکل سفید نہ لگیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ ان کو بدلو اور کالے رنگ کے خضاب سے پرہیز کرو۔ [3]

یہاں دو مسئلے سمجھنے کے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سفید بالوں کو خضاب لگانے کا حکم دیا، اور ان کے رنگ کو بدلنے کا حکم دیا، جبکہ دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا بڑھاپا اس کے حق میں نور ہے [4]، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو بدلنے سے منع فرمایا [5]، تو تعارض ہوا، شارحین نے اس تعارض کو رفع فرمایا کہ جب داڑھی یا سر کے بال بالکل سفید ہو جائیں تو ان کو بدلنے کا حکم ہے، اور جب کچھ بال سیاہ اور کچھ سفید ہوں تو اس وقت نہ بدلنے کا حکم ہے۔

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص ۱۹۹، وفتح الباری کتاب اللباس باب النهی عن التزعفر للرجال ج۱۲ ص ۳۱۱۔

(۲) الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ (رضی اللہ عنهم) حرف العین بعدها الثاء، ۴/۳۳۷ وسیر اعلام النبلاء ج۲ ص ۱۳۵ فی تذکرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالی عنها۔

(۳) صحیح مسلم ج۲ ص ۱۹۹

(۴) جامع الترمذی ابواب فضائل الجهاد باب ما جاء فی فضل من شاب شیبۃ الخ رقم الحدیث: ۱۵۵۸۔

(۵) سنن ابی داؤد کتاب الخاتم باب جاء فی خاتم الذهب رقم الحدیث: ۳۶۸۶۔

بعض حضرات نے یہ توجیہ بیان فرمائی کہ جن احادیث میں سفید بالوں کو نہ بدلنے کا حکم ہے، خضاب نہ کرنے کا حکم ہے وہ منسوخ ہیں اور جن میں خضاب کرنے کا حکم ہے وہ ناسخ ہیں۔ [1]

خضاب لگانے کا حکم

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ خضاب لگانے کا کیا حکم ہے؟ تو خضاب کی تین قسمیں ہیں، ایک مہندی کا خضاب لگانا اور بالخصوص کتم بوٹی ملا کر خضاب لگانا، جس سے داڑھی یا سر کے بال سیاہ مائل ہو جائیں، مگر خالص سیاہ نہ ہوں، یہ بلاشبہ سنت اور افضل ہے، سنت سے سنتِ عادیہ مراد ہے سنتِ ہدیٰ مراد نہیں ہے۔

دوسرا خضاب وہ ہے کہ جو مہندی اور سیاہ خضاب کے علاوہ کسی اور رنگ کا خضاب ہو، وہ بھی جائز ہے۔

تیسرا خالص سیاہ رنگ کا خضاب ہے، اس میں کچھ تفصیل ہے، اس کی تین صورتیں ہیں، ایک بالاتفاق جائز ہے اور ایک بالاتفاق ناجائز ہے اور ایک بالاختلاف جائز ہے۔

مجاہد کے لئے میدانِ جہاد میں کالے رنگ کا خضاب لگانا بالاتفاق جائز ہے تاکہ دشمن پر رُعب پڑے، دوسری صورت یہ کہ کسی کو دھوکا دینے یا بوڑھے کو جوان ظاہر کرنے کے لئے سیاہ خضاب لگائے یہ بالکل ناجائز ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا دل خوش کرنے کے لئے سیاہ خضاب لگائے، اس میں اختلاف ہے، جمہور اس سے بھی منع کرتے ہیں، کیونکہ کلاً اور بعضاً اس پر وعید آئی ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے، کیونکہ جیسے بیوی کو اپنے شوہر کے لئے آراستہ اور مزین ہونا جائز ہے، شوہر کو بھی اپنی بیوی کے لئے مزین ہونا جائز ہے [2]، اور انکا استدلال صحابہؓ وتابعینؒ کے بعض آثار سے ہے، جمہور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جن میں مطلقاً ممانعت وارد ہوئی ہے، ہمارے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور جو حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جن احادیث میں مطلق ممانعت آئی ہے، وہ مطلق نہیں بلکہ دھوکا دہی کی صورت پر محمول ہیں۔

بیوی کو اپنے شوہر کا دل خوش کرنے کے لئے کالے رنگ کا خضاب لگانا جائز ہے، اور جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی نوجوان آدمی ہے، کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے وقت سے پہلے اس کے بال سفید ہو گئے، اس کے لئے کالے رنگ کا خضاب لگانا جائز ہے۔ [3] کیونکہ یہ دھوکہ دینا نہیں، بلکہ ازالۂ

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۲۹ و فتح الباری کتاب اللباس باب الخضاب ۱۰/ ۴۹۱۔

(۲) فتاویٰ ہندیہ ج۵ ص۳۵۹ کتاب الکراھیۃ الباب العشرون فی الزینۃ الخ۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص ۱۲۹، ۱۳۰۔

عیب اور ازالہ مرض ہے۔

باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة

(جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں ملائکہ نہیں آتے)

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ :أَخْبَرَتْنِي مَيْمُونَةُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبَحَ يَوْمًا وَاجِمًا، فَقَالَتْ مَيْمُونَةُ :يَا رَسُولَ اللهِ، لَقَدِ اسْتَنْكَرْتُ هَيْئَتَكَ مُنْذُ الْيَوْمِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ وَعَدَنِي أَنْ يَلْقَانِي اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِي، أَمَ وَاللهِ مَا أَخْلَفَنِي ، قَالَ :فَظَلَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَهُ ذَلِكَ عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ وَقَعَ فِي نَفْسِهِ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَنَا، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهُ ــــــ الحديث (ص ۱۹۹ سطر ۱۰ تا ۱۳)

تشریح

قوله: أن رسول الله ﷺ أصبح يوما واجما (ص ۱۹۹ سطر ۱۱)

واجما کے معنٰی ہیں غمگین اور خاموش[۱]،

قوله: فسطاط، (ص ۱۹۹ سطر ۱۳) بڑا خیمہ، اور قیام گاہ،

قوله: جرو، (ص ۱۹۹ سطر ۱۳) پلا۔[۲]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ (ص ۲۰۰ سطر ۱، ۲)

تشریح

قوله: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة (ص ۲۰۰ سطر ۲)

---

(۱) مرقاة المفاتيح باب التصاوير ج ۱۳ ص ۲۳۱۔

(۲) حوالہ بالا۔

تصویر والے گھر میں فرشتوں کے نہ آنے کی وجہ

جس گھر میں کتا یا تصویر ہو، وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے، ملائکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں، جو انسان کی حفاظت پر مأمور ہیں، وہ فرشتے جو روح نکالنے پر معمور ہیں، وہ یہاں مراد نہیں [1]۔ سوال یہ ہے کہ اگر گھر میں کتا یا تصویر ہو تو فرشتے گھر میں کیوں نہیں آتے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ کتا چونکہ نجس العین ہے، اسلئے فرشتے اس کی موجودگی میں نہیں آتے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کتا شیاطین میں سے ہے، جیسے شیاطین ایذاء پہنچاتے ہیں، کتا بھی ایذاء پہنچاتا ہے، اس وجہ سے فرشتے نہیں آتے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ کتا نجس العین تو نہیں ہے لیکن چونکہ اکثر گندہ رہتا ہے اور گندگی کے آس پاس رہتا ہے اس لئے اس کی موجودگی میں فرشتے نہیں آتے۔ [2]

تصویر کشی کا حکم

اس کے بعد تصویر کا مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ دورِ حاضر کے مسائل میں سے یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، اور اس کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، اس باب کی تقریباً تمام احادیث سے تصاویر کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ ہمارے حضرتؒ کا ایک رسالہ ہے اردو میں "تصویر کے شرعی احکام" ہے اس میں حضرت نے چودہ احادیث اور نو آثار جمع فرمائے ہیں، ان سے بھی جاندار کی تصویر کا حرام ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے، ان احادیث کے پیشِ نظر جمہورِ فقہاء کا موقف یہ ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام و ناجائز ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ائمہ اربعہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تصاویر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... جانداروں کی تصویر

(۲) ... بے جان چیزوں کی تصویر

جاندار کی تصویر کی پھر دو قسمیں ہیں، جسم والی تصویر، اور بغیر جسم والی تصویر یعنی کاغذ پر جاندار تصویر کا نقش۔

بے جان تصویر بنانا ائمہ اربعہؒ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے جیسے چاند، سورج، زمین، درخت وغیرہ، اور جانداروں کی تصاویر میں وہ تصاویر جن کا جسم ہوتا ہے اور ان کا سایہ زمین پر پڑتا ہے، جیسے مجسمہ، اسی طرح مورتی پتھر، تانبے، لکڑی وغیرہ کی تصاویر کے مجسمے وغیرہ، یہ حرام اور ناجائز ہیں۔

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۲۰۰۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۲۰۰۔

جاندار کی تصویر کی دوسری قسم کہ جس کا جسم نہیں ہوتا، جیسے کاغذ پر چھپی ہوئی تصویر، کپڑے پر بنی ہوئی یا چھپی ہوئی تصویر، دیوار پر بنی ہوئی یا چھپی ہوئی تصویر، اخبارات ورسائل کی تصویر، یہ تمام تصاویر وہ ہیں کہ جن کا جسم نہیں ہوتا، بلکہ خطوط ونقوش ہوتے ہیں، ائمہ ثلاثہؒ اس کی حرمت پر متفق ہیں، یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔

علماءِ مالکیہ میں اختلاف ہے، اکثر اس کو مکروہ کہتے ہیں اور مکروہ سے مکروہِ تحریمی مراد ہے، اور بعض علماءِ مالکیہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل آگے آنے والی ایک حدیث ہے کہ جس میں ہے **فقال عبيد الله: ألم تسمعه حين قال :إلا رقما في ثوب**، یعنی کپڑے میں نقش تصویر کا استثناء کیا گیا ہے، جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ رقمًا سے مراد بے جان کی تصویر ہے، دلیل آگے آنے والی حدیثِ عائشہؓ ہے، اس میں ہے کہ پردوں میں تصویر تھی، تو سرکارِ دوعالم ﷺ کا چہرۂ مبارک بدل گیا، اور آپ ﷺ نے وہ کپڑا لیکر پھاڑ دیا، اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہی لوگ گرفتار ہوں گے جو کہ صفتِ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، ایسی شدید وعید بے جان کی تصویر پر نہیں ہوسکتی، اس سے معلوم ہوا کہ رقمًا سے مراد بے جان کی تصویر ہے۔

متجدّ دین کا موقف

ہمارے دور کے متجدّدین کہتے ہیں کہ تصویر کی حرمت شروع اسلام میں تھی، بعد میں ختم ہوگئی، اور شروع میں اس لئے ممانعت تھی کہ شروع اسلام میں مسلمان بت پرستی چھوڑ کرنئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، تو ان کو تصویر بنانے، رکھنے اور استعمال کرنے سے منع کردیا گیا تھا، تاکہ وہ دوبارہ بت پرستی میں مبتلا نہ ہوجائیں، پھر جب ان میں توحید راسخ ہوگئی اور ان کا ایمان مضبوط ہوگیا، اور بت پرستی کا اندیشہ ختم ہوگیا تو تصویر کی حرمت ختم ہوگئی، متجددین کا یہ دعوی بلا دلیل ہے، کیونکہ اگر تصویر کی حرمت منسوخ ہوتی تو سرکارِ دوعالم ﷺ اس کا ناسخ بیان فرماتے، اور تقریبا سو سال تک آپ ﷺ کے بعد صحابۂ کرامؓ زندہ رہے، ان کی طرف سے کوئی ناسخ آتا، حالانکہ ایسا نہیں، پھر ایسا دعوٰی کرنا کہ جاندار کی تصویر کشی شروع اسلام میں حرام تھی، پھر اس کی حرمت ختم ہوگئی، یہ دعوی بلا دلیل ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ تصویر کے حرام ہونے کی علت حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ **يشبهون بخلق الله** کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی نقل اتارنا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا فرماتے ہیں، اس میں روح بھی ڈالتے ہیں، لیکن انسان صرف تصویر بناتا ہے مگر اس میں نہیں ڈال سکتا تو گویا یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو حرام ہے، یہ تصویر کے حرام ہونے کی علت ہے۔

بعض حضرات حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو ان کے قبضے میں کر دیا تھا اور وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے بڑے بڑے کام کیا کرتے تھے، مثلاً وہ تماثیل بناتے تھے، تماثیل، تمثال کی جمع ہے اور تمثال جاندار کی تصویر کو کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تصویر بنانا جائز ہے، اس کے دو جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ تمثال کے معنیٰ مطلق نقل اُتارنے کے آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے بے جان چیزوں کی تصاویر بناتے ہوں، لہٰذا اس سے جاندار کی تصویر کے حلال ہونے پر استدلال درست نہیں، اور بالخصوص اس وجہ سے بھی یہ معنیٰ مراد لینا ضروری ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابعدار تھے، یعنی وہ توریت کے احکام پر عمل کرتے تھے، اور توریت کے اندر یہ حکم نہیں تھا کہ جاندار کی تصویر بنانا حلال ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض مان لو کہ تمثال جاندار کی تصویر کو کہتے ہیں تو یہ شرائع من قبلنا کا مسئلہ ہے، اگر شرائع من قبلنا من غیر نکیر منقول ہو تب تو وہ قابلِ اتباع ہے اور درست ہے، ورنہ ناجائز ہے، اور ہماری شریعت میں جاندار کی تصاویر کی حرمت بیان کی گئی ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا سراسر غلط ہے۔

قدیم اور جدید کیمرہ کی تصویر کا حکم اور علماء کا اختلاف

تصویر اُتارنے کے کیمرہ کی دو قسمیں ہیں، ایک سادہ ریل والا کیمرہ اور ایک ڈیجیٹل کیمرہ۔

ریل والے کیمرے میں تصویر نیگیٹو میں محفوظ ہوتی ہے، اسی کو صاف کر کے چھوٹے بڑے فوٹو بنائے جاتے ہیں، پرانے زمانے میں سینما میں جو فلمیں دِکھائی جاتی تھیں وہ بھی اسی طرح تصاویر کی ایک ریل ہوتی تھی، اس کو چلاتے تھے تو پردے کے اوپر پوری تصویریں نظر آتی تھیں، ایسے کیمرہ کی تصویر جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں مصر کے علامہ شیخ محمد بخیت رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تصویر ناجائز تصویر میں داخل نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی چیز کی تصویر اتاری جاتی ہے، تو اس کے عکس کو محبوس کیا جاتا ہے، چنانچہ اس کیمرے میں جس چیز کی تصویر لے جاتی ہے اس کے سایہ کو روک کر محفوظ کیا جاتا ہے، جس کو اصطلاح میں حبس الظل کہتے ہیں، اور سایہ تصویر کے حکم میں نہیں تو اسکو محبوس کرنا بھی ممنوع نہیں لہٰذا اس کیمرہ کی تصویر ممنوع نہیں، یہ تصویر بنانا نہیں اور یہ اس طرح نہیں کہ ایک آدمی ہاتھ میں قلم اور برش لیکر کسی جاندار کی تصویر بنانا شروع کرے کہ پہلے اس کے

ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ بنائے اور پھر آہستہ آہستہ دیگر اعضاء بنا کر اس کو پورا کرے تو بلاشبہ یہ تصویر سازی ہے جو ناجائز ہے۔

اکثر علماءِ عرب وعجم نے ان کے اس مؤقف کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ کیمرے کی تصویر بلاشبہ ناجائز تصویر ہے، کیونکہ اس پر تصویر کی تعریف صادق آرہی ہے، اور تصویر کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کی شکل کسی چیز کے اوپر جمادی جائے، چاہے کپڑے پر چھاپی جائے یا بُنی جائے یا کاغذ پر چھاپی جائے، اور اس کے ہاتھ، پیر، کان، ناک وغیرہ محفوظ ہوں، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اور اس کیمرے کی تصویر میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں، ہمارے حضرتؒ نے اپنے رسالہ تصویر کے شرعی احکام میں شیخ علامہ محمد بخیت کے مؤقف کی پرزور تردید فرمائی ہے۔

دوسرے ڈیجیٹل کیمرہ، ٹیلی ویژن، وی سی آر، کمپیوٹر کی اسکرین پر آنیوالی تصویر، موبائل کی اسکرین پر آنے والی تصویر، ان تصاویر کا کیا حکم ہے؟ اس میں علماءِ عصر میں اختلاف ہے، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، تینوں جگہ کے علماء میں اختلاف ہے، علماء کی ایک بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ بالکل ناجائز اور ممنوع تصاویر ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تصویر بنانے کا جدید طریقہ ہے، اس لئے یہ سب تصاویر ہیں جو ایک نئے انداز میں بنائی گئی ہیں، اور اصل میں جاندار کی تصویر کا اعتبار ہے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے بنائی گئی ہو۔

دوسری طرف بھی علماءِ کرام کی ایک بڑی جماعت ہے، جس میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے اکابر علماء بھی شامل ہیں، ان حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ فی نفسہٖ یہ ممنوع تصویر میں داخل نہیں، کیونکہ تصویر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو کسی چیز پر جم جائے، جیسے کاغذ پر ہوتی ہے، دیوار پر ہوتی ہے، یہ تعریف اس پر صادق نہیں آتی، کیونکہ ان کی میموری میں وہ تصویر کی شکل میں محفوظ نہیں ہوتی، اس میں نیگیٹو کی طرح کوئی چیز نہیں ہوتی، ان میں تصویر کے باریک باریک ذرات (پکسل) ہوتے ہیں، اور اگر ان ذرات کو بکھیرا جائے تو کسی ایک ذرے (پکسل) میں تصویر کا کوئی بھی حصہ قابلِ شناخت نہیں ہوتا۔

جب ان کو اسکرین پر دکھایا جاتا ہے تو وہ اسکرین پر جم نہیں رہے ہوتے، بلکہ ایک طرف سے آتے ہیں اور دوسری طرف فنا ہوتے ہیں، اسی آنے، جانے، ملنے اور فنا ہونے سے اسکرین پر ایک تصویر سی بنی ہوئی نظر آتی ہے، جو حقیقی تصویر نہیں، بلکہ انسان کے سائے کی طرح ہے، جیسے انسان کا سایہ یا آئینہ میں اس کا عکس نظر آتا ہے، لیکن چونکہ وہ مستقل طور پر وہاں نقش نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں اسکرین پر بھی مستقل

طور پر نقش نہیں ہوتا، اس لئے فی نفسہ ایسی تصویر جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی اور خارجی ممانعت نہ ہو، جیسے عورت کی تصویر یا کوئی اور ناجائز تصویر، ورنہ عورت کے نامحرم ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے اس تصویر کو دیکھنا گناہ ہوگا نفسِ تصویر کی وجہ سے ممانعت نہ ہوگی۔

بوقتِ ضرورت تصویر کشی کی گنجائش ہے

بعض مواقع پر تصویر کی ضرورت پڑتی ہے، تو علماء نے اس کی گنجائش دی ہے، کیونکہ مواقع ضرورت عموماً حرمت سے مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں، مثلاً عورت کو سر سے پیر تک حجاب ضروری ہے، لیکن اگر سودا لینے یا دینے کے لئے اس کے ہاتھ کلائیوں تک کھل جائیں تو کھولے جاسکتے ہیں، یا چہرہ پردے سے چھپانے کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو رہی ہے، مثلاً اس کو راستہ نظر نہیں آرہا، نظر کمزور ہے تو اس کو چہرہ کھولنا بھی جائز ہے، نماز پڑھنے کے لئے اس کو وضو کرنا ہے اور وہ حجاب میں ہے، حجاب میں وضو کرنا دشوار ہے، ایسی عورت اجانب کے سامنے ہاتھ اور منہ کھول کر وضو کرسکتی ہے، ایسے ہی اگر عورت گواہی دینے لگے تو چہرہ کھولنا جائز ہے علاج معالجہ کے لئے نہ صرف چہرہ بلکہ جسم کا ہر وہ حصہ جس کا دیکھنا علاج کے لئے ضروری ہو خواہ ستر کا حصہ ہی کیوں نہ ہو بقدرِ ضرورت بوقتِ ضرورت کھولنا اور طبیب کو دیکھنا جائز ہے، ایسے ہی شناخت کی ضرورت سے تصویر کشی جائز ہے، اب شناخت کے لئے تصویر شناختی کارڈ میں بھی چاہئے، پاسپورٹ میں بھی چاہئے، اور داخلہ فارم کے لئے بھی چاہئے۔[1] لہٰذا ان سب صورتوں میں تصویر کشی کی گنجائش ہے۔

باب كراهة الكلب والجرس في السفر

(سفر میں کتا اور گھنٹی رکھنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ (ص ۲۰۲ سطر ۱۱، ۱۲)

قوله: رفقة (۲۰۲ سطر ۱۲) ساتھیوں کی جماعت۔

قوله: جرس (۲۰۲ سطر ۱۲) گھنٹی کو کہتے ہیں۔ جرس کی ممانعت کی وجہ علماء نے یہ لکھی

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۱۳۶، ۱۴۳۔

ہے کہ یہ ناقوس کے مشابہ ہے، دوسرے یہ کہ گھنٹی کی آواز ناپسندیدہ ہے، تیسرے یہ کہ لوگ اس کو گلے میں باندھتے ہیں اور یہ گلے میں باندھی جانے والی مکروہ چیزوں میں سے ہے۔[۱]

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا باندھنا مطلقاً ممنوع ہے، کیونکہ حدیث میں مطلقاً ممانعت ہے، البتہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل المجهود میں فرمایا ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب بلا کسی فائدے کے ہو، اور اگر جرس کے باندھنے میں کوئی فائدہ ہو تو بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت گلے میں باندھنا جائز ہے[۲]، جیسے کتا اگر چھوٹے باغ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے تو ناجائز ہے، کیونکہ اس کی حفاظت کے لئے کتے کی ضرورت نہیں اور اگر بڑے باغ میں اس کو رکھا جائے تو جائز ہے، ایسے ہی شکاری کتا بھی جائز ہے، اسی طرح قافلے کی حفاظت کے لئے کتا ساتھ رکھنا جائز ہے، کیونکہ یہاں اس کی ضرورت ہے، ایسے ہی اگر گھنٹی کی ضرورت ہو تو وہاں اس کا استعمال کرنا جائز ہے، پہلے زمانہ میں قافلے کے جانوروں کے گلے میں گھنٹی اس لئے باندھتے تھے کہ تاکہ اگر گم ہو جائے تو تلاش کرنا آسان ہو، یا اس لئے کہ جانوروں کے گلے میں بندھی گھنٹی کی آواز سن کر درندے اور موذی جانور راستے سے بھاگ کر ایک طرف ہو جاتے تھے، یا اس لئے کہ گھنٹی کی آواز سن کر جانور مست ہو جاتا اور تیز چلتا، جس کی وجہ سے مسافت جلدی طے ہو جاتی تھی، یہ بھی ایک ضرورت ہے۔[۳] اور ایسی ضرورت سے جانور کے گلے میں گھنٹی ڈالنا جائز ہے۔

باب كراهة قلادة الوتر فى رقبة البعير

(اونٹ کے گلے تانت باندھنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، قَالَ :فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا قَالَ :عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ :وَالنَّاسُ فِي مَبِيتِهِمْ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ قَالَ مَالِكٌ :أُرَى ذَلِكَ مِنَ الْعَيْنِ

(ص ۲۰۲ سطر ۱۴ تا ۱۷)

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۲۰۲۔

(۲) بذل المجهود كتاب الجهاد باب فی تعليق الاجراس ج۱۲ ص۳۳۔

(۳) تكملة فتح الملهم ج۴ ص۱۵۵۔

تشریح

قوله: قلادة من وتر (ص ۲۰۲ سطر ۱۶)

وتر، تانت کو کہتے ہیں اور تانت جانور کے پٹھے کو کہتے ہیں، جسم میں ایک گوشت ہوتا ہے، اس کو اردو میں اعصاب کہتے ہیں، جب اس کو خشک کیا جاتا ہے، تو وہ بہت ہی سخت ہوجاتا ہے اس کو تانت کہتے ہیں، اہلِ عرب اس تانت کو نظر بد سے بچنے کے لئے گلے میں باندھتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے نظر کا کوئی تعلق نہیں، اور یہ عقیدہ درست نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے وتر ہی سے منع فرمادیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو گلے میں ڈال کر جب جانور کو بھگایا جاتا ہے اور اس کو کھینچا جاتا ہے تو اس کی گردن کے دبنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ (۱)

تیسری وجہ اس کے ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اس میں گھنٹی باندھی جاتی تھی، اس وجہ سے اس کی ممانعت ہے۔ (۲)

باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه ووسمه فیه

(جانور کے چہرہ پر مارنے اور داغنے کی ممانعت کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِی شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ، وَعَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ

(ص ۲۰۲ سطر ۱۷ تا ۱۸)

تشریح

انسان یا جانور کے چہرے پر مارنا بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ چہرہ جسم کا نازک حصہ ہے جس میں نازک اعضاء ہیں، جیسے ناک، آنکھ، کان اور منہ اور دماغ وغیرہ، اس لئے مطلقاً حیوان کے چہرے پر مارنا اور بالخصوص انسان کے چہرے پر مارنا ناجائز ہے، البتہ چہرے کے علاوہ جانور کو مارنا، جیسے دوڑانے کے وقت مارا جاتا ہے، یہ جائز ہے، ایسے ہی انسان کی تربیت اور اس کی تہذیب کے لئے مارنا جیسے استاد اپنے شاگرد کو مارے یا باپ اپنی اولاد کو مارے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۲.

(۲) بذل المجهود کتاب الجهاد باب فی تقلید الخیل بالاوتار ج ۱۲ ص ۳۱، ۳۲.

مارے، اور اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مارنے سے جسم پر نشان نہ پڑنے پائے، اور جسم کے کسی نازک حصے پر نہ مارے اور تین مرتبہ سے زیادہ نہ مارے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے چہرے پر داغنے سے بھی منع فرمایا، اس لئے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ چہرے پر داغنا ناجائز ہے، البتہ نشانی یا علاج کے لئے چہرے کے علاوہ جسم کے غیر نازک اعضاء پر داغنا جائز ہے[1]، جیسے آپ ﷺ نے گدھے کی دونوں رانوں پر داغا۔[2]

باب جواز وسم الحيوان غير الآدمي في غير الوجه، وندبه في نعم الزكاة والجزية

(انسان کے علاوہ دیگر حیوان کے چہرہ کے علاوہ داغنا جائز ہے بلکہ زکوٰۃ وجزیہ کے جانوروں کو داغنا مندوب ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا وَلَدَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ قَالَتْ لِي: يَا أَنَسُ انْظُرْ هَذَا الْغُلَامَ، فَلَا يُصِيبَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَغْدُوَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَنِّكُهُ، قَالَ: فَغَدَوْتُ فَإِذَا هُوَ فِي الْحَائِطِ، وَعَلَيْهِ خَمِيصَةٌ حُوَيْتِيَّةٌ وَهُوَ يَسِمُ الظَّهْرَ الَّذِي قَدِمَ عَلَيْهِ فِي الْفَتْحِ (۲۰۳ سطر ۳، ۴)

تشریح

قوله: خميصة جونية (۲۰۳ سطر ۴)

خمیصہ کا معنیٰ ہے چادر اور جونیة بنی جون کی طرف منسوب ہے[3]۔

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: دَخَلْنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِرْبَدًا وَهُوَ يَسِمُ غَنَمًا قَالَ: أَحْسِبُهُ قَالَ: فِي آذَانِهَا (ص ۲۰۳ سطر ۶، ۷)

---

(۱) بذل المجهود كتاب الجهاد باب في رسم الدواب ج ۱۲ ص ۳۷۔

(۲) صحيح مسلم في هذا الباب ج ۲ ص ۲۰۳۔

(۳) اس لفظ میں کئی دیگر لغات بھی منقول ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحيح مسلم للنووي ج ۲ ص ۲۰۳۔

تشریح

قولہ : مربد، (ص۲۰۳سطر۷) جانوروں کا باڑا۔[1]

باب كراهة القزع

(قزع کی کراہت کا بیان)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عُمَرُ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْقَزَعِ قَالَ :قُلْتُ لِنَافِعٍ وَمَا الْقَزَعُ قَالَ:يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ بَعْضٌ.(ص۲۰۳ سطر۱۰،۱۱)

تشریح

قولہ : القزع (ص۲۰۳ سطر۱۰)

قزع کہتے ہیں سر کے کچھ بال کاٹ دینا اور کچھ بال چھوڑ دینا، یہ بالاتفاق مکروہ اور منع ہے، اور شارحین نے اس کی ممانعت کی دو وجوہات بیان کی ہیں، ایک تو اس میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تشبّہ بالیہود ہے[2]، اور ہمارے یہاں اس میں تشبّہ بالهنود ہے۔

باب النهي عن الجلوس في الطرقات وإعطاء الطريق حقه

(راستوں میں بیٹھنے کی ممانعت اور راستہ کا حق ادا کرنا)

حَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطُّرُقَاتِ قَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ قَالُوا :وَمَا حَقُّهُ؟، قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ(ص۲۰۴ سطر۲ تا۵)

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۲۰۳۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۲۰۳۔

تشریح

قوله: إياكم والجلوس (ص۲۰۴ سطر۳)

صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے اس ارشاد سے یہ سمجھا تھا کہ آپ ﷺ کا راستوں پر بیٹھنے کی ممانعت کا یہ حکم "وجوب کے لئے" ہے، جب ہی انہوں نے دوبارہ سوال کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ آپ ﷺ کا حکم دینا بطور ترغیب کے تھا، بطور وجوب کے نہیں۔

باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة

(بالوں میں بال ملانے اور ملوانے والی کا یہ فعل اور جسم گودنے اور گودوانے والی کا یہ عمل حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ :جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي ابْنَةً عُرَيِّسًا أَصَابَتْهَا حَصْبَةٌ فَتَمَرَّقَ شَعْرُهَا أَفَأَصِلُهُ، فَقَالَ :لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ (۲۰۴ سطر ۶،۷)

تشریح

قوله: عريسا (۲۰۴ سطر۷)

عریسّا کے معنی دلہن بننے والی یا رخصتی ہونے والی کے ہیں۔

قوله : حصبة (ص۲۰۴ سطر۷)

حصبة پھنسیوں کو کہتے ہیں[1]، یعنی اس کے سر پر پھنسیاں نکل آئی ہیں جس کی وجہ سے اس کے سر کے بال گر گئے ہیں، تو کیا میں اس کے بالوں میں دوسرے بال ملا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بال ملانے والی اور بال ملوانے والی دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الى قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۲۰۴۔

وَالْمُسْتَوْشِمَةَ (ص ۲۰۴ سطر ۱۵، ۱۶)

تشریح

قوله: الواشمة (ص۲۰۴ سطر۱۶) جسم گودنے والی۔

جسم گدوانا حرام ہے

قوله : المستوشمة (ص۲۰۴ سطر۱۶) جسم گدوانے والی، دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، نیلا رنگ یا نیلی روشنائی یا کالا سرمہ جسم کے اندر بھرا جاتا ہے اور اس سے جسم پر پھول بوٹے بنائے جاتے ہیں، جیسے ہمارے یہاں ہندوؤں میں اس کا بہت رواج ہے اور ہمارے دیہات کے بعض مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہے، یہ بھی **تغییر خلق اللّٰہ** میں داخل ہے اور حرام ہے۔[1]

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالنَّامِصَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ.... الحديث (ص ۲۰۵ سطر ۱، ۲)

تشریح

بھنویں بنانا ناجائز ہے

قوله : "النامصات" (ص ۲۰۵ سطر ۲)

نامصة کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں بال نوچنے والی[2] اور **متنمّصة** بال نوچوانے والی کو[3]، اسی میں بھنوؤں کو بنوانا بھی داخل ہے کہ عورتیں بلیڈ یا چمٹی سے بال صاف کرتی اور نوچتی ہیں یا دھاگے سے نوچتی ہیں اور بھنوؤں کو باریک کرتی ہیں، یا کسی کی دونوں بھنویں ملی ہوئی ہوں تو وہ درمیان میں حسن کے لئے فاصلہ کراتی ہیں، ایسا کرنا **تغییر خلق اللّٰہ** میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام اور موجب لعنت ہے، البتہ اگر عورت کی بھنویں بہت موٹی ہو جائیں اور ادھر ادھر بال نکل جائیں تو ان کو سیٹ کرنے اور برابر کرنے کے لئے تراشنا جائز ہے اور اگر کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھیں نکل آئیں تو بلاشبہ اس کے لئے ان کا کٹوانا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، تاکہ مردوں کی مشابہت ختم ہو جائے، اور چہرے پر رنگ و روغن کرنا جیسے میک اَپ کرنا وغیرہ جائز ہے، کیونکہ یہ **تغییر خلق اللّٰہ**

---

(۱) شرح النووی ج۲ ص۲۰۴۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص۲۰۵ و تکملة فتح الملهم ج۴ ص۱۹۵۔

(۳) شرح النووی ج۲ ص۲۰۵۔

نہیں ہے، بلکہ زینت کیلئے ہے، اور یہ جائز ہے۔[1]

دانتوں کو گھسوا کر باریک کرنا جائز نہیں

اسی طرح **متفلّجات** پر بھی لعنت ہے، **متفلّجة** وہ عورت ہے جو اپنے دانتوں کو گھسوا کر ان کے درمیان خلا پیدا کرتی ہے، اہلِ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب عورتیں بوڑھی ہو جاتیں اور ان کے دانت لمبے لمبے ہو جاتے تو وہ انہیں ریتی سے گھسوا کر چھوٹا کیا کرتی تھیں، اور اس زمانے میں یہ بھی خوبصورتی سمجھی جاتی تھی کہ دانتوں کے درمیان خلا ہو[2]، جیسے آج کل ہمارے ہاں کا رواج یہ ہے کہ ملے ہوئے دانت خوبصورت سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اگر کسی کے دانت ملے ہوئے ہوتے تو ریتی سے درمیان سے گھسوا کر خلا بنایا جاتا، تاکہ ہر دانت الگ الگ ہو جائے اور خوبصورت لگے، یہ بھی تغییر خلق اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔

حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، (الی قوله) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ :زَجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَصِلَ الْمَرْأَةُ بِرَأْسِهَا شَيْئًا (ص ۲۰۵ سطر ۱۰، ۱۱)

تشریح

عورتوں کا اپنے بالوں میں دوسرے بال ملانے کا حکم

قوله: زجر النبی ﷺ أن تصل المرأة برأسها شيئا. (ص ۲۰۵ سطر ۱۱)

عورت کا اپنے سر کے بال کے ساتھ کچھ ملانے کا مسئلہ ہے، اس میں تین قول ہیں، ایک قول جمہور کا ہے، جمہور یہ کہتے ہیں کہ عورت کو مطلقاً اپنے سر کے بالوں میں دوسرے بال ملانا ناجائز ہے، چاہے انسان کے بال ہوں، چاہے حیوان کے بال ہوں، چاہے کسی جانور کی اون ہو یا مصنوعی بال ہوں۔

دوسرا مسلک حنفیہ اور بعض شوافع کا ہے کہ انسانی بالوں کے ملانے کی ممانعت ہے، باقی جانوروں کے بال، مصنوعی بال، اون، سوت اور دھاگے وغیرہ اپنے بالوں میں شامل کرنا جائز ہے۔

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۵ و تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۱۹۵۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۵ و تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۱۹۵۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جن بالوں کو سر کے بالوں کے ساتھ ملانے سے اشتباہ ہوتا ہو کہ یہ اس کے اصلی بال ہیں، تب تو یہ ناجائز ہے اور اگر اشتباہ نہ ہو تو جائز ہے، لہٰذا اون، سوت اور کپڑے وغیرہ کے دھاگے اگر بالوں میں لگائے جائیں تو یہ الگ ہی نظر آتے ہیں، یہ جائز ہوں گے، جبکہ حیوانی بال یا مصنوعی بالوں سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ اصلی بال ہیں یا نقلی بال ہیں، اس لئے وہ ناجائز ہیں، [1]

باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات

(عورتوں کا لباس پہننے کے باوجود ننگی ہونا اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور خود بھی ان کی طرف مائل ہونے کا بیان)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ أَقُولُ إِنَّ زَوْجِي أَعْطَانِي مَا لَمْ يُعْطِنِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ، كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ (ص۲۰۶ سطر ۱، ۲)

تشریح

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا شوہر جو چیز مجھے نہ دے، مگر کیا میں دوسروں کے سامنے یہ بیان کر سکتی ہوں کہ میرے شوہر نے مجھے وہ چیز دی ہے، تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور" ظاہر کرنے والا اس چیز کا کہ جو اس کو نہیں دی گئی، جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے، مطلب یہ کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز نہیں ہے اور وہ بہ تکلف اس بات کا اظہار کرے کہ وہ اس کے پاس ہے، جس کی وجہ سے دوسرا یہ سمجھے کہ وہ چیز اس کے پاس ہے تو یہ جھوٹ ہے۔

جو شخص عالم و حافظ نہ ہو اس کا خود کو عالم و حافظ ظاہر کرنا جائز نہیں

لابس ثوبی زور کے تین مطلب شارحین نے بیان کئے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی حافظ، قاری، عالم نہیں ہے، اور وہ اپنی چال ڈھال اور باتوں سے یہ ظاہر کرے کہ میں بہت بڑا علامہ

---

(۱) تکملة فتح الملہم ج۴ ص۱۹۱ و شرح النووی ج۲ ص۲۰۴، حدیث الباب میں مطلق مقید پر محمول ہے یعنی حضرت نبی کریم ﷺ نے بالوں کے ساتھ کچھ ملانے پر جو ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے وہ انسانی بالوں کے ساتھ ملانے پر اظہار ناراضگی ہے۔

ہوں، قاضی القضاۃ ہوں، مفتی اور علامہ ہوں تو یہ بھی **لابس ثوبی زور** میں داخل ہے اور ناجائز ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جھوٹا ہے، اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، اس نے کسی سے بہت اعلیٰ قسم کے دو خوبصورت کپڑے لئے، تاکہ لوگ اسے پہنا دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ تو کوئی بہت بڑے مالدار رئیس کا بیٹا ہے، اور پھر انہیں پہن کر جاتا ہے تو یہ کلابس ثوبی زور کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ اپنے لباس سے دھوکا دینا چاہ رہا ہے کہ میں بہت مکرم آدمی ہوں، میرا جھوٹ سے کیا واسطہ ہے؟

تیسرا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانے میں اگر کوئی دو یا تین کرتے پہن لیتا تو دوسرے پر کچھ رُعب سا بیٹھ جاتا تھا کہ بھئی اس کے پاس تو بہت کپڑے ہیں، یہ بڑا مالدار آدمی ہے، اب اگر کوئی جھوٹ موٹ ایک پہنے ہوئے کپڑے کو دو ظاہر کرے تو یہ **لابس ثوبی زور** میں داخل ہے۔[1] اور ناجائز ہے۔

کتاب الآداب

باب النهي عن التكني بأبي القاسم وبيان ما يستحب من الأسماء

(ابو القاسم کنیت رکھنے کی ممانعت اور ناموں میں سے جو نام مستحب ہیں ان کے بیان میں)

یہ کتاب آداب کے بیان میں ہے، آداب جمع ہے ادب کی، ادب اچھی عادت، اچھی خصلت اور اچھے کام کو کہتے ہیں، اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ ایسی احادیث بیان فرمائیں گے کہ جن سے اچھے اچھے آداب اور اچھی عادات معلوم ہوں گی، اور جو باتیں مکروہ یا ممنوع ہوں گی، ان کی ممانعت کو بیان فرمائیں گے، کیونکہ ان سے بچنا بھی ادب میں داخل ہے۔

حَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: نَادَى رَجُلٌ رَجُلًا بِالْبَقِيعِ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي لَمْ أَعْنِكَ إِنَّمَا دَعَوْتُ فُلَانًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي. (ص ۲۰۶ سطر ۳ تا ۵)

تشریح

قوله: تسموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي. (ص ۲۰۶ سطر ۵)

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۶ وتکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۲۰۲

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا میرا نام رکھ سکتے ہو، لیکن میری کنیت نہیں رکھ سکتے، یعنی میرے نام پر کسی کا نام رکھ سکتے ہو، لیکن میری کنیت پر کسی کی کنیت مقرر نہ کرو، تو آپ ﷺ نے اپنا نام مبارک رکھنے کی اجازت دی، لیکن اپنی کنیت رکھنے سے منع فرمایا، آپ ﷺ کا نام محمد (ﷺ) ہے اور کنیت ابوالقاسم ہے، اس میں بعض مشائخ نے ایک حکمت بیان فرمائی ہے، جو عام طور پر شارحین کے کلام میں نہیں ملتی لیکن مشائخ سے منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ دراصل مسلمان حضور ﷺ کو یارسول اللہ! کہہ کر مخاطب کرتے تھے، اور غیر مسلم آپ ﷺ کو یا اباالقاسم! کہتے تھے، عام طور پر آپ ﷺ کو یا محمد! کوئی نہیں کہتا تھا، تو نام رکھنے میں التباس کا اندیشہ نہیں ہے، کنیت رکھنے میں التباس کا اندیشہ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے منع فرمایا[1]، چنانچہ اس حدیث میں بھی دیکھئے کہ آپ ﷺ بقیع میں تھے کہ کسی نے آواز دی، اور ابا القاسم کہا تو آپ ﷺ نے مڑکر دیکھا، تو اس نے کہا کہ حضور! میں آپ ﷺ کو آواز نہیں دے رہا، ابوالقاسم سے کوئی اور شخص مراد ہے جس کو آواز دے رہا ہوں، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام رکھو، میری کنیت نہ رکھو۔

سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کی کنیت کے ساتھ کسی کی کنیت یا نام رکھنا کیسا ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

پہلا قول جمہور فقہاء اور جمہور علماء رحمہم اللہ کا ہے کہ یہ ممانعت آپ ﷺ کے زمانے تک محدود تھی، آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی کنیت پر نام وغیرہ رکھنے کی کوئی ممانعت نہیں، دلیل ان کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور الأدب المفرد وغیرہ میں موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور! اگر آپ کے بعد میرا بچہ پیدا ہو تو کیا میں آپ ﷺ کی کنیت مبارک اس کے لئے رکھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! رکھ سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت آپ ﷺ کے زمانے تک تھی، آپ کے بعد نہیں، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ کنیت رکھنے سے اشتباہ ہوگا، آپ ﷺ کے بعد اشتباہ نہیں ہے، لہٰذا جائز ہونا چاہئے۔

دوسرا قول اصحاب الظاہر کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جیسے حضور ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی کنیت رکھنا منع تھا، اسی طرح آپ ﷺ کی زندگی کے بعد بھی کنیت رکھنا منع ہے، ان کا استدلال حدیث کے ظاہری الفاظ سے ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہو، وہ یہ کنیت نہیں رکھ سکتا، اور جس کا نام محمد نہ ہو وہ کنیت

---

[1] تکملة فتح الملہم ج ۴ ص ۲۰۵

رکھ سکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ **لاتکنوا بین اسمی و کنیتی** (**أو کماقال علیه السلام**) اس مفہوم کی اور بھی متعدد روایتیں ہیں کہ جن میں آپ ﷺ نے دونوں کو اکٹھا کرنے سے منع فرمایا۔[1]

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ زِيَادٍ (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ. (ص ٢٠٦ سطر ٥تا٧)

تشریح

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور بہتر نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے محبوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بندے کی بندگی، عبدیت اور غلامی کا ذکر ہے، جو بندے کا اعلیٰ مقام ہے، اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہیں، عبداللہ اور عبدالرحمٰن بطور مثال ذکر کئے گئے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کے باقی ناموں کے ساتھ لفظ عبد ملانے کی بھی یہی فضیلت ہے جیسے عبدالقدوس، عبدالکریم، عبدالغفور، عبدالجبار، عبدالرؤف وغیرہ۔[2]

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّمَا بُعِثْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ وقَالَ سُلَيْمَانُ :فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ ـــــ الحديث (ص٢٠٧ سطر ١ تا٥)

تشریح

قوله: فانما بعثت قاسما انا اقسم بينكم (ص٢٠٧ سطر ٥)

اس کے شارحین نے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے درمیان مال تقسیم کرتا ہوں، اور جہاں اللہ تعالیٰ کا جتنا حکم ہوتا ہے، میں وہاں دیتا ہوں، مال غنیمت تقسیم کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ لگایا تھا، اور ویسے بھی آنے والے مال کو آپ ﷺ مسلمانوں میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں علم، نیکیاں اور بھلائیاں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں، یعنی تم کو نیک اعمال بتلاتا ہوں اور نیک اعمال کا بتلانا نیکیوں کا تقسیم کرنا ہی ہے۔[3]

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۲۰۶ و تکملة فتح الملهم ج۴ص۲۰۵، ۲۰۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۴ص۲۰۶، ۲۰۷۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۴ص۲۰۸۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ :لَمَّا قَدِمْتُ نَجْرَانَ سَأَلُونِي، فَقَالُوا :إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ يَا أُخْتَ هَارُونَ، وَمُوسَى قَبْلَ عِيسَى بِكَذَا وَكَذَا، فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ :إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَمُّونَ بِأَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِينَ قَبْلَهُمْ. (ص ۲۰۷ سطر ۱۰ تا ۱۳)

تشریح

قوله: عن المغيرة بن شعبة، قال: لما قدمت نجران. (ص ۲۰۷ سطر ۱۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نجران آیا، جہاں عیسائی رہتے تھے، انہوں نے کہا کہ تم قرآن شریف میں پڑھتے ہو یا اخت ھرون، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، اور حضرت ہارون علیہ السلام تو ان سے بھی پہلے وفات پا چکے تھے، تو حضرت مریم علیہا السلام کیسے حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن ہوگئیں؟ اس وقت انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، جب واپس آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں یہ اشکال پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہارون سے حضرت ہارون علیہ السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ کوئی اور شخص مراد ہیں، اور وہ شخص بہت ہی زیادہ عبادت گزار تھے، حضرت مریم علیہا السلام کی قوم نے حضرت مریم علیہا السلام کو اس کی بہن قرار دیا، کہ ہارون جو عبادت گزار اور اللہ والا آدمی ہے، تو تو اس کی بہن ہے، تو بھی بڑی عبادت گزار ہے، پھر یہ کیسی حرکت تو نے کی؟ کہ بغیر شوہر کے تیرے اولاد ہوگئی، بطور طعنہ کے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی نسبت اس کی طرف کی، اور بنی اسرائیل کے اندر دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کے نام پر رکھتے تھے، تو اس عبادت گزار کا نام ہارون علیہ السلام کے نام پر ہارون تھا۔ (۱)

باب كراهة التسمية بالأسماء القبيحة وبنافع ونحوه

(برے نام رکھنے کی کراہت)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ، (الى قوله) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ .لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۲۱۱

بَدَأْتَ وَلا تُسَمِّيَنَّ غُلامَکَ يَسَارًا، وَلَا رَبَاحًا، وَلَا نَجِيحًا، وَلَا أَفْلَحَ، فَإِنَّکَ تَقُولُ :أَثَمَّ هُوَ؟ فَلا يَكُونُ فَيَقُولُ :لا إِنَّمَا هُنَّ أَرْبَعٌ فَلا تَزِيدُنَّ عَلَيَّ.

(ص۲۰۷ سطر ۱۶ تا ۱۸)

تشریح

قوله : ولا تسمين غلامک يسارا، ولا رباحا، ولا نجيحا

(ص۲۰۷ سطر ۱۶،۱۸)

آپ ﷺ نے یہ چار نام رکھنے کو پسند نہیں فرمایا، اور غلاموں کی نسبت سے اس لئے فرمایا کہ عام طور پر یہ نام غلاموں کے لئے رکھے جاتے تھے، خود آپ ﷺ کے دو غلام تھے، ایک نام رباح اور دوسرے کا یسار تھا، اور ان ناموں کے رکھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ان میں بدفالی کا اندیشہ ہے، جیسے کسی کا نام افلح ہو، تو کوئی پوچھے کہ یہاں افلح ہے، اور وہ کہے کہ نہیں ہے، تو اس سے بدفالی ہوگی کہ یہاں فلاح وکامیابی نہیں ہے۔[۱] لیکن جمہور کے نزدیک یہ ممانعت کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔[۲]

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ، (الى قوله) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ :أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْهَى عَنْ أَنْ يُسَمَّى بِيَعْلَى، وَبِبَرَكَةَ، وَبِأَفْلَحَ، وَبِيَسَارٍ، وَبِنَافِعٍ وَبِنَحْوِ ذَلِکَ، ثُمَّ رَأَيْتُهُ سَكَتَ بَعْدُ عَنْهَا، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، ثُمَّ قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذَلِکَ ثُمَّ أَرَادَ عُمَرُ أَنْ يَنْهَى عَنْ ذَلِکَ ثُمَّ تَرَكَهُ.

(ص۲۰۷ سطر ۲۰ تا ۲۳)

تشریح

قوله : أراد النبي ﷺ أن ينهى عن أن يسمى بيعلى، (ص۲۰۷ سطر ۲۱، ۲۲)

اس حدیث میں یعلی اور برکۃ سے بھی منع فرمایا، یعنی آپ ﷺ نے منع کرنے کا ارادہ فرمایا، لیکن راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا اور خاموش ہوگئے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان ناموں کو مکروہ تحریمی قرار دینے کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن پھر آپ ﷺ نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دینے سے خاموشی اختیار فرمائی، چنانچہ جمہورؒ کے نزدیک ان ناموں کو رکھنا مکروہِ تنزیہی

(۱) شرح النووی ج۲ص۲۰۷۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ص۲۱۲ ج۴۔

ہے۔[1]

باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلى حسن، وتغيير اسم برة إلى زينب وجويرية ونحوهما

(برے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل کرنے اور برہ کو زینب سے بدلنے کے استحباب کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ (الى قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ وَقَالَ :أَنْتِ جَمِيلَةُ (ص۲۰۸ سطر ۱، ۲)

تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا معمول تھا کہ جس نام کے معنٰی اچھے نہ ہوتے، اس کو بدل دیتے تھے، جیسے عاصیۃ کے معنٰی ہیں نافرمانی کرنے والی، تو آپ ﷺ نے اس کو بدل کر جمیلہ رکھدیا، یا کسی نام میں بدفالی کا اندیشہ ہو، تو اس کو بھی آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے، جیسے افلح، یسار، نافع، رباح وغیرہ، تیسرے وہ نام کہ جس میں آدمی کی بزرگی اور پاکیزگی ظاہر ہوتی ہو، اس کو بھی آپ ﷺ پسند نہیں فرماتے تھے، کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا دعوٰی ہے، جیسے آپؐ نے متعدد صحابیات کا برّۃ نام بدل کر زینب اور جویریہ رکھا۔

باب تحريم التسمي بملك الأملاك....

(شہنشاہ نام رکھنے کی حرمت)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الى قوله) هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَخْبَثُهُ وَأَغْيَظُهُ عَلَيْهِ، رَجُلٍ كَانَ يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ، لَا مَلِكَ إِلَّا اللهُ (ص۲۰۸ سطر ۱۵، ۱۶)

تشریح

ایسے ہی جس نام کے اندر بڑائی اور تکبر پایا جاتا ہو، اس کو بھی آپ ﷺ نے بہت زیادہ قبیح

(۱) شرح النوویؒ ج۲ ص۲۰۷ و تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۲۱۳، ۲۱۴

قرار دیا ہے، جیسے ملک الاملاک، شہنشاہ، شاہِ عالم وغیرہ، چونکہ یہ سارے نام بڑائی پر مبنی ہیں۔

باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته وحمله إلى صالح يحنكه.....

(پیدا ہونے والے بچہ کو گھٹی دینے اور گھٹی دینے کے لئے کسی نیک آدمی کی طرف اٹھا کر لے جانے کے بیان میں)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، (الى قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :ذَهَبْتُ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وُلِدَ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَبَاءَةٍ يَهْنَأُ بَعِيرًا لَهُ، فَقَالَ :هَلْ مَعَكَ تَمْرٌ؟ فَقُلْتُ :نَعَمْ، فَنَاوَلْتُهُ تَمَرَاتٍ، فَأَلْقَاهُنَّ فِي فِيهِ فَلَاكَهُنَّ، ثُمَّ فَغَرَ فَا الصَّبِيِّ فَمَجَّهُ فِي فِيهِ، فَجَعَلَ الصَّبِيُّ يَتَلَمَّظُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :حُبُّ الْأَنْصَارِ التَّمْرَ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ.

(ص ۲۰۸ سطر ۷ تا ۱۹)

تشریح

جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو، تو بچہ پیدا ہوتے ہی جب اس کو نہلا دیا جائے اور کپڑے پہنا دئے جائیں تو پہلی سنت یہ ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے، پھر دوسری سنت یہ ہے کہ قریب میں کوئی نیک اور اللہ والا بزرگ موجود ہو تو اس کے پاس لیجایا جائے اور کھجور بھی ساتھ لیجائی جائے، اور پھر ان سے کہا جائے کہ آپ کچھ کھجور کو چبا کر باریک اور پتلا کر کے اس بچے کے منہ میں ڈال دیں، اس کو تحنیک کہتے ہیں، اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے یہاں حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے تو حضرت انس بن مالکؓ ان کو لیکر حضور ﷺ کے پاس حاضرِ خدمت ہوئے، آپ ﷺ ایک عباء پہنے ہوئے تھے، اور اونٹ کو کالا تیل لگا رہے تھے[1]، اونٹ کو جب خارش ہو جائے تو ہناء ایک گرم تیل کا نام ہے جو ایک درخت سے نکلتا ہے وہ اس اونٹ کو لگایا جاتا ہے، اس کی گرمی سے خارش ختم ہو جاتی ہے، آپ ﷺ نے کھجور کو چبایا اور بچے کا منہ کھول کر چبائی ہوئی کھجور اس بچے کے منہ میں ڈال دی، بچہ اس کو چاٹنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کی کھجوروں سے محبت دیکھو کہ

(۱) شرح النووی ج۲ ص۲۰۸۔

ان کے بچے بھی کھجور چاٹ رہے ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى أَبُو صَالِحٍ، (الی قوله) حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُمَا قَالَا(الی قوله) ثُمَّ خَرَجَتْ حِينَ نُفِسَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُحَنِّكَهُ فَأَخَذَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا، فَوَضَعَهُ فِي حَجْرِهِ، ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ قَالَ :قَالَتْ عَائِشَةُ :فَمَكَثْنَا سَاعَةً نَلْتَمِسُهَا قَبْلَ أَنْ نَجِدَهَا، فَمَضَغَهَا .ثُمَّ بَصَقَهَا فِي فِيهِ، فَإِنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ دَخَلَ بَطْنَهُ لَرِيقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ قَالَتْ أَسْمَاءُ :ثُمَّ مَسَحَهُ وَصَلَّى عَلَيْهِ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ، ثُمَّ جَاءَ، وَهُوَ ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ أَوْ ثَمَانٍ، لِيُبَايِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَرَهُ بِذَلِكَ الزُّبَيْرُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَآهُ مُقْبِلًا إِلَيْهِ، ثُمَّ بَايَعَهُ (ص ۲۰۹ سطر ۷تا ۱۱)

تشریح

قوله : حين رآه مقبلا إليه، ثم بايعه (ص ۲۰۹ سطر ۱۱)

یہ بیعت برکت کے لئے تھی نہ کہ مکلّف ہونے کے اعتبار سے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قوله) عَنْ أَسْمَاءَ، أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ :فَخَرَجْتُ وَأَنَا مُتِمٌّ، فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَنَزَلْتُ بِقُبَاءٍ فَوَلَدْتُهُ بِقُبَاءٍ، ثُمَّ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ فِي حَجْرِهِ،(الی قوله) وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْإِسْلَامِ (ص ۲۰۹ سطر ۱۱تا۱۴)

تشریح

قوله : وكان أول مولود ولد فى الإسلام (ص ۲۰۹ سطر ۱۴)

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے پہلے بچے تھے، اس لئے ان کو **ولد فی الإسلام** کہا گیا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ :أُتِيَ بِالْمُنْذِرِ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِينَ وُلِدَ فَوَضَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَخِذِهِ، وَأَبُو أُسَيْدٍ جَالِسٌ، فَلَهِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَأَمَرَ أَبُو أُسَيْدٍ بِابْنِهِ فَاحْتُمِلَ مِنْ عَلَى فَخِذِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقْلَبُوهُ، فَاسْتَفَاقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :أَيْنَ الصَّبِيُّ فَقَالَ :أَبُو أُسَيْدٍ أَقْلَبْنَاهُ، يَا رَسُولَ اللهِ .قَالَ :مَا اسْمُهُ؟ قَالَ :فُلَانٌ، يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ :لَا، وَلَكِنِ اسْمُهُ الْمُنْذِرُ فَسَمَّاهُ يَوْمَئِذٍ الْمُنْذِرَ. (ص ۲۱۰ سطر ۲ تا ۵)

تشریح

قوله: فلهي النبي ﷺ بشيء بين يديه،(ص ۲۱۰ سطر ۳،۴)

ابواُسید بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کسی کام میں مشغول ہوگئے، اور بچے کی طرف دھیان نہ رہا، تو انہوں نے بچے کو حضور ﷺ کی ران سے اُٹھایا، اور بچے کو گھر بھیج دیا، پھر حضور ﷺ کو توجہ ہوئی تو دریافت فرمایا کہ بھئی! بچہ کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حضور! ہم نے اس کو گھر بھیج دیا، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کچھ نام بتایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! اس کا نام منذر ہے۔

باب جواز تكنية من لم يولد وكنية الصغير

(لاولد کے لئے اور بچہ کی کنیت رکھنے کے جواز کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا، وَكَانَ لِي أَخٌ يُقَالُ لَهُ :أَبُو عُمَيْرٍ، قَالَ :أَحْسِبُهُ، قَالَ :كَانَ فَطِيمًا، قَالَ : فَكَانَ إِذَا جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَآهُ، قَالَ :أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ قَالَ :فَكَانَ يَلْعَبُ بِهِ. (ص ۲۱۰ سطر ۵ تا ۸)

تشریح

قوله: كان فطيما (ص ۲۱۰ سطر ۷)

فطیمًا بمعنیٰ مفطومًا، یعنی ان کا دودھ چھڑا دیا گیا تھا[۱]، ابو عمیر ان کی کنیت ہے اور ان کا نام کبشة ہے، نغیر کے کئی معنیٰ ہیں، ایک معنی بلبل کے ہیں، دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ چڑیا کی طرح ایک پرندہ ہے جس کی چونچ لال رنگ کی ہوتی ہے اس کو "لال" کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ چڑیا کے بچے کو کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ یہ ایک پرندہ ہے جو چڑیا کی طرح ہوتا ہے اور اس کا سر چھوٹا اور چونچ لال ہوتی ہے، وہ اس پرندے کے ساتھ کھیلتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچے کسی پرندے کیساتھ کھیلیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس کو ماریں نہیں۔[۲]

باب جواز قوله لغير ابنه: يا بني واستحبابه للملاطفة

(غیر کے بیٹے کو محبت و پیار کی وجہ سے اے میرے بیٹے کہنے کے جواز کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: مَا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ عَنِ الدَّجَّالِ أَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ، فَقَالَ لِي: أَيْ بُنَيَّ وَمَا يُنْصِبُكَ مِنْهُ؟ إِنَّهُ لَنْ يَضُرَّكَ قَالَ قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ مَعَهُ أَنْهَارَ الْمَاءِ وَجِبَالَ الْخُبْزِ، قَالَ: هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ ذَلِكَ. (ص ۲۱۰ سطر ۹ تا ۱۱)

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ شفقت اور محبت کی وجہ سے کسی کو بیٹا یا بیٹی کہنا جائز ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضور ﷺ سے دجال کے بارے بہت پوچھا کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بیٹے! تجھے کس چیز نے فکر میں ڈال دیا؟ تم کو دجال کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

باب الاستئذان

(اندر آنے کی اجازت اور اس کا طریقہ)

یہ باب استیذان کے بیان میں ہے، استیذان کے معنیٰ ہیں اجازت لینا، اگر کوئی شخص کسی

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۱۰۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۱۰ و تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۲۲۵۔

خلوت میں بیٹھا ہوا ہو اور چاہے دروازہ کھلا ہو یا بند، اور آثار و قرائن سے یہ بات معلوم ہو کہ وہاں بغیر پوچھے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص اپنے گھر میں ہے یا دفتر میں ہے، دروازہ بند ہے یا کھلا ہوا ہے، تو ایسی جگہ بغیر پوچھے جانا ناجائز ہے، پہلے اجازت لے پھر اندر جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ پہلے اجازت طلب کرے پھر سلام کرے، وہ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلٰى أَهْلِهَا**[1]، اس میں پہلے استیناس اور پھر سلام کا ذکر ہے۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ پہلے سلام کرے، پھر اندر جانے کی اجازت طلب کرے[2]، وہ ابوداؤد شریف میں ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ربعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "ا الج؟ کیا میں اندر آجاؤں؟ آپ ﷺ نے ایک خادم کو بھیجا کہ جاؤ، اس کو کہو کہ پہلے سلام کرے اور پھر کہے کہ ا ادخل؟ چنانچہ خادم نے جا کر یہ کہا، اور پھر اس آدمی نے اسی طرح اجازت طلب کی تو پھر اس کو اندر آنے کی اجازت ملی۔[3]

یہ طریقہ صرف اس وقت ہے کہ جب سلام کی آواز اندر جا سکتی ہو، اور اگر مکان یا دفتر وغیرہ بڑا ہو کہ باہر کھڑے ہو کر سلام کرنے سے اندر والوں تک آواز پہنچنا مشکل ہے، تو پھر اس کے لئے مختلف طریقے ہیں جن کو اختیار کرنا چاہئے، مثلاً دستک دینا، گھنٹی بجانا، لیکن یہ سب کام درمیانی آواز سے ہونا چاہئے کہ گھر والے ہماری دستک دینے کے انداز سے یا گھنٹی بجانے کے طریقے سے ڈر نہ جائیں۔[4]

اسی میں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ بے وقت اور بے موقع کسی سے ملنے نہ جائیں، جیسے کسی کے کھانے یا آرام کا وقت ہے، اس وقت اس کے پاس نہ جائیں، اور یہ بھی دیکھیں کہ جس وقت جس سے ملنے جانا ہو، یہ اس سے ملاقات کا وقت ہے یا نہیں؟ آیا اس کے سونے یا کھانے کا وقت تو نہیں ہے، اگر ہو تو پہلے پوچھ لیں۔

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِدُ، (الى قوله) عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: كُنْتُ جَالِسًا بِالْمَدِينَةِ فِي مَجْلِسِ الْأَنْصَارِ، فَأَتَانَا أَبُو مُوسَى فَزِعًا أَوْ مَذْعُورًا قُلْنَا: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: إِنَّ عُمَرَ

---

(۱) سورۃ النور: ۲۷

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۱۰۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب الاستئذان رقم الحدیث: ۴۵۰۸

(۴) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۲۳۰

أَرْسَلَ إِلَيَّ أَنْ آتِيَهُ، فَأَتَيْتُ بَابَهُ فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَنَا؟ فَقُلْتُ :إِنِّي أَتَيْتُكَ، فَسَلَّمْتُ عَلَى بَابِكَ ثَلَاثًا، فَلَمْ يَرُدُّوا عَلَيَّ، فَرَجَعْتُ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، فَلْيَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ :أَقِمْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ، وَإِلَّا أَوْجَعْتُكَ .فَقَالَ :أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ :لَا يَقُومُ مَعَهُ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، قَالَ: أَبُو سَعِيدٍ :قُلْتُ أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، قَالَ :فَاذْهَبْ بِهِ (ص ۲۱۰ سطر ۱۳ تا ۱۷)

تشریح

اجازت نہ ملنے پر واپس ہونا

قوله: عمر: أقم عليه البينة، وإلا أوجعتك.(ص ۲۱۰ سطر ۱۶)

تین دفعہ سلام کرنے یا اجازت طلب کرنے کے بعد اگر کوئی جواب نہ دے تو واپس آجانا چاہئے۔ جب حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت عمرؓ کو یہی بات بتلائی تو حضرت عمرؓ نے گواہی کیوں طلب کی؟ شارحین نے اس کی کئی وجہ بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کی نسبت کوئی بات بیان کرنے میں سخت احتیاط لازم ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس کی تحقیق وتفتیش کروائی، آپ کا مقصد کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرنا نہیں تھا، مقصد صرف یہ تھا کہ اس حدیث کی صحیح تحقیق ہوجائے کہ حضور ﷺ سے یہ بات منقول ہے یا نہیں (۱)؟ کیونکہ آگے حضرت عمرؓ کا ایک ارشاد آرہا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں کاروباری مصروفیت کی وجہ سے بعض احادیث سننے سے محروم رہتا تھا، اس لئے میں نے اس کی تحقیق کی ہے۔

باب تحريم النظر في بيت غيره

(دروازہ سے اندر جھانکنا منع ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، (الى قوله) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ فِي جُحْرٍ فِي بَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى

(۱) تكملة فتح الملهم ج ۴ ص ۲۳۰ وشرح النووی ج ۲ ص ۲۱۰ و ۲۱۱۔

يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَوْ أَعْلَمُ أَنَّکَ تَنْتَظِرُنِي لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِکَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّمَا جُعِلَ الْإِذْنُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ (ص ۲۱۲ سطر ۲ تا۵)

تشریح

کسی کے گھر میں دروازے وغیرہ سے جھانکنا ایسا ہے جیسے بغیر اجازت کے اس گھر کے اندر داخل ہو جانا، ایک شخص نے آپ ﷺ کے گھر میں جھانکا تو آپ ﷺ ایک بال ٹھیک کرنے کی لکڑی یا کنگا نما کوئی چیز لیکر سر کھجا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہ ہو تو میں تمہاری آنکھ میں مار دیتا۔

اور اگلی روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس شخص کی طرف تیر کا پھل لیکر اس کو مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والا کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے، تو اس میں کوئی دیت یا کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

باب نظر الفجاءة

(اچانک نظر پڑنا معاف ہے)

حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي (ص ۲۱۲ سطر ۱۴،۱۵)

تشریح

اچانک نظر پڑ جانا معاف ہے، لیکن اچانک پڑ جانے والی نظر کو فوراً ہٹا لینا ضروری ہے۔

کتاب السلام

(آداب سلام کے بیان میں)

حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :اسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا :السَّامُ عَلَيْكُمْ،

فَقَالَتْ عَائِشَةُ :بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ قَالَتْ :أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ :قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ.(ص۲۱۳ سطر ۱۹ تا ص۲۱۴ سطر ۲)

تشریح

حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا حکم

قوله : ان الله يحب الرفق في الامر كله (ص۲۱۴ سطر ۱)

اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے استدلال فرمایا ہے کہ اگر کوئی ذمی حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اوران کو بُرا بھلا کہے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی لیکن قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ عقدِ ذمہ ختم ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو اُسے قتل کردیا جائے گا کیونکہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا مُرتد ہونا ہے اور مرتد ہونا موجب قتل ہے حدیثِ بالا میں یہودی کا حضور ﷺ کو ”السام علیکم“ کہنا سراسر گستاخی ہے اس کے باوجود حضور ﷺ نے انہیں قتل نہیں کیا۔ حضرت امام بخاریؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور شوافعؒ کے مذہب میں ایک روایت ہے۔ البتہ حضرات مالکیہؒ، حنابلہؒ اور شوافعؒ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ذمی کا عقد ٹوٹ جائے گا اور اُسے قتل کیا جائے گا انہوں نے کعب بن اشرف، ابورافع اور ابن خطل وغیرہ کے واقعات سے استدلال کیا ہے۔

اس موضوع پر علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک مفصل کتاب ”**الصارم المسلول علی شاتم الرسول** ﷺ“ لکھی ہے اور احادیثِ طیبہ اور حضراتِ فقہاءِ کرامؒ کے مذاہب تفصیل سے جمع کئے ہیں اور اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی حیاتِ طیبہ میں اپنی شان میں گستاخی کرنے والے کے بارے میں اختیار تھا کہ اس کو معاف کردیں یا قتل کردیں اور دونوں باتیں آپ ﷺ سے ثابت ہیں لیکن اُمت پر (بشرطِ قدرت) ایسے گستاخی کرنے والے شخص کو قتل کرنا واجب ہے چاہے گستاخی کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی، اور اس کی توبہ قبول ہونے یا نہ ہونے میں احکامِ دنیا میں اختلاف ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے توبہ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بالاتفاق اس کی توبہ قبول ہے۔ (۱)

باب اباحة الخروج للنساء لقضاء حاجة الانسان

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَزْوَاجَ رَسُولِ

(۱) مأخذ تکملہ فتح الملہم ج۴ ص۲۵۲، ۲۵۳۔

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ، إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ وَهُوَ صَعِيدٌ أَفْيَحُ، وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :احْجُبْ نِسَاءَ كَ، فَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ، زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي، عِشَاءً، وَكَانَتِ امْرَأَةً طَوِيلَةً، فَنَادَاهَا عُمَرُ: أَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ، يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ الْحِجَابُ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْحِجَابَ (ص۲۱۵ سطر۹ تا ۱۲)

تشریح

عورت کے پردہ کا مسئلہ اور اس کی حدود

قولہ : فانزل الله عزوجل الحجاب (ص۲۱۵ سطر۱۲)

یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کا سبب ہے اور بعض دوسری روایات میں حضرت زینب بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کا واقعہ مذکور ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ متعدد اسباب کسی حکم کے نازل ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔

آج کل عورتوں کے حجاب کا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے جس میں دورِ حاضر کے لوگوں نے کافی بحث کی ہے یہاں اس کا شرعی حکم اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سیدی وسندی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک رسالہ'' **تفصیل الخطاب فی تفصیل آیات الحجاب** '' لکھا ہے جو احکام القرآن کا جز ہے جس میں آپ نے پردے کے بارے میں آیات اور احادیث اور حضرات فقہاء کرام کے مذاہب تفصیل سے بیان فرمائے ہیں اور حضرات مفسرین کے اقوال کی روشنی میں عورتوں کے پردے کی کیفیت اور اس کی حدود بیان فرمائی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں حجاب المرأۃ کے تین درجے ہیں:۔

(۱) حجاب اشخاص النساء بالبیوت۔

(۲) حجاب بالبرقع والجلباب۔

(۳) حجاب بالبرقع والجلابیب مع کشف الوجه والکفین والیدین۔

پردے کا پہلا درجہ

پردے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ عورت گھر وغیرہ میں رہ کر نامحرم مردوں سے مستور رہے اور بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:۔

آیات

(۱) ... ''وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى''(الآیۃ)[۱]
یہ حکم ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بالاجماع تمام خواتین کے لئے ہے۔

(۲) ... ''وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ''(الآیۃ)[۲]
یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ میں نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے انکے اور مردوں کے درمیان پردہ ڈال دیا۔

احادیث

اس درجہ کے حکم کے لئے درج ذیل احادیث بھی ہیں:۔

(۱) ... عن ابن مسعودؓ مرفوعاً : المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان[۳] (رواه الترمذیؒ)، وزاد ابن حبانؒ، واقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعربيتها (رواه الترغيب والترهيب للمنذریؒ)[۴]

(۲) ... عن جابرؓ مرفوعاً: ان المرأة تقبل في صورة الشيطان وتدبر في صورة الشيطان (رواه مسلمؒ).[۵]

(۳) ... عن ام حميد...صلاتک في بيتک خير لک من صلاتک في حجرتک وصلاتک في حجرتک خير من صلاتک في دارک، وصلاتک في دارک خير لک من صلاتک في حجرتک وصلاتک

(۱) سورۃ الاحزاب:۳۳۔

(۲) سورۃ الاحزاب:۵۳۔

(۳) جامع الترمذی ابواب الرضاع ج۱ص۲۲۲

(۴) صحیح ابن حبان کتاب الحظر والاباحة باب ذكر الاخ عما يحب على المراة، رقم الحدیث:۵۶۵

(۵) صحیح مسلم ج۱ص۱۲۹۔

في حجرتک في مسجد قومک خيرلک من صلاتک في مسجدي، قال: فامرت فبني لها مسجد في اقصى شيء من بيتها واظلم فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل . (اخرجه احمد في مسنده)[1]

۴...عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما مرفوعا : ليس للنساء نصيب في الخروج الا مضطرةً (أخرجه للطبراني).[2] وفي رواية: قد اذن لكن ان تخرجن لحاجتكن. فانه يدل على ان اذن الخروج مقصور بالحاجة وفيما سوى الحاجة تكون المرأة في بيتها.[3]

ان احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے پردے میں رہے، اس طرح نامحرم مردوں سے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اور بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلے۔

پردے کا دوسرا درجہ

لیکن بعض مرتبہ عورت کو اپنی طبعی اور شرعی حاجت کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا ہے تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ سر سے پیر تک برقع یا بڑی چادر لپیٹ کر نکلے، چہرہ، ہاتھ اور پیر سب چھپائے صرف راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھول لے یا چہرے پر جالی والی نقاب ڈال لے تاکہ راستہ نظر آسکے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں؛

آیت

قرآن کریم میں اس درجے کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ“[4] اس آیت میں تمام خواتینِ اسلام کو جلابیب استعمال کرنے کا حکم ہے اور اس کے استعمال کی تفصیل مفسرِ قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی منقول ہے کہ عورت کا سارا جسم، سر، چہرہ اور ہاتھ وغیرہ سب بڑی چادر سے چھپائے صرف راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھول لے۔[5]

(۱) مسند احمد ج۶ ص۳۷۱۔

(۲) کنز العمال: رقم الحدیث ۴۵۰۶۲ و مجمع الزوائد، رقم الحدیث: ۳۳۲۱

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۲۶۲۔

(۴) سورۃ الاحزاب: ۵۹

(۵) کذا فی روح المعانی ج۲۲ ص۷۹۔

احادیث

اس درجے کے حکم کے لئے چھ احادیث ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:۔

۱ ... عن قیس بن شماس قال جاء ت امرء ة النبی ﷺ یقال لها أم خلاد — وهی منتقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول ، فقال لها بعض اصحاب النبی ﷺ جئتِ تسألین عن ابنک وأنت منتقبة؟ فقال: ان ارزأ ابن فلن ارزءَ حیائی. فقال رسول الله ﷺ : له اجر شهیدین، قالت: ولم ذاک یا رسول الله؟ قال: لأنه قتله اهل الکتاب (رواه ابو داؤد فی کتاب الجهاد)(۱)

۲... عن حفصة بنت سیرین قالت یا رسول الله! علی احدانا باسٌ اذا لم یکن لها جلباب أن لاتخرج؟ فقال : لتلبسها صاحبتها من جلبابها . (رواه البخاری)(۲)

۳ ... عن عائشة قالت: کان رکبان یمرون بنا ونحن مع رسول الله ﷺ محرمات، فاذا جاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من رأسها علی وجهها، فاذا جاوزونا کشفناه.(۳)

خلاصہ یہ کہ ان آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان عورت بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور جب گھر سے باہر نکلے تو اچھی طرح کوئی بڑی اور موٹی چادر جسم سے لپیٹ کر یا بُرقع اوڑھ کر نکلے اور بُرقع میں چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) ... بُرقع یا چادر بڑی اور موٹی ہو تا کہ اس میں سے جسم وغیرہ نہ جھلکے۔

(۲) ... پھول بُوٹے اور رنگ موتیوں سے آراستہ نہ ہو، رنگ بھی پُرکشش نہ ہو، بالکل سادہ ہو تا کہ وہ مردوں کے لئے جاذبِ نظر نہ ہو، سیاہ رنگ ہو یا کوئی دوسرا رنگ۔

(۳) ... خوب ڈھیلا ڈھالا ہو، چُست نہ ہو جس سے عورت کے جسم کے اعضاء کی بناوٹ نمایاں ہو۔

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فضل قتال الروم ج۱ ص۳۴۳، ۳۴۴۔

(۲) صحیح البخاری کتاب العیدین باب اذا لم یکن لها جلباب فی العید ج۱ ص۱۳۴۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی المحرمة تغطی وجهها ج۱ ص۲۶۱۔

(۴) ... خوشبودار نہ ہو۔

(۵) ... بُرقع ناقص اور نامکمل نہ ہو۔

پردے کا تیسرا درجہ

عورت کے لئے تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو سر سے پیر تک اپنے سارے جسم کو چھپا کر نکلے لیکن ضرورت کی بناء پر چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں کھول سکتی ہے بشرطیکہ فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

آیت

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا"** (۱)

اس آیت میں "الا ما ظهر منها" سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کے مطابق چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس سے پردہ کرنے کی چادر مراد ہے لہٰذا پہلی تفسیر کے مطابق ضرورت کے وقت عورت کے لئے اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی گنجائش ہے، درج ذیل احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

احادیث

۱ ... ابوداؤد شریف میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: **يا اسماء! ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح ان يرى منها الا هذا وهذا، وأشار الى وجهه وكفيه.** (۲)

۲ ... بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک موقع پر حضرت فضل بن عباسؓ حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے اور قبیلہ خثعم کی ایک نوجوان خوبصورت عورت جس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اس نے حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھا اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو دیکھنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کا چہرہ دوسری طرف موڑ دیا۔ (۳)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ کا چہرہ اس کو دیکھنے سے موڑ دیا اور اس

---

(۱) سورۂ نور: ۳۱

(۲) سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فيما تبدی المرأة من زينتها ج ۲ ص ۲۱۳۔

(۳) صحيح البخاری کتاب الاستیذان

عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ وہ احرام کی حالت میں تھی اور شاید یہ وجہ ہو کہ حضور ﷺ کو سخت بھیڑ کی وجہ سے چہرہ چھپانے سے اس کے گرنے کا اندیشہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا عورت کو گھر سے باہر نکلنے پر سارا جسم چھپانا چاہئے اور ضرورت کے وقت چہرہ کھولنے کی گنجائش ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان عورت اول تو گھر میں رہے بلاضرورت گھر سے نہ نکلے اور ضرورت سے نکلے تو مکمل پردہ کر کے نکلے جس میں ہاتھ اور چہرہ بھی چھپائے، راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھول لے یا چہرے کے سامنے نقاب ڈال لے۔ اور دونوں صورتوں میں چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ہے:

(۱) ... بھیڑ کی وجہ سے یا راستہ نظر نہ آنے کی وجہ سے یا گواہی دینے کی ضرورت سے یا شناخت کی وجہ سے یا کسی اور ضرورت سے۔

(۲) ... اترنے چڑھنے میں یا خرید و فروخت کرنے میں یا لین دین کی وجہ سے یا مَردوں کے سامنے وضو کرنے کی وجہ سے۔ اس صورت میں مَردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم ہے عورت بقدرِ ضرورت ہاتھ اور چہرہ کھول سکتی ہے۔ اسی طرح گھر میں رہنے والے نامحرم مرد جیسے دیور وغیرہ سے مجبوری بقدر ضرورت چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ہے تاہم گھونگھٹ بہتر ہے۔ [1]

عورت پر نظر ڈالنے کا مسئلہ

اگر نامحرم مرد و عورت کو ایک دوسرے پر نظر ڈالنے میں شہوت ہو یا اس کا یقین یا غالب گمان ہو تو نامحرم عورت کی طرف دیکھنا یا نامحرم عورت کا نامحرم مرد کو دیکھنا بالاتفاق جائز نہیں۔ لیکن اگر شہوت نہ ہو اور نہ اس کا یقین یا غالب گمان ہو تو حنفیہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک دیکھنے کی گنجائش ہے، شافعیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے۔ [2]

باب من أتى مجلسا فوجد فرجة فجلس فيها والا ورائهم

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذْ أَقْبَلَ نَفَرٌ ثَلَاثَةٌ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَهَبَ وَاحِدٌ،

---

(۱) ماخذ تکملة فتح الملهم ج۴ص۲۶۰تا۲۶۲۔

(۲) ماخذ تکملة فتح الملهم ج۴ص۲۶۶، ۲۶۷۔

قَالَ فَوَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ؟ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللهِ، فَآوَاهُ اللهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا، فَاسْتَحْيَا اللهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ، فَأَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ

(ص ۲۱۷ سطر ۱ تا ۴)

تشریح

اس حدیث میں تین آدمیوں کا ذکر ہے، آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، کہ تین آدمی آئے، ان میں سے ایک حلقے میں بیٹھ گیا، دوسرا حلقے کے پیچھے بیٹھ گیا، تیسرا واپس چلا گیا، آپ ﷺ نے ان تینوں کا حال بیان فرمایا، پہلا شخص جو حلقے میں آکر بیٹھا، اس کے بارے میں فرمایا کہ اوی الی اللّٰہ.. کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف ٹھکانہ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھکانہ دیدیا، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگئے اور اپنی رحمت اس کو عطا فرمادی۔[1]

دوسرے شخص نے حیا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی رحمت سے مالا مال فرمایا، اس نے حیا اس بات سے کی کہ حلقے میں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، اگر وہ بیٹھتا تو دوسروں کو تکلیف ہوتی، اس لئے اس نے پیچھے بیٹھنا گوارا کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حیا کی وجہ سے اس کو بھی اپنی رحمت عطا فرمادی[2]، بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے کہ اگر مجلس میں آگے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو تو پیچھے ہی بیٹھ جانا چاہئے۔

تیسرا آدمی جو مجلس میں آیا اور بجائے بیٹھنے کے واپس چلا گیا، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگئے۔

قوله : فأعرض الله عنه (ص ۲۱۷ سطر ۴)

فأعرض الله عنه کا مطلب یہ ہے کہ اس تیسرے شخص نے پیچھے بیٹھنے کو ناگوار سمجھا، اور اپنی شان کے خلاف سمجھا، اس لئے وہ واپس چلا گیا، یا وہ از راہِ تکبر نہ بیٹھا کہ میں تو بڑا آدمی ہوں، مجھے تو آگے

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۱۷۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۱۷۔

جگہ ملنی چاہئے، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ کوئی منافق ہوگا جو بیٹھنے کی بجائے واپس چلا گیا۔ (۱)

باب إذا قام من مجلسه، ثم عاد فهو أحق به

(کوئی آدمی جب اپنی جگہ سے اٹھ جائے پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ وَفِي حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ (ص ۲۱۷ سطر ۱۶، ۱۷)

تشریح

اس پر حضرات فقہاء کرامؒ کا اتفاق ہے کہ جو شخص کسی جگہ پر بیٹھا ہو اور وہ کوئی وقف جگہ ہو، یا رفاہ عامہ کی جگہ ہو، جیسے مسجد یا مدرسہ، ہسپتال اور اسٹیشن وغیرہ، تو اس کو اُٹھا کر کسی دوسرے کا اس کی جگہ بیٹھنا جائز نہیں، لیکن اگر وہ اُٹھ کر چلا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو اس کے آنے کا یقین ہو، مثلاً وہ کسی کو کہہ کر گیا کہ میں ابھی آتا ہوں، یا آثار و قرائن سے اندازہ ہو کہ وہ آئے گا، تب بھی اس جگہ پر بیٹھنے کا حق اسی کو ہے دوسرے شخص کو اس کی جگہ بیٹھنا درست نہیں۔

جب کوئی شخص مذکورہ بالا کسی جگہ میں بیٹھ جائے تو اس میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے، حضرات شافعیہ کے نزدیک جو شخص ایک ہی جگہ نماز پڑھتا ہو، ایک ہی جگہ مطالعہ اور ایک ہی جگہ تکرار وغیرہ کرتا ہو، تو واپس آنے کے بعد بھی اسی کو وہاں پر بیٹھنے کا حق ہے، کوئی دوسرا اس کی جگہ پر نہیں بیٹھ سکتا۔

حنفیہ کے نزدیک قاعدہ ہے کہ پہلے آئے، پہلے پائے، لہٰذا جو پہلے آئے گا، جہاں وہ بیٹھ جائے گا، وہ اس کا حق ہو جائے گی، دوسرا آ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کل یہیں بیٹھا تھا یا میں روز یہیں بیٹھتا ہوں۔ لہٰذا میں یہاں بیٹھوں گا۔ (۲)

باب منع المخنث من الدخول على النساء الأجانب

(اجنبی عورتوں کے پاس مخنث کے جانے کی ممانعت)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ

(۱) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۲۷۸۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۲۸۲۔

سَلَمَةَ، أَنَّ مُخَنَّثًا كَانَ عِنْدَهَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ لِأَخِي أُمِّ سَلَمَةَ :يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ إِنْ فَتَحَ اللهُ عَلَيْكُمُ الطَّائِفَ غَدًا، فَإِنِّي أَدُلُّكَ عَلَى بِنْتِ غَيْلَانَ، فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ، قَالَ فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :لَا يَدْخُلْ هَؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ

(ص ۲۱۸ سطر ۱ تا ۴)

تشریح

مخنّث کو اردو میں ہیجڑا کہتے ہیں، مخنث کی دو قسمیں ہیں، ایک اصلی اور ایک مصنوعی، مخنّث اس کو کہتے ہیں کہ جس کی چال ڈھال، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا عورتوں جیسا ہو، اگر کوئی پیدائشی ایسا ہے تو وہ خلقی اور اصلی **مخنّث** ہے، اس سے خواتین کو پردے کا حکم نہیں ہے، کیونکہ وہ **من غیر اولی الاربة** میں داخل ہے، اور ایک بناوٹی اور نقلی مخنث ہوتا ہے جو اصل میں مرد ہوتا ہے، لیکن اسے عورتوں کی طرح بننے کا شوق ہوتا ہے، لہٰذا وہ داڑھی مونچھ مونڈ کر عورتوں کی طرح زیور اور کپڑے وغیرہ پہن کر ان کی طرح بن ٹھن کر رہتا ہے، ان ہی کی طرح چلنا پھرنا، بولنا چالنا اختیار کر لیتا ہے، ایسا کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ **تشبّہ بالنساء** ہے[۱]۔

حدیث شریف میں ایک **مخنّث** کا ذکر ہے جس کا نام ہِیت **(بکسر الهاء وسکون الیاء)** تھا، حضور ﷺ اس کو اصلی **مخنّث** سمجھتے تھے، اور **من غیر اولی الاربة** میں داخل سمجھ کر ازواجِ مطہراتؓ کا اس سے پردہ کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، ایک دن وہ حضرت ام سلمہؓ کے یہاں تھا، اور حضور ﷺ بھی وہاں موجود تھے، حضرت ام سلمہؓ کے ایک بھائی تھے جن کا نام حضرت عبداللہ ابن امیہؓ تھا، یہ حضرت ام سلمہ کے باپ شریک بھائی تھے[۲]، اس نے حضرت عبداللہ بن امیہؓ سے کہا کہ اگر کل طائف فتح ہو گیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی جس کا نام بادیۃ ہے دکھاؤں گا، وہ بہت موٹی ہے، اس کے پیٹ میں چربی کی وجہ سے چار بٹیں پڑتی ہیں، اور پیٹھ پر آٹھ بٹیں پڑتی ہیں، اور اہلِ عرب موٹی عورت کو بہت پسند کرتے تھے[۳]، جیسا کہ آج کل پتلی عورت کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے، غیلان طائف کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا، جس کی دس بیویاں تھیں، اس کے اسلام لانے کے بعد آپ ﷺ نے

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۲۱۸۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۴ص۲۸۲۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج۴ص۲۸۲،۲۸۳۔

فرمایا کہ تم چار رکھ لو اور باقی چھوڑ دو۔

بہر حال جب آپ ﷺ نے اس کی گفتگو سنی تو سمجھ لیا کہ اس میں تو مردوں کی صفات موجود ہیں، کیونکہ اس میں عورتوں کی طرف جھکاؤ اور میلان پایا جاتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو ازواج مطہرات کے پاس جانے سے منع فرمایا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ازواج مطہراتؓ نے اس سے پردہ کرنا شروع کر دیا۔

باب جواز إرداف المرأة الأجنبية إذا أعيت في الطريق

(لاچار عورت کو سوار کرنے کا جواز)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَبُو كُرَيْبٍ الْهَمْدَانِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ :تَزَوَّجَنِي الزُّبَيْرُ وَمَا لَهُ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَالٍ وَلَا مَمْلُوكٍ وَلَا شَيْءٍ، غَيْرَ فَرَسِهِ، قَالَتْ فَكُنْتُ أَعْلِفُ فَرَسَهُ، وَأَكْفِيهِ مَئُونَتَهُ وَأَسُوسُهُ وَأَدُقُّ النَّوَى لِنَاضِحِهِ، وَأَعْلِفُهُ، وَأَسْتَقِي الْمَاءَ وَأَخْرُزُ غَرْبَهُ وَأَعْجِنُ، وَلَمْ أَكُنْ أُحْسِنُ أَخْبِزُ، وَكَانَ يَخْبِزُ لِي جَارَاتٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَكُنَّ نِسْوَةَ صِدْقٍ، قَالَتْ :وَكُنْتُ أَنْقُلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَأْسِي، وَهِيَ عَلَى ثُلُثَيْ فَرْسَخٍ قَالَتْ :فَجِئْتُ يَوْمًا وَالنَّوَى عَلَى رَأْسِي، فَلَقِيتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَدَعَانِي، ثُمَّ قَالَ إِخْ إِخْ لِيَحْمِلَنِي خَلْفَهُ، قَالَتْ :فَاسْتَحْيَيْتُ وَعَرَفْتُ غَيْرَتَكَ، فَقَالَ وَاللهِ لَحَمْلُكِ النَّوَى عَلَى رَأْسِكِ أَشَدُّ مِنْ رُكُوبِكِ مَعَهُ، قَالَتْ حَتَّى أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ، بَعْدَ ذَلِكَ، بِخَادِمٍ فَكَفَتْنِي سِيَاسَةَ الْفَرَسِ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَتْنِي (ص ۲۱۸ سطر ۶ تا ۱۲)

تشریح

حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ کی بہن اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں، ان کا نکاح حضرت زبیرؓ سے ہوا تھا، جن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تھے، یہ فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح حضرت زبیرؓ سے ہوا تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، نہ زمین تھی، نہ مکان اور نہ پیسے وغیرہ تھے، چنانچہ میں گھر کے کام بھی انجام دیتی تھی اور گھر کے باہر کے کام بھی انجام دیتی تھی، میں گھوڑے کو چارہ بھی ڈالتی تھی، اور ان

کے دیگر کام کاج کرتی تھی، اور میں ان کے گھوڑے کو لاتی اور لیجاتی تھی، اور ان کے اونٹ کے لئے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی، اور اس کو کھلاتی، اور ان کے بڑے ڈول کو سیا بھی کرتی تھی، اور آٹا بھی گوندھتی تھی، اور مجھے کچھ اچھی طرح روٹی پکانا نہیں آتی تھی، میرے پڑوس میں کچھ انصاری عورتیں تھیں، وہ میرے لئے کچھ روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں، پھر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک خادم (غلام) بھیج دیا تو گھوڑوں کی خدمت سے میری جان چھوٹ گئی، اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے خادم بھیج دیا اور اگلی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خادم عطا فرمایا، تو ایک جگہ حضور ﷺ کا ذکر ہے اور ایک جگہ حضرت ابوبکرؓ کا، اس کی تطبیق حضرات شارحین نے اس طرح فرمائی ہے کہ حضور ﷺ نے وہ غلام حضرت صدیق اکبرؓ کو عطا فرمایا، پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت اسماءؓ کو دیدیا۔[1]

عورت کے ذمہ گھر کے کام ہونا

مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ عورت کے ذمہ گھر کے کام کاج واجب ہیں یا نہیں؟ گھر کے کام کاج کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو گھر کی چار دیواری میں ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو گھر سے باہر ہوتے ہیں، گھر سے باہر ہونے والے کاموں کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ عورت کے ذمہ نہیں ہیں، جیسے مارکیٹ میں جا کر گھر کا سودا سلف لانا وغیرہ، جیسے سرکارِ دوعالم ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر گھر کے کام کاج حضرت فاطمہؓ کے سپرد فرمائے اور گھر سے باہر کے کام کاج حضرت علیؓ کے سپرد فرمائے۔

اب رہ گئے وہ کام جو گھر کے اندر ہوتے ہیں، جن کو امورِ خانہ داری کہتے ہیں، جیسے کھانا پکانا، برتن اور کپڑے دھونا، گھر کی صفائی ستھرائی کرنا، بچوں کی پرورش اور شوہر کے مال واسباب کی حفاظت کرنا، یہ عورت کے ذمے ہیں یا نہیں، اس میں اختلاف ہے،

حضراتِ شوافع فرماتے ہیں کہ گھر کے کام کاج مطلقاً عورت کے ذمہ واجب نہیں ہیں، نہ قضاءً نہ دیانۃً، اس کے ذمہ دو کام ہیں، ایک یہ کہ جب شوہر صحبت کرنا چاہے، اور کوئی شرعی عذر نہ ہو تو وہ اس کا موقع فراہم کرے اور انکار نہ کرے، دوسرے یہ کہ بغیر اس کی اجازت کے گھر سے باہر نہ جائے۔[2]

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس مسئلے میں تفصیل ہے کہ اگر عورت رئیس اور مالدار گھرانے سے تعلق رکھتی ہے یعنی ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کی عورتیں گھر کے کام کاج خود نہیں کرتیں، بلکہ نوکر چاکر اور باندی وخادمائیں کرتی ہیں، تو ایسی صورت میں عورت کے ذمہ گھر کے کام کاج واجب نہیں

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۴ص۴۸۷۔

(۲) شرح النووی ج۲ص۲۱۸۔

ہیں، نہ قضاءً نہ دیانۃً، شوہر کے ذمہ ہے کہ وہ ماسیوں اور خادماؤں کا انتظام کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کا تعلق ایسے خاندان سے ہو کہ ان کی عورتیں از خود گھر کے کام کاج کرتی ہیں، یا برائے نام گھر کا کام کاج کروانے کے لئے ایک دو ماسی رکھ لیتی ہیں، لیکن زیادہ تر کام کاج وہ خود کرتی ہیں، ایسی صورت میں گھر کے سارے کام قضاءً تو واجب نہیں، لیکن دیانۃً واجب ہیں۔ (۱)

ہمارے دیہاتوں اور گاؤں گوٹھوں میں جو عام رواج ہے کہ بیچاری عورتیں ہل جوتتی ہیں، فصل کاٹتی ہیں، اور جانوروں کو بھی کھلاتی پلاتی ہیں، گھر کے سارے کام کاج بھی کرتی ہیں، ان کی رضامندی اور خوشی کے بغیر زبردستی ان سے یہ کام لینا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی عورت یہ کام اپنی خوشی سے کرے اور شرعی پردہ کے ساتھ کرے تو الگ بات ہے یعنی جائز ہے۔

باب تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث بغير رضاه

(دو آدمیوں کا تیسرے کی موجودگی میں سرگوشی کرنے کی حرمت میں)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ، فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ (ص ۲۱۹ سطر ۵، ۶)

تشریح

جب تین آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوں تو دو کو آپس میں چپکے چپکے باتیں کرنا منع ہے، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ پہلے سے تین آدمی ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، اور پھر ان میں سے دو آدمی آپس میں باتیں کرنا شروع کر دیں، چاہے تینوں کی زبان ایک ہو اور دو آپس میں آہستہ آہستہ بات کریں یا زبان الگ الگ ہو اور دو آدمی اپنی زبان میں زور سے بات کرنے لگیں، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ چپکے چپکے باتیں کرنا، یہ سب ممنوع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوگی یا اس کے دل میں بدگمانی آئے گی یا اس کے دل میں بغض پیدا ہوگا۔

اور اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں اور اس میں دو آدمی آپس میں کوئی بات چپکے سے کریں تو وہ ممنوع نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے ہی سے دو آدمی الگ بیٹھے ہوئے ہیں اور تیسرا الگ بیٹھا ہوا ہے،

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۲۸۵، ۲۸۶۔

تو اس صورت میں اگر وہ باتیں کرلیں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس میں مذکورہ قباحت نہیں، اسی میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ کوئی دو آدمی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کررہے ہیں، تو تیسرا آدمی ان کے درمیان میں گھس کر ان کی باتوں کو ان کی اجازت کے بغیر نہیں سن سکتا۔ (۱)

ترجمۃ الباب میں لفظ "بغیر رضاہ" آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تیسرا آدمی مجلس میں موجود دو آدمیوں کے سرگوشی کرنے پر ناراض نہ ہو تو پھر بھی اس طرح باتیں کرنا جائز ہوگا۔ (۲)

باب الطب والمرض والرُّقٰی

(یہ باب طب، بیماری اور دم کے بیان میں ہے)

طب کے معنٰی ہیں علاج ومعالجہ، طبیب کہتے ہیں علاج کرنے والے کو اور اس کی جمع اطباء ہے، اور اصطلاح میں علم طب وہ علم ہے کہ جس میں انسان کے جسم کے ان حالات سے بحث کی جائے جو اس کی صحت اور مرض سے متعلق ہیں، لہٰذا ان اسباب کو اختیار کیا جائے جو صحت کو بحال رکھنے والے ہیں یا اس کو باقی رکھنے والے ہیں، اور ایسے اسباب سے پرہیز کیا جائے جو کہ مزیلِ صحت ہیں یا مرض پیدا کرنے والے ہیں، طب اور علاج ومعالجہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے، عرب کے لوگ اپنے امراض کے سلسلے میں زیادہ تر کاہنوں اور جادوگروں کے پاس جایا کرتے تھے، اور دم وغیرہ کے ذریعے علاج کیا کرتے تھے، جڑی بوٹیوں کے ذریعے علاج کرنے کا رواج عرب میں بہت کم تھا، اس لئے لے دے کر صرف ایک طبیب مشہور تھا جس کا نام حارث بن کلدہ ہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب بیمار ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو حارث بن کلدہ کے پاس علاج کے لئے بھیجا تھا، اور علاج بھی آپ ﷺ نے بتلادیا تھا۔ (۳)

سرکارِ دوعالم ﷺ سے بھی علاج ومعالجہ ثابت ہے، آپ ﷺ سے جو علاج ومعالجہ ثابت ہے وہ تین قسم کا ہے، پہلا دواؤں اور غذاؤں کے ذریعہ علاج، دوسرا دم کے ذریعے علاج، تیسرے دم اور دوا دونوں کے ذریعے علاج۔

سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت آپ ﷺ کے رسول ہونے کی ہے، اس حیثیت سے آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اپنے درجہ کے مطابق فرض، واجب، سنت اور مستحب ہوتا ہے، اور ایک حیثیت آپ کی ذات گرامی کی ہے، اس کے لحاظ سے جو

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۲۸۸و۲۸۹۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۲۸۹۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب الطب فی تمرۃ العجوۃ رقم الحدیث: ۳۳۷۷۔

کچھ آپ فرماتے ہیں اور جو کام آپ ﷺ من حیث العادۃ فرماتے ہیں وہ فرض وواجب نہیں کیونکہ وہ من حیث الشرع والعبادۃ نہیں ہے، یہ علاج معالجہ بھی آپ ﷺ کی طرف سے بطورِ عادت بیان کیا گیا ہے نہ کہ بطورِ عبادت، اس کا درجہ سنن زوائد کی طرح ہے کہ اگر کوئی سنت کی نیت سے ان پر عمل کرے تو ان شاء اللہ موجبِ اجروثواب ہے، اور اگر عمل نہ کرے تو گناہ نہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے جو علاج بتلایا، اس کو اختیار کرنا فرض یا واجب نہیں، تاہم سنت کی نیت سے کرنا موجبِ ثواب ہے۔ (۱)

قولہ: العین حق (ص ۲۲۰ سطر ۳،۴)

نظر اتارنے کے طریقے

نظر لگنا برحق ہے، اور نظر کا لگنا جیسے برحق ہے ویسے بدیہی بھی ہے، عرب میں نظر لگنے کے علاج کے دو طریقے تھے، ایک یہ کہ جس آدمی کی نظر لگتی، وہ اپنے اعضاءِ وضو اور ستر کی جگہ کو پانی سے دھوکر وہ پانی نظر لگنے والے کو دیدیتا اور نظر لگنے والا کمر کی طرف سے اپنے اوپر ڈالتا تو وہ ٹھیک ہوجاتا تھا، دوسرے وضو کا خاص طریقہ تھا کہ ایک آدمی برتن میں پانی لیکر کھڑا ہوجاتا اور جس کی نظر لگی ہے اس کو کہتا کہ تم اس پانی سے وضو کرو، چنانچہ وہ اپنے وضو کے اعضاء دھوتا اور ستر کی جگہ بھی دھوتا اور پھر یہ سارا پانی ایک خالی برتن میں جمع کرتا اور پھر یہ پانی جس کو نظر لگی ہے اس کے سر کے پیچھے سے ڈالا جاتا تو مریض صحت یاب ہوجاتا تھا۔

ہمارے یہاں نظر اتارنے کے لئے سات لال مرچیں جلائی جاتی ہیں، اس سے مرچ کی بو نہیں آتی، اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ مریض کے سخت نظر لگی ہوئی ہے، اور جب وہ سات مرچیں جل جاتی ہیں تو نظر اُتر جاتی ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس پر یقین ہو کہ اس کو نظر لگی ہے تو سورۂ قلم کی آخری دو آیت (۲) گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس پر دم کرنے سے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ نظر اُتر جاتی ہے۔

بہر حال اہلِ عرب میں نظر اتارنے کا علاج غسل اور وضو کا خاص طریقہ تھا، چنانچہ احادیث میں ایک واقعہ حضرت سہل بن حنیفؓ کا آتا ہے کہ وہ بہت گورے چٹے اور حسین آدمی تھے، ایک مرتبہ وہ کہیں نہا رہے تھے کہ ایک صاحب عامر بن ربیعہ کی نظر اُن کو لگ گئی، انہوں نے کہا کہ یہ ایسے خوبصورت ہیں کہ پردہ نشین عورت بھی ایسی خوبصورت نہیں ہوسکتی، یہ کہنا تھا اور وہ ایک دم نیچے گر گئے، اور اتنی تکلیف ہوئی کہ ان کو اٹھانا مشکل ہوگیا، ان کے ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۲۹۴۔

(۲) وہ آیات یہ ہیں: وإن یکاد الذین کفروا لیزلقونک بأبصارھم لما سمعوا الذکر ویقولون إنہ لمجنون ○ وما ھو إلا ذکر للعالمین

اللہ! سہل بن حنیف کے لئے کوئی علاج ہو تو کر دیجئے، اس لئے کہ ان کی حالت تو یہ ہے کہ ان سے گردن بھی نہیں اٹھائی جا رہی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کس کے بارے میں شبہ ہے کہ اس کی نظر لگی ہوگی، انہوں نے کہا کہ عامر بن ربیعہ کے بارے میں ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی نظر لگی ہے، آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ تم نے ماشاء اللہ کیوں نہیں کہا؟ معلوم ہوا[1] جب آدمی کوئی اچھی چیز دیکھے تو نظر سے بچنے کے لئے **ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یا بارک اللہ** کہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو غسل کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے اسی طرح اپنے اعضاء کو دھویا، اور پھر وہ دھوون ایک برتن میں جمع کیا گیا اور پھر وہ حضرت سہل بن حنیف کی کمر کی طرف سے سر کے اوپر ڈالا گیا، ادھر پانی ختم اور ادر اُدھر وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

باب السحر

(جادو کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :سَحَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودِيٌّ مِنْ يَهُودِ بَنِي زُرَيْقٍ، يُقَالُ لَهُ :لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ :قَالَتْ حَتَّى كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا يَفْعَلُهُ، حَتَّى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ، أَوْ ذَاتَ لَيْلَةٍ، دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ دَعَا، ثُمَّ دَعَا____الحديث (ص ۲۲۱ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

یہ باب سحر کے بیان میں ہے، اس میں پہلے سحر کے لغوی و اصطلاحی معنٰی اور سحر کی تعریف، قسمیں اور حکم بیان کیا جائے گا اور پھر یہ بتایا جائے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر سحر کا اثر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سحر کے لفظی معنٰی پوشیدہ اور مخفی چیز کے ہیں، اور اصطلاح میں ان خیالی تصورات اور خیالات کو کہتے ہیں کہ جو کسی کی طرف جما دئے جائیں، یعنی اسباب کے ذریعے کوئی تصرف کیا جائے اور وہ اسباب نظروں سے پوشیدہ ہوں تو اسکو جادو کہتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب العین، رقم الحدیث: ۳۵۰۰۔

سحر کی دو قسمیں

سحر کی دو قسمیں ہیں، ایک نظر بندی اور دوسری حقیقت کی تبدیلی، یعنی ایک قسم یہ ہے کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے لوگوں کی نظر پر جادو کر دیتا ہے اور لوگوں کو ایسی چیز نظر آتی ہے جو در حقیقت وہ نہیں ہوتی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ہے کہ جادوگروں نے رسیاں، لکڑیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈالیں اور وَسَحَرُوا عَلٰى اَعْيُنِ النَّاسِ[1]، لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا، اس جادو کی وجہ سے لوگوں کو وہ لکڑیاں، رسیاں اور لاٹھیاں وغیرہ سچ مچ سانپ محسوس ہوتی تھیں، جبکہ حقیقت میں وہ سانپ وغیرہ نہیں تھیں، اسی طرح بعض مرتبہ جادوگر نظر پر جادو کر کے صحت مند کو مریض دکھاتا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ تندرست ہوتا ہے۔

جادو کی دوسری قسم یہ ہے کہ واقعۃً کسی کی حقیقت بدل دی جائے، اس میں اختلاف ہے، جمہور کہتے ہیں کہ یہ بھی عقلاً و شرعاً ممکن ہے، لیکن بعض علماء حقیقت کے تبدیل ہونے سے انکار کرتے ہیں، جن میں پیش پیش حضرت امام ابوبکر جصاص ؒ ہیں، جمہور کہتے ہیں کہ حقیقت کی تبدیلی سے نہ عقل مانع اور نہ شرع مانع ہے، بلکہ حضرت کعب الاحبار ؓ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جادو کے ذریعہ حقیقت بدل سکتی ہے، حضرت کعب الاحبار ؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے وہ کلمات یاد نہ ہوتے جو میں نے پڑھے تھے، تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے، اس سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ جادو کے ذریعہ انقلابِ عین ہو سکتا ہے۔[2]

جادو کا حکم

جادو کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ غیر اللہ سے استمداد کے ساتھ ہو، اور غیر اللہ میں چاہے شیاطین ہوں یا جنات ہوں یا کوئی اور ہو، یا جادو میں شرکیہ اور کفریہ کلمات کہے جائیں تو ایسی صورت میں یہ کفر بھی ہے اور حرام بھی ہے، اور اگر کوئی کفریہ یا شرکیہ کلمہ نہیں بولتا، اور کسی غیر اللہ سے مدد بھی نہیں لیتا تو پھر بھی اگرچہ یہ کفر نہیں لیکن حرام پھر بھی ہے، البتہ ایک صورت یہ ہے کہ کسی کا جادو توڑنے کے لئے کوئی جائز طریقے سے جادو کرے تو یہ جائز ہے۔[3]

---

(۱) سورۂ اعراف: آیت نمبر ۱۱۶۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۳۰۰، ۳۰۱۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۳۰۱، ۳۰۲۔

انبیاء علیہم السلام پر جادو ہونا برحق ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر جادو کا اثر نہیں ہوسکتا، جمہورؒ کے نزدیک ہوسکتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جادو کا اثر امراض کی طرح ہے، جیسے نزلہ، کھانسی اور بخار وغیرہ، جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ امراض من حیث البشر لاحق ہوسکتے ہیں، ایسے ہی جادو بھی ہوسکتا ہے، اور سرکارِ دوعالم ﷺ پر بھی جادو کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کا توڑ بھی فرمایا، البتہ اتنی بات ہے کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام پر کوئی جادو کرے گا تو اس جادو کی وجہ سے ان کو منصبِ رسالت کے فرائض ادا کرنے میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔[1]

باب السم

(زہر کے بیان میں)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ امْرَأَةً يَهُودِيَّةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ :أَرَدْتُ لِأَقْتُلَكَ، قَالَ :مَا كَانَ اللهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلَى ذَاكِ قَالَ - :أَوْ قَالَ -عَلَيَّ قَالَ قَالُوا :أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ :لَا ، قَالَ :فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۲۲۲ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

جس عورت نے حضور ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر دینے کی کوشش کی، اس کا نام زینب بنت الحارث تھا، کوئی شخص کسی کو زہر دیکر مار دے تو جمہور کے نزدیک اس کو بھی قصاصاً مارا جائے گا، متاخرینِ حنفیہ کا مسلک بھی جمہور کے مطابق ہے۔[2]

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۰۳۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۱۱۔

باب استحباب رقية المريض

(مریض کو تعویذ دینے کے استحباب کے بیان میں)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِسْحَاقُ :أَخْبَرَنَا، وقَالَ: زُهَيْرٌ وَاللَّفْظُ لَهُ :حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا اشْتَكَى مِنَّا إِنْسَانٌ، مَسَحَهُ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ قَالَ :أَذْهِبِ الْبَاسَ، رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا فَلَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ، أَخَذْتُ بِيَدِهِ لِأَصْنَعَ بِهِ نَحْوَ مَا كَانَ يَصْنَعُ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ يَدِي، ثُمَّ قَالَ :اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاجْعَلْنِي مَعَ الرَّفِيقِ الْأَعْلَى قَالَتْ :فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ، فَإِذَا هُوَ قَدْ قَضَى (ص ۲۲۲ سطر ۴ تا ۷)

تشریح

قوله: اللّٰهم اغفر لي واجعلني مع الرفيق الأعلىٰ (ص ۲۲۲ سطر ۷)

الرفیق الاعلیٰ کے بارے میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد جنت ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی۔ (۱)

رقیہ اور دم کی تین شرطیں

رقیہ اور دَم کرنے کیلئے تین شرائط ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو دَم کرنا جائز نہ ہوگا، احادیث شریفہ میں جہاں جہاں دم اور رقیہ وغیرہ کرنے کی ممانعت ہے، وہ ان تین شرائط میں سے کسی نہ کسی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے، اور جہاں جہاں ثابت ہے، ان میں یہ تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ ہو، یا اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مبارکہ کے ساتھ ہو، یا احادیث طیبہ کی دعاؤں کے ذریعہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو جو الفاظ بھی استعمال کئے جائیں ان کے معنیٰ اور مفہوم معلوم ہو، اور ان کے معنیٰ ومفہوم میں کوئی بات خلافِ شرع نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس دَم کو مؤثر بالذات نہ سمجھے، بلکہ مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھے۔ (۲)

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۳۱۴۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۲۹۵ بحوالہ فتح الباری ج۱۰ ص۱۹۵۔

باب رقية المريض بالمعوّذات و النفث

(تعویذ کا حکم)

تعویذ کا کیا حکم ہے؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام، اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی اور ادعیۂ ماثورہ کے ذریعے دم جائز ہے، ایسے ہی تعویذ بھی جائز ہے، لیکن تعویذ لکھنا، یا گلے میں باندھنا یہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا فعلاً ثابت نہیں ہے، البتہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے آثار سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا یہ معمول تھا کہ ان کی جو اولاد بالغ ہوتی اس کو یہ کلمات زبانی یاد کروادیتے تھے (اللّٰهم انّي اعوذ بكمات اللّٰه التّامات من غضبه وسوء عقابه، ومن شر عباده، ومن شر الشياطين وان يحضرون) تاکہ وہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیا کریں، اور جو نابالغ اولاد ہوتی تو کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے۔[1]

اسی طرح مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ سے کسی نے پوچھا کہ گلے میں تعویذ ڈالنے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر چمڑے میں سی کر ڈال دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس عورت کو ولادت میں دشواری ہو، یعنی بچہ پیدا ہونے میں تکلیف ہورہی ہو، آسانی نہ ہو تو اگر کسی کاغذ پر یہ لکھا جائے: بسم اللّٰه لا اله الا اللّٰه الحليم الكريم سبحان اللّٰه رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين، يوم يرونها لم يلبثوا الا عشية او ضُحَاها كانهم يوم يرون ما يوعدون لم يلبثوا الا ساعةً من نهار، بلاغٌ فهل يهلك الا القوم الفاسقون، اور یہ کاغذ عورت کے بازو پر باندھ دیا جائے تو ولادت آسانی سے ہوجاتی ہے۔[2]

ان آثار کے پیش نظر جمہور فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ آیات واسماء باری تعالیٰ اور ادعیۂ ماثورہ کے ذریعے تعویذ بنا کر گلے میں ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔

ہمارے یہاں کے غیر مقلد اور سعودی عرب کے سلفی حضرات کو اس سے اختلاف ہے، یہ اس کو مطلقاً (العیاذ باللّٰہ!) شرک کہتے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ الرقى والتمائم والتولة شرك (او كما قال[3]) کہ دم کرنا، تعویذات کرنا شرک ہے، لیکن اس سے ان کا استدلال درست نہیں، کیونکہ یہاں دم سے مراد وہ دم ہے جو زمانہ

---

(۱) مسند احمد مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۶۶۹۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۳۱۷۔

(۳) المستدرك للحاكم رقم الحديث: ۸۲۹۰

جاھلیت میں شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوتا تھا، تمائم تمیمہ کی جمع ہے، تمیمة ان منکوں اور دانوں کو کہتے ہیں جو اہلِ عرب بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے، اور وہ سمجھتے تھے کہ بچوں کو نظر نہ لگنے میں یہ دانے بالذات مؤثر ہیں، حالانکہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، تو اس قسم کے عقائد پر مبنی دم اور تعویذ وغیرہ کرنے کو آپؐ نے شرک فرمایا مطلقاً تعویز کو شرک نہیں فرمایا۔ (۱)

باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة

(نظر لگنے، پھنسی، یرقان اور بخار کے لئے دم کرنے کے استحباب کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ :أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُهَا أَنْ تَسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ

(ص ۲۲۳ سطر ۱۰ تا ۱۲)

تشریح

رقية دم کو کہتے ہیں، العین عام ہے، چاہے انسان کی نظر لگے، خواہ جن کی۔ نملة ایک بیماری ہوتی ہے کہ جس میں انسان کی بغل کے نیچے کچھ دانے نکل آتے ہیں، جن میں اس طرح کی خارش ہوتی ہے کہ جیسے چیونٹیاں کاٹ رہی ہوں، حمة بچھو کے ڈنک کو کہتے ہیں، نظرة، بعض حضرات کہتے ہیں کہ نظرۃ کالفظ جنّات کی نظر کے ساتھ خاص ہے۔ (۲)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :رَخَّصَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ، وَالْحُمَةِ، وَالنَّمْلَةِ ــــ الحديث(ص ۲۲۳ سطر ۱۴ تا ۱۶)

تشریح

قوله: رخص رسول الله ﷺ في الرقية من العين (۲۲۳ سطر ۱۶)

حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ (الى قوله) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِجَارِيَةٍ

(۱) تکملة فتح الملہم ج۴ ص۳۱۸۔

(۲) تکملة فتح الملہم ج۴ ص۳۲۲، ۳۲۳۔

فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَأَى بِوَجْهِهَا سَفْعَةً، فَقَالَ: بِهَا نَظْرَةٌ، فَاسْتَرْقُوا لَهَا يَعْنِي بِوَجْهِهَا صُفْرَةً (ص۲۲۳ سطر ۱۷ تا ۱۹)

تشریح

قولہ : سفعة، (۲۲۳ سطر ۱۸) یرقان کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنِي عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ (الی قولہ) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِآلِ حَزْمٍ فِي رُقْيَةِ الْحَيَّةِ، وَقَالَ لِأَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ مَا لِي أَرَى أَجْسَامَ بَنِي أَخِي ضَارِعَةً تُصِيبُهُمُ الْحَاجَةُ قَالَتْ لَا، وَلَكِنِ الْعَيْنُ تُسْرِعُ إِلَيْهِمْ، قَالَ: ارْقِيهِمْ قَالَتْ: فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: ارْقِيهِمْ. (ص۲۲۳ سطر ۱۹ تا ۲۱)

تشریح

قولہ : ضارعة، (ص۲۲۳ سطر ۲۰) نحیف۔

اگر دم ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ کیوں دم کرتے اور کیوں اجازت دیتے؟ معلوم ہوا کہ مطلق دم کی ممانعت نہیں، بلکہ شرکیہ کلمات پر مبنی دم کی ممانعت ہے۔

باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن والأذكار

(قرآن مجید اور اذکارِ مسنونہ کے ذریعے دم کرنے پر اجرت لینے کے جواز کے بیان میں)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ (الی قولہ) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا فِي سَفَرٍ، فَمَرُّوا بِحَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ، فَاسْتَضَافُوهُمْ فَلَمْ يُضِيفُوهُمْ، فَقَالُوا لَهُمْ: هَلْ فِيكُمْ رَاقٍ؟ فَإِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ لَدِيغٌ أَوْ مُصَابٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: نَعَمْ، فَأَتَاهُ فَرَقَاهُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَبَرَأَ الرَّجُلُ فَأُعْطِيَ قَطِيعًا مِنْ غَنَمٍ، فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا، وَقَالَ حَتَّى أَذْكُرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِفَاتِحَةِ

الْكِتَابِ فَتَبَسَّمَ وَقَالَ وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ ثُمَّ قَالَ خُذُوا مِنْهُمْ، وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ مَعَكُمْ. (ص ۲۲۴ سطر ۸ تا ۱۱)

تشریح

تعویز کی اجرت کا حکم

اس باب میں دو مسئلہ سمجھنے کے ہیں، ایک یہ کہ دم اور تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ دوسرا یہ کہ قرآن کریم کی تعلیم پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر تو جمہور امت کا اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم، اسماءِ الٰہی اور ادعیۂ ماثورہ اور دیگر جائز کلمات کے ذریعے دم کرنا اور اس پر اُجرت طے کر کے لینا بلاشبہ جائز ہے، اور یہ حدیث الباب اسی کی دلیل ہے کہ کچھ صحابۂ کرامؓ کسی سفر میں عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلے کے پاس پہنچے تو وہاں ایک قبیلے کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے سردار کو کسی بچھو وغیرہ نے کاٹ لیا ہے تو کیا تمہارے پاس کوئی علاج ہے؟ ایک صحابیؓ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا، اس کے بدلے میں انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ ان کو دیدیا، انہوں نے لینے سے پہلے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یہ ہمارے لئے جائز بھی ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! جائز ہے، اور تطییب (۱) خاطر کے لئے فرمایا کہ اس میں ہمارا حصہ بھی لگاؤ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ رقیہ اور دم وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔

تعلیم قرآنِ کریم کی اجرت کا حکم

لیکن قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمۂ اربعہؒ کا اختلاف ہے، حضراتِ شافعیہؒ اور حضرات مالکیہؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے قرآن کریم پڑھ کر دم کی اجرت لینا جائز قرار دیا، اسی طرح تعلیم کے لئے اجرت لینا بھی جائز ہے، دوسری دلیل مسلم شریف کی کتاب النکاح میں وہ معروف حدیث گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابیہ کا نکاح قرآن کریم کی تعلیم کے عوض میں ایک شخص سے کر دیا تھا، اور فرمایا کہ کہ تم کو جو قرآنِ کریم آتا ہے اس کے بدلے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، جس طرح قرآن کریم کی تعلیم نکاح میں بدل بن سکتی ہے، اسی طرح اس کی اجرت بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔

لیکن حنفیہ اور حنابلہ اس کو نا جائز کہتے ہیں، ان کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے کہ "لا

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۲۴۔

تشتروا بآیاتی ثمنًا قلیلاً"[1] میری آیات کو تھوڑے سے پیسوں کے بدلے میں مت خریدو، لیکن اس سے استدلال ضعیف ہے، کیونکہ اس سے مراد تحریفِ قرآن ہے کہ کچھ دنیاوی فائدے کے لئے تحریف کرنا جائز نہیں۔

دوسری دلیل ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "**اقرؤوا القرآن ولا تاکلوا به**"[2] تم قرآن کریم پڑھو، لیکن اس کے بدلے میں پیسے نہ کھاؤ، اسی طرح حدیث بریدہؓ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! مجھے قرآن کریم پڑھانے کے عوض میں کمان ملی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو قرآن شریف پڑھا کر اس کے عوض میں کمان لے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ کی کمان پہنائیں گے،[3] یہ وعید عدمِ جواز کی دلیل ہے، معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھا کر پیسے لینا ناجائز ہے۔

لیکن متاخرین حنفیہ نے تعلیم قرآن پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ آج کل کے زمانے میں دین کی تعلیم کے بارے میں تساہل برتا جانے لگا ہے، ظاہری اسباب کے تحت اگر ضروریات دین اور تعلیم قرآن کا باقاعدہ سلسلہ قائم نہ کیا جائے تو دین کی صحیح تعلیمات مٹ جانے کا خطرہ ہے، لہٰذا انہوں نے ضرورت کی وجہ سے حضرات شوافع کے مسلک پر فتویٰ دیدیا کہ جن چیزوں پر دین کی بقاء کا دارومدار ہے، ان کی اجرت طے کر کے لینا جائز ہے، جس میں قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تمام علوم شرعیہ کی تعلیم بھی داخل ہے، اسی میں درس وتدریس، اذان وامامت، افتاء وقضاء داخل ہیں، اور جو ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے، اس میں اصل مذہب پر ناجائز ہونے کا فتویٰ ہے، جیسے تراویح میں طے کر کے اجرت لینا جائز نہیں۔[4]

باب لکل داء دواء واستحباب التداوی

(ہر بیماری کے لئے دواء ہے اور علاج کرنے کے استحباب کے بیان میں)

حَدَّثَنِی نَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ الْجَهْضَمِیُّ، (الی قوله) عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، قَالَ :جَاءَ نَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فِی أَهْلِنَا، وَرَجُلٌ یَشْتَکِی خُرَاجًا بِهِ أَوْ جِرَاحًا، فَقَالَ :مَا تَشْتَکِی؟ قَالَ :خُرَاجٌ بِی قَدْ شَقَّ عَلَیَّ، فَقَالَ :یَا غُلَامُ

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۱۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبۃ رقم الحدیث: ۲۲۷۷۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم، رقم الحدیث: ۲۹۶۴۔

(۴) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۳۲۸ تا ۳۳۱۔

ائْتِنِي بِحَجَّامٍ، فَقَالَ لَهُ :مَا تَصْنَعُ بِالْحَجَّامِ؟ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ قَالَ :أُرِيدُ أَنْ أُعَلِّقَ فِيهِ مِحْجَمًا، قَالَ :وَاللهِ إِنَّ الذُّبَابَ لَيُصِيبُنِي، أَوْ يُصِيبُنِي الثَّوْبُ، فَيُؤْذِينِي وَيَشُقُّ عَلَيَّ، فَلَمَّا رَأَى تَبَرُّمَهُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ :إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَتِكُمْ خَيْرٌ، فَفِي شَرْطَةِ مِحْجَمٍ، أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ عَسَلٍ، أَوْ لَذْعَةٍ بِنَارٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَمَا أُحِبُّ أَنْ أَكْتَوِيَ قَالَ فَجَاءَ بِحَجَّامٍ فَشَرَطَهُ، فَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ. (ص ۲۲۵ سطر ۴ تا ۷)

تشریح

علاج مستحب ہے

جمہور فقہاءِ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیماری کا علاج کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، بعض حضرات نے اسے سنت کہا ہے تو اس سے سنتِ غیر مؤکدہ مراد ہے، علاج کرنا فرض و واجب نہیں ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے صبر کرے اور علاج نہ کرے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن مستحب یہی ہے کہ بیماری کا علاج کرے، کیونکہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ سے قولاً اور فعلاً دونوں طرح علاج کرنا ثابت ہے۔ (۱)

اس باب کی احادیث میں چند علاج آپ ﷺ نے ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے ایک حجامت ہے جس کو سینگی لگوانا کہتے ہیں، شرطة سینگی لگانے کو کہتے ہیں اور محجم سے مراد سینگی لگانے کا آلہ ہے، (۲) اسی طرح پانی میں شہد ملا کر پینا بھی موجبِ شفاء ہے۔ اسی طرح آگ سے داغنا بھی ایک علاج ہے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں داغنے کو پسند نہیں کرتا، اور آگے ایک حدیث میں آرہا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے چھوٹی چھری یا چھوٹی قینچی کے ذریعے داغا، تو تعارض ہوا، اس تعارض کو شارحین نے اس طرح دور فرمایا کہ جن احادیث میں آپ ﷺ نے داغنے کو منع فرمایا، وہ کراہتِ تنزیہی پر محمول ہیں، کیونکہ اس میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے، اور جن احادیث میں آپ ﷺ نے خود داغا یا اجازت دی تو اس سے جواز اور اباحت مراد ہے، بعض حضرات نے کہا کہ آپ ﷺ نے داغنے کو ناپسند فرمایا، اس سے مراد عرب کے بدوؤں کا داغنا ہے، کیونکہ وہ حد سے زیادہ داغا کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) تکملہ فتح الملہم ج۴ ص۳۳۲۔

(۲) شرح النووی ج۲ ص۲۲۶۔

(۳) تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۳۳۲ تا ۳۳۴۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ صَخْرٍ الدَّارِمِيُّ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَاسْتَعَطَ.
(ص ۲۲۵ سطر ۱۴ تا ۱۶)

تشریح

استعط، سعوط سے ہے، سعوط کے معنیٰ ہیں: ناک میں دوا ڈالنا۔

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الی قوله) عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ الْحُمَّى فَوْرٌ مِنْ جَهَنَّمَ، فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ. (ص ۲۲۶ سطر ۱۱ تا ۱۲)

تشریح

قوله: الحمی من فور جهنم، فابردوها عنکم بالماء (ص ۲۲۶ سطر ۱۲)

بخار کا علاج

فرمایا کہ بخار جہنم کی تیزی سے ہے، یا حرارت سے ہے، **الحمّٰی من فیح جهنم** کے دو معنیٰ ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ بخار کی گرمی جہنم سے ہوتی ہے، لیکن اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس میں تشبیہ مراد ہے کہ جیسے جہنم کی آگ گرم ہے، اسی طرح بخار کی تپش اور آگ بھی گرم ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ جس طرح مسلمان کو جہنم کی آگ کی گرمی میں داخل کر کے گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے، اسی طرح دنیا میں بھی مسلمان کو بخار کی گرمی میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے، اس حدیثِ پاک میں حضور ﷺ نے بخار کا علاج فرمایا کہ بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرو، یہاں پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ پانی سے بخار دور کرنا یہ ہر بخار کا علاج نہیں ہے، یہ حجاز کے ایک خاص قسم کے بخار کا علاج ہے جو بہت شدید ہوتا ہے اور اس میں نہانا، یا ٹھنڈا پانی پیروں پر ڈالنا یا برف کی پٹی پیشانی یا ہاتھ پیروں پر رکھنا نافع ہوتا ہے، اس سے بخار اترتا ہے، اگر ہمارے یہاں کسی کو بخار ہو اور وہ اس علاج پر عمل کرنا چاہتا ہے تو پہلے کسی طبیب سے مشورہ کرے، اگر وہ بخار دیکھ کر کہے کہ یہ طریقہ مفید ہے تو کر لے، ورنہ نہ کرے۔ (۱)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۳۸۔

باب کراهة التداوی باللدود

(منہ کے گوشہ سے دوائی ڈالنے کی کراہت)

حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :لَدَدْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ، فَأَشَارَ أَنْ لَا تَلُدُّونِي، فَقُلْنَا :كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ :لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِنْكُمْ إِلَّا لُدَّ، غَيْرُ الْعَبَّاسِ، فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ. (ص ۲۲۷ سطر ۱ تا ۲)

تشریح

لدود کے ذریعہ علاج

لدود اس دوا کو کہتے ہیں کو مریض کے منہ کے دائیں یا بائیں جانب سے مریض کے منہ میں ڈالی جائے، جب آپ ﷺ کی طبیعت مبارک ناساز ہوئی تو ازواجِ مطہرات نے مشورہ کیا کہ آپ ﷺ کو لدود دینا چاہئے، جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا، آپ ﷺ نے اس کو ناجائز ہونے کی وجہ سے منع نہیں فرمایا، بلکہ اس وجہ سے منع فرمایا کہ اس مرض میں اس کی ضرورت نہیں ہے[1]، لیکن اس کے باوجود جب حضور ﷺ بے ہوش ہوئے تو انہوں نے لدود کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس جس نے لدود کیا، اُن سب کو لدود ڈالا جائے، سوائے حضرت عباسؓ کے، اس لئے وہ اس میں شریک نہ تھے۔

باب التداوی بالعود الهندی وهو الكست

(عودِ ھندی کے ذریعہ علاج کرنا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ، أُخْتِ عُكَّاشَةَ بْنِ مِحْصَنٍ قَالَتْ :دَخَلْتُ بِابْنٍ لِي عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ، فَبَالَ عَلَيْهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَرَشَّهُ قَالَتْ : وَدَخَلْتُ عَلَيْهِ بِابْنٍ لِي، قَدْ أَعْلَقْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْعُذْرَةِ، فَقَالَ " :عَلَامَ تَدْغَرْنَ أَوْلَادَكُنَّ بِهَذَا الْعِلَاقِ؟ عَلَيْكُنَّ بِهَذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ، فَإِنَّ فِيهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ،

---

(۱) تکملہ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۴۸۔

مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ، يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ. (ص۲۲۷ سطر۲ تا۶)

تشریح

قوله : العذرة (ص۲۲۷ سطر۵)

عودِ ھندی سے علاج

عذرۃ ایک بیماری ہے جس میں حلق کے اندر ورم آجاتا ہے، اور ورم کی وجہ سے حلق میں درد ہوتا ہے، اردو میں اس کو ''کوا گرنا'' کہتے ہیں، عرب میں اس کا بڑا دردناک علاج تھا کہ عورتیں حلق میں ہاتھ ڈال کر زبردستی اس کو دبا دیتی تھیں اور دبا کر اس میں سے خون نکالتی تھیں، اور اس سے مریض اگرچہ ٹھیک ہوجاتا تھا لیکن تکلیف اس میں بہت زیادہ ہوتی تھی، اس لئے اس کی بجائے آپ ﷺ نے عود ہندی سے علاج تجویز فرمایا۔

عودِ ہندی کی دو قسمیں ہیں، عودِ ہندی عطری، جو خوشبودار ہوتی ہے، اور وہ بطور بخور کے استعمال ہوتی ہے، وہ مراد نہیں ہے، دوسری قسم ہے عودِ ہندی غیر عطری، وہ دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے، آپ ﷺ نے سات بیماریوں میں اس کو مفید قرار دیا، ایک ذات الجنب کی بیماری میں، ذات الجنب کی بیماری میں انسان کے پہلو میں سینے کی جانب درد ہوتا ہے، کبھی صرف درد ہوتا ہے، اور بعض صورتوں میں درد کے ساتھ ورم آجاتا ہے، لہٰذا دوا ذات الجنب میں نافع ہوتا ہے۔

باب التداوی بالحبة السوداء

(کلونجی کے ذریعہ علاج کرنا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ دَاءٍ، إِلَّا فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ مِنْهُ شِفَاءٌ إِلَّا السَّامَ. (ص۲۲۷ سطر۱۶ تا ۱۷)

تشریح

کلونجی سے علاج

اس باب کی احادیث میں آپ ﷺ نے کلونجی کے فوائد بیان فرمائے ہیں، کلونجی کالے رنگ کا دانہ ہوتا ہے، اکثر اچار وغیرہ میں ڈالا جاتا ہے، اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفاء ہے۔

باب التلبينة مجمة لفؤاد المريض

(دودھ اور شہد کے حریرہ کا مریض کے دل کے لئے مفید ہونا)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِکِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا فَاجْتَمَعَ لِذَلِکَ النِّسَاءُ، ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتَهَا أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِينَةٍ فَطُبِخَتْ، ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيدٌ، فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ :كُلْنَ مِنْهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيضِ، تُذْهِبُ بَعْضَ الْحُزْنِ. (ص۲۲۷ سطر۱۷ تا ۲۰)

تشریح

تلبینہ مقوی غذا ہے

تلبينة کو اردو میں حریرہ کہتے ہیں، یہ ایک لطیف اور مقوی غذا ہوتی ہے، جو دودھ، آٹے اور شہد سے بنتی ہے، یہ مفرح ہے، طبیعت میں فرحت و تازگی پیدا کرتا ہے۔

باب التداوی بسقی العسل

(شہد پلا کر علاج کرنا)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ (الى قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :إِنَّ أَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ :إِنِّي سَقَيْتُهُ عَسَلًا فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا، فَقَالَ لَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ جَاءَ الرَّابِعَةَ فَقَالَ :اسْقِهِ عَسَلًا فَقَالَ :لَقَدْ سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَدَقَ اللهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيکَ فَسَقَاهُ فَبَرَأَ. (ص۲۲۷ سطر۲۰ تا ۲۳)

تشریح

بذریعہ شہد علاج

شہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا "فیه شفاء للناس"[1] ایک آدمی کے بھائی کا پیٹ خراب تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ شہد پلاؤ، تین مرتبہ اس نے پلایا لیکن افاقہ نہیں ہوا، چوتھی مرتبہ اس نے آکر پھر عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہد پلاؤ، اس نے کہا کہ شہد پلانے کے بعد بھی افاقہ نہیں ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے موجب شفاء ہونے کو بیان فرمایا ہے جو بالکل بہ حق اور سچ بات ہے، تمہارے بھائی کا پیٹ ہی صحیح نہیں ہے، لہٰذا اس کو ابھی اور شہد پلانے کی ضرورت ہے، تا کہ فاسد مادہ نکل جائے، چنانچہ چوتھی مرتبہ شہد پلانے پر وہ تندرست ہوگیا۔

بلاشبہ شہد کے اندر شفاء ہے اور پیٹ چلنے کی بیماری میں بھی اس سے علاج کیا جانا چاہئے، لیکن پہلے کسی طبیب حاذق سے مشورہ ضروری ہے، کیونکہ ہر پیٹ کی بیماری میں شہد کا پینا مفید نہیں ہے۔

باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها

(یہ باب طاعون، بدفالی اور کہانت وغیرہ کے بیان میں ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ :قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَأَبِي النَّضْرِ، (الى قوله) فَقَالَ أُسَامَةُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الطَّاعُونُ رِجْزٌ أَوْ عَذَابٌ أُرْسِلَ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَوْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ، فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ وَقَالَ أَبُو النَّضْرِ :لَا يُخْرِجُكُمْ إِلَّا فِرَارٌ مِنْهُ.

(ص ۲۲۸ سطر ۱ تا ۳)

تشریح

طاعون اور بدفالی

طاعون ایک وبائی بیماری کا نام ہے جس میں بیک وقت ہزاروں آدمی مرجاتے ہیں، اور یہ بیماری ایک پھوڑے کی شکل میں کان کے پیچھے یا بغل میں یا ناک کے قریب ظاہر ہوتی ہے، اس کے

(۱) سورۃ النحل :۶۹۔

بارے میں حدیث میں ہے کہ یہ ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا، رجس کے معنیٰ اگرچہ ناپاک کے ہیں لیکن یہاں رجس کو عذاب کہا گیا ہے، بنی اسرائیل پر یہ بطور عذاب آیا تھا، اور حدیث میں غالباً بلعم باعور کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، بلعم باعور ایک نیک آدمی تھا، جو مستجاب الدعوات تھا، جب اس کی قوم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لشکر کے ساتھ چڑھائی کی تو بلعم باعور کی قوم کے لوگ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ تم موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کے خلاف بددعا کرو، پہلے اس نے منع کیا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، اگر میں ان کے خلاف بددعا کروں گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا، دوبارہ انہوں نے بہت سے ہدایا اور تحائف اس کی خدمت میں پیش کئے اور اس کو منایا اور اس پر زور دیا، اس نے کہا کہ میں استخارہ کروں گا، اگر مجھے اجازت ملی تو بددعا کروں گا ورنہ نہیں، چنانچہ اس نے کہا کہ مجھے استخارہ میں اجازت نہیں ملی، تو قوم نے پھر زور دیا، اس نے پھر استخارہ کیا، استخارہ میں نہ اثبات ہوا اور نہ نفی ہوئی، تو دنیا کی محبت اس کے دل میں اتر گئی، تو اس نے کہا کہ اب کی بار نہ مجھے منع کیا گیا اور نہ ہی اجازت دی گئی، لہٰذا میرے لئے گنجائش ہے، پھر اس نے (العیاذ باللہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے امتیوں کے خلاف جو اس وقت فوج میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے، بددعا کی، تو اس کی زبان کتے کی طرح منہ سے باہر لٹک گئی، اور یہ مردود ہو گیا۔

جب یہ مردود ہو گیا تو اس نے کہا کہ میری دین و دنیا دونوں تباہ ہو گئیں، اب میں تم کو ایک ایسا نسخہ بتاتا ہوں جو بہت ہی کارآمد ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم اپنی تمام عورتوں کو آراستہ پیراستہ کر کے موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں بھیج دو، اور عورتوں سے کہہ دو کہ اگر کوئی فوجی تم کو ہاتھ لگائے یا تم سے منہ کالا کرے تو کرنے دینا، چنانچہ یہ عورتیں موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں گئیں، فوج میں ایک سردار تھا، اس نے ایک بادشاہ کی بیٹی کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا، اور اس کو اپنے خیمہ میں بلایا اور اس سے منہ کالا کیا، اس وقت طاعون کا حملہ ہوا اور ایک ہی دن میں ستر ہزار بنی اسرائیلی ہلاک ہو گئے، حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان میں ایک آدمی کو جب پتہ چلا کہ فلاں سردار نے یہ بدکاری کی ہے تو وہ نیزہ لیکر آیا اور اس سے اس نے اس سردار کا اور اس عورت کا کام تمام کر دیا۔[1]

اس کے علاوہ بھی بنی اسرائیل پر مختلف اوقات میں طاعون کی وباء آئی ہے، گذشتہ قوموں پر یہ عذاب تھا جبکہ حضور ﷺ کی امت پر یہ موجبِ رحمت ہے، اس لئے طاعون سے مرنے والا شہید ہوتا ہے۔

قوله: فإذا سمعتم به بأرض، فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها،

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۳۵۹، اس عورت کا نام "کستبا" مرد کا نام "زمری" اور ان کو قتل کرنے والے کا نام "فنحاص بن هارون" تھا۔

فلا تخرجوا فرارا منه وقال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرار منه (ص ۲۲۸ سطر ۳)

طاعون زدہ علاقہ میں جانے کا حکم

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی جگہ کے بارے میں سنو کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں مت جاؤ، اور اگر تم کسی زمین میں ہو اور وہاں پر طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو، شارحین فرماتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ تا کہ عقیدہ خراب نہ ہو، جو اندر گیا اور اس کو طاعون ہو گیا تو وہ کہے گا کہ میں اگر اندر نہ جاتا تو مجھے طاعون نہ ہوتا، ایسے ہی اگر کوئی طاعون زدہ علاقے میں ہو اور پھر وہاں سے نکل بھاگے اور اس کی قسمت میں طاعون سے ہلاک ہونا نہ ہو تو وہ کہے گا کہ میں اگر وہیں رہتا تو میں بھی مر جاتا، میں نکل آیا اس وجہ سے میں بچ گیا۔ (۱)

اسی وجہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی علاقے میں طاعون پھیل جائے تو تمہیں اس سے احتیاط کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن دو باتوں سے بچو، ایک یہ کہ تم یہ نہ کہو کہ میں باہر چلا گیا تھا، اس لئے میں بھی بچ گیا، اور اندر والا یہ نہ کہے کہ میں اندر رہا تو میں مر گیا، نکل جاتا تو بچ جاتا۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے اس میں کچھ تفصیل (۲) بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ طاعون زدہ علاقے سے نکلنے میں تین صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ آدمی طاعون کی وجہ سے بستی چھوڑ نکلے، یہ ناجائز اور ممنوع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کا پہلے ہی سے سفر کا ارادہ تھا کہ اسی دوران طاعون آ گیا، اس صورت میں نکلنا جائز ہے، کیونکہ یہ طاعون کی وجہ سے نکلنا نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ طاعون کے آنے کے بعد کسی آدمی کو کسی ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی ضرورت پیش آئے، جیسے علاج کے لئے نکلنا پڑے، یا کاروبار کے لئے نکلنا پڑے یا کسی سے ملاقات کی ضرورت پیش آ جائے، اور ساتھ ہی اس نے سوچا کہ طاعون بھی آیا ہوا، اچھا ہے اس سے بھی دور ہو جاؤں گا، اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ نکل سکتا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں نکل سکتا۔ (۳)

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۲۸، وتکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۳۶۱۔

(۲) فتح الباری کتاب الطب باب ما یذکر فی الطاعون ج ۱۰ ص ۲۵۲۔

(۳) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۳۶۱ تا ۳۶۲۔

قوله: لايخرجكم الا فرار منه.(ص ۲۲۸ سطر ۳)

ابونظر جواس حدیث کے راوی ہیں وہ بطور تشریح کے فرماتے ہیں کہ نہ نکالے تم کو مگر اس سے بھاگنا، بعض نسخوں میں فرارٌ ہے اور بعض میں فراراً ہے، یہ قواعدِ عربیہ اور معنیٰ کے اعتبار سے درست نہیں ہے، کیونکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ نہ نکالے تم کو اس بستی سے مگر طاعون سے بھاگنا، یعنی طاعون سے بھاگنا ہو تو نکل جاؤ، اور کسی وجہ سے مت نکلو، یہ تو قلبِ موضوع ہوگیا، یعنی اس سے طاعون سے ڈر کر نکل بھاگنے کی اجازت ثابت ہورہی ہے، اسلئے شارحین نے فرمایا کہ یہاں لا غلط ہے، اصل میں تھا: **يخرجكم الا فرار منه۔**[1]

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، خَرَجَ إِلَى الشَّامِ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِسَرْغَ لَقِيَهُ أَهْلُ الْأَجْنَادِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَأَصْحَابُهُ، فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ عُمَرُ :ادْعُ لِي الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ فَدَعَوْتُهُمْ، فَاسْتَشَارَهُمْ، وَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ، فَاخْتَلَفُوا فَقَالَ بَعْضُهُمْ: قَدْ خَرَجْتَ لِأَمْرٍ وَلَا نَرَى أَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَأَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَرَى أَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلَى هَذَا الْوَبَاءِ فَقَالَ :ارْتَفِعُوا عَنِّي، ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِي الْأَنْصَارِ فَدَعَوْتُهُمْ لَهُ، فَاسْتَشَارَهُمْ، فَسَلَكُوا سَبِيلَ الْمُهَاجِرِينَ، وَاخْتَلَفُوا كَاخْتِلَافِهِمْ، فَقَالَ: ارْتَفِعُوا عَنِّي، ثُمَّ قَالَ :ادْعُ لِي مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ، فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ، فَقَالُوا :نَرَى أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمَهُمْ عَلَى هَذَا الْوَبَاءِ، فَنَادَى عُمَرُ فِي النَّاسِ :إِنِّي مُصْبِحٌ عَلَى ظَهْرٍ، فَأَصْبِحُوا عَلَيْهِ، فَقَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ :أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللهِ؟ فَقَالَ عُمَرُ :لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا أَبَا عُبَيْدَةَ -وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُ خِلَافَهُ- نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ إِلَى قَدَرِ اللهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَتْ لَكَ إِبِلٌ فَهَبَطَتْ

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۲۹، وتکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۶۰ تا ۳۶۵۔

وَادِيًا لَهُ عُدْوَتَانِ، إِحْدَاهُمَا خَصْبَةٌ وَالْأُخْرَى جَدْبَةٌ أَلَيْسَ إِنْ رَعَيْتَ الْخَصْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ، وَإِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ، قَالَ: فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، وَكَانَ مُتَغَيِّبًا فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ، فَقَالَ :إِنَّ عِنْدِي مِنْ هٰذَا عِلْمًا، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ، فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ قَالَ :فَحَمِدَ اللهَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ انْصَرَفَ.

(ص ۲۲۹ سطر ۱ تا ۱۰)

تشریح

حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے، وہاں مقام سرغ پر تشریف لے گئے، یہ مقام یرموک اور جابیہ کے قریب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تبوک کے قریب ایک وادی کا نام ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے معنٰی ہیں ملک شام کی ایک بستی [1]۔ ملک شام کا شروع اور حجاز کا آخر، ان دونوں کے قریب ایک بستی ہے، حضرت عمرؓ اپنے لشکر کیساتھ وہاں پہنچے، تو وہاں حضرت ابوعبیدۃ بن الجراحؓ نے آکر حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ حضرت! ملک شام میں وباء یعنی طاعون پھیلا ہوا ہے، تو حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا، اور سب سے پہلے مہاجرین سے مشورہ کیا، ان کی رائے میں اختلاف تھا، بعض نے کہا کہ جانا چاہئے، اور بعض نے کہا کہ نہیں جانا چاہئے، پھر آپؓ نے انصار کو بلایا اور ان سے مشورہ لیا تو ان میں بھی اسی طرح کا اختلاف تھا، پھر آپؓ نے مشائخ قریش یعنی جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی، ان کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا کہ جانا مناسب نہیں، اس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا "افرارًا من قدر الله؟" کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنا ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کاش! تمہاری جگہ کوئی اور یہ بات کہتا! یعنی تم تو عالم، فاضل آدمی ہو، شارحین فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو ان کا اختلاف اچھا نہ لگا، کیونکہ وہ ذی علم آدمی تھے۔ لیکن اس وقت حضور ﷺ کی حدیث حضرت ابوعبیدہؓ کے علم میں نہ تھی، پھر حضرت عبدالرحمٰن (سلیمان) بن عوف تشریف لائے اور کہا کہ میں نے حضور ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے جو یہ ہے کہ (فإذا سمعتم به بأرض، فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها، فلا تخرجوا فرارا منه وقال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرار منه) تو فحمد الله عمر بن

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۶۵۔

الخطاب اور پھر واپس تشریف لے گئے۔ (۱)

باب لا عدوی، ولا طیرۃ، ولا هامة... الخ

(ہر بیماری دوسروں کو نہ لگنا، اور بدفالی، اور الو کے آنے سے ویرانی کے نہ ہونے کے بیان میں)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، (الی قوله) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ.

(ص ۲۳۰ سطر ۳،۴)

تشریح

قوله: لا عدوی (۲۳۰ سطر ۴)

بیماری لگنا اور بدفالی بے حقیقت ہے

عدوی، ایک سے دوسرے کو لگنے والی بیماری کو کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے **لا عدوی** فرما کر اس بات کی نفی فرما دی کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی، لیکن دوسری احادیث میں اس کے خلاف ہے، جیسے "**فرمن المجذوم کما تفرمن الاسد**" اور "**ولا یورد....**" کوئی صحت مند آدمی کسی بیمار کے پاس نہ جائے۔ اس تعارض کو دور کرنے کے لئے شارحین کے بہت سے اقوال ہیں، جن کو حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ہے، اکثر شراح نے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے جو وجہ ذکر فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ **لا عدوی** سے مراد یہ ہے کہ کوئی بیماری بالذات دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتی، اور مجذوم سے بھاگنے کا حکم اور اسی طرح صحت مند آدمی کو مریض کے پاس جانے سے روکنے کا حکم احتیاطاً ہے۔

لیکن اصل وجہ وہ ہے جو حافظ ابنِ حجرؒ نے بیان فرمائی ہے کہ دراصل "**لاعدوی**" میں زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے ایک عقیدے کی نفی مقصود ہے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بیماری بالذات دوسرے کو لگ جاتی ہے، تو اس عقیدے کی نفی کے لئے "**لاعدوی**" فرمایا۔ (۲)

اور مجذوم کے پاس جانے سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ بعض بیماریاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریض کے پاس جانے، اس کے پاس بیٹھنے اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے لگ سکتی ہیں

---

(۱) حضرت عمرؓ نے اپنے واپسی کے ارادے کو حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارک کے موافق پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (تکملة فتح الملهم ۴/۳۶۸)

(۲) فتح الباری کتاب الطب باب لاهامة، ج ۱۰ ص ۳۰۹۔

تو اس سے احتیاطاً منع فرمایا۔[۱]

قولہ : طیرۃ (ص ۲۳۰ سطر ۴) طیرۃ اس کے معنٰی ہیں بدفالی، اہل عرب پرندوں کے ذریعے بدفالی لینے کے عادی تھے، جب سفر کے لئے نکلتے تو اس کے کامیاب یا ناکام ہونے کے لئے یا کسی اہم کام کے لئے نکلتے تو اس وقت کامیابی یا ناکامی کا اندازہ کرنے کے لئے گھر سے نکل کر ایک پرندے کو اڑاتے، اگر وہ دائیں طرف اڑ جاتا تو سمجھتے کہ سفر کامیاب ہوگا اور اگر وہ بائیں طرف اڑ جاتا تو سمجھتے کہ سفر ناکام ہوگا، اسی طرح بعض مرتبہ کسی جانور کو دوڑاتے، تو اس کے دائیں یا بائیں طرف جانے سے مذکورہ فال لیتے۔[۲]

قولہ : ھامۃ (ص ۲۳۰ سطر ۴) ھامۃ اُلّو کو کہتے ہیں، زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر اُلّو کسی کے گھر پر آ کر بیٹھ جائے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے، یعنی گھر والے مر جاتے ہیں اور سب مال و متاع ختم ہو جاتا ہے۔[۳]

بعض حضرات نے کہا کہ ہامہ ایک کیڑا ہوتا ہے، جب کوئی شخص کسی دوسرے کو ناحق قتل کر دیتا ہے، تو مقتول کے سر سے ایک کیڑا نکلتا ہے جو اس کی قبر کے اِردگرد گھومتا رہتا ہے اور اسقونی، اسقونی کہتا رہتا ہے کہ مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ، یعنی میرے خون کا بدلہ لو، اگر اس کے خون کا بدلہ لے لیا جائے تو غائب ہو جاتا ہے، ورنہ اسی طرح چکر کاٹتا رہتا ہے۔[۴]

قولہ : صفر (۲۳۰ سطر ۴) اس کے ایک معنٰی تو ماہِ صفر کے ہیں، اہلِ عرب چار مہینوں کو محترم مانتے تھے کہ ان میں لڑائی حرام سمجھتے تھے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، کبھی کبھی محرم کے اندر صفر کو داخل کر لیتے تھے، اور کبھی لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو صفر کو محرم سے الگ کر لیتے تھے، اس کی نفی آپ ﷺ نے **لا صفر** کہہ کر فرمائی۔

دوسرے معنٰی ہیں کہ ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا، زمانۂ قدیم سے ہے اور ہمارے زمانہ میں بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس مہینے میں بڑی بڑی آفات اور بلیات نازل ہوتی ہیں، اس لئے اس ماہ میں صدقہ وخیرات کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اور صَفر کی شادی کو صِفر کہتے ہیں، ہمارے دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والے جہلاء میں اکثر یہ عقیدہ پایا جاتا ہے، آپ ﷺ نے **لا صفر** فرما کر اس عقیدے کی نفی

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج۴ص۳۷۰ تا ۳۷۲۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ج۴ص۳۷۳ تا ۳۷۴۔

(۳) شرح النووی ج۲ص۲۳۰

(۴) تکملۃ فتح الملہم ج۴ص۳۷۲ تا ۳۷۴

فرمادی۔

صفر کے ایک معنٰی یہ ہیں کہ یہ انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے، جب انسان کو بھوک لگتی ہے تو یہ انسان کو ڈستا ہے۔ (۱)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ (ص ۲۳۱ سطر ۳، ۴)

تشریح

قوله : ولا نوء، (ص ۲۳۱ سطر ۴) نوء اس ستارے کو کہتے ہیں جو گرنے والا ہو، یعنی غروب ہونے والا ہو، اہلِ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب چاند اپنی اٹھائیسویں منزل میں آتا ہے تو اگر وہاں ستارہ گر جائے یعنی غروب ہو جائے تو بارش برستی ہے اور وہ اس کو بارش برسنے میں بالذات مؤثر سمجھتے تھے۔ (۲)

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ هَاشِمِ بْنِ حَيَّانَ (الی قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا عَدْوَى، وَلَا غُولَ، وَلَا صَفَرَ. (ص ۲۳۱ سطر ۶، ۷)

تشریح

قوله: ولا غول، (ص ۲۳۱ سطر ۶) غول اس کے دو معنٰی ہیں، ایک یہ کہ جنات کی ایک مستقل قسم ایسی ہے جو صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ جنگلوں میں گھومے پھرے اور جو مسافر وہاں سے گزرے، ان کو بہکائیں اور بھٹکائیں، اور اس کو جان سے ماردیں، یہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا خیال تھا، اور وہ غول کو ایسی چیز سمجھتے تھے اور دوسرے معنٰی وہ مراد لیتے تھے "سرکش جنات" کے۔ آپ ﷺ نے لا غول فرما کر اس کی نفی فرمادی۔ (۳)

---

(۱) شرح النووی ج۲ص۲۳۰

(۲) تکملة فتح الملہم ج۴ص۳۷۶۔

(۳) تکملة فتح الملہم ج۴ص۳۷۶،۳۷۷

باب الطيرة و الفأل وما يكون فيه من الشؤم

(بدشگونی، نیک فال اور جن چیزوں میں نحوست ہے ان کے بیان میں)

حَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَأُحِبُّ الْفَأْلَ الصَّالِحَ.

(ص ۲۳۱ سطر ۱۶، ۱۷)

تشریح

نیک فال مستحب ہے

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نیک فال کو پسند کرتا ہوں، نیک فال یہ ہے کہ آدمی کسی کام کے لئے نکلے اور پھر کسی سے کوئی اچھی بات سن لے تو اس سے آدمی اپنے دل میں یہ گمان کرے کہ ان شاء اللہ میں اپنے کام میں کامیاب ہو جاؤں گا، جیسے کوئی لشکر لڑائی کے جا رہا ہو اور راستے میں اس کو کوئی شخص ملے، اس سے نام پوچھیں، وہ کہے کہ میرا نام فاتح ہے، تو اس سے اہلِ لشکر نیک شگون لے سکتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہمیں فتح نصیب ہوگی، نیک گمان کی بنیاد حسنِ ظن پر ہے اسلئے وہ جائز ہے اور بدفالی کی بنیاد بدگمانی پر ہے، اس لئے وہ ناجائز ہے۔[1]

حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَإِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ :الْمَرْأَةِ، وَالْفَرَسِ، وَالدَّارِ. (ص ۲۳۲ سطر ۲، ۳)

تشریح

قوله: وإنما الشؤم في ثلاثة: المرأة، والفرس، والدار (۲۳۲ سطر ۳)

عورت اور گھر میں نحوست

بعض حضرات نے اس کے ظاہری معنیٰ کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ تین چیزوں کے اندر نحوست ہو سکتی ہے، ایک عورت میں، دوسرے گھوڑے میں اور تیسرے گھر میں، لیکن جمہور نے فرمایا کہ اس کے ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہیں، اور یہاں حقیقی نحوست مراد نہیں ہے، بلکہ شؤم سے مراد ناموافق

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۷۸ تا ۳۷۹

ہونا ہے، مثلاً عورت میں شؤم یہ ہے کہ وہ ہم مزاج نہیں ہے، ایسے ہی گھوڑا حسب طبیعت نہیں ہے، ایسے گھر میں شؤم کا مطلب یہ ہے کہ وہ طبیعت کے موافق نہیں ہے۔ [1]

باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان

(یہ باب کہانت کے حرام ہونے اور کاہنوں کے پاس جانے کے بیان میں ہے)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الى قوله) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ أُمُورًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ، قَالَ :فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ :كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ :ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ، فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ. (ص ۲۳۲ سطر ۱۳ تا ۱۵)

تشریح

کھانت حرام ہے

کُہان، کاہن کی جمع ہے، کاہن کہتے ہیں غیب کی باتیں بتانے والے کو، اہلِ عرب غیب کی باتیں جاننے اور بیماریوں کا علاج کروانے کے لئے بکثرت کاہنوں اور جادوگروں کے پاس جایا کرتے تھے،

کاہنوں کی تین قسمیں

کاہن تین قسم پر ہیں:

ایک قسم وہ ہے کہ جن کی جنات سے دوستی ہوتی ہے اور جنات آسمانوں پر جاتے ہیں اور ملائکہ سے کچھ باتیں سن کر اپنی طرف سے سو میں ننانوے جھوٹ ملا کر وہ کاہنوں کو بتادیا کرتے تھے، اور کاہن اپنے پاس آنے والوں کو بتادیا کرتے تھے، لوگ ان پر اعتبار کر لیتے تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا، اب اگر کوئی جن آسمان کی طرف چڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو شہابِ ثاقب آکر اس کو لگتا ہے، اور اس کو مار بھگاتا ہے۔

کاہنوں کی دوسری قسم وہ تھی جو زمین پر ہونے والے واقعات جو نظروں سے اوجھل ہوں اور عام لوگوں کو معلوم نہ ہوں، وہ جنات کے ذریعے یا آثار و قرائن کے ذریعے معلوم کر کے لوگوں

(1) شرح النووی ج۲ ص۲۳۲

کو بتلایا کرتے تھے، یہ صورت آج بھی ہو سکتی ہے۔

کاہن کی تیسری قسم نجومی ہے، جو آج کل بکثرت موجود ہیں، نجومی، علمِ نجوم کے ذریعے بعض غیب کی باتیں لوگوں کو بتاتے ہیں۔

یہ تینوں قسمیں ناجائز اور حرام ہیں، اور ان کے پاس جانا اور ان سے غیب کی باتیں معلوم کرنا یا اپنی تقدیر کے بارے میں دریافت کرنا یا آئندہ ہونے والے واقعات کے بارے میں ان سے جاننا سب ناجائز اور حرام ہے۔

عرافت کا حکم

اور کہانت کی ایک قسم عرافت بھی ہے، اس فن کے جاننے والے کو عرّاف کہتے ہیں، [۱] اور عرّاف چوری کئے ہوئے مال کے بارے میں بتاتا ہے کہ کس نے چرایا اور چوری شدہ مال کہاں ہے؟ یا گمشدہ آدمی یا گمشدہ چیز کہاں ہے؟ جو حکم کاہن کا ہے وہی حکم عرّاف کا بھی ہے۔

ہمارے زمانہ میں عرافت کی ایک قسم حاضرات ہے، وہ یہ کہ عامل کسی بچے کے ناخن پر کالی روشنائی لگا دیتا ہے اور پھر وہ اپنا تصور اس بچے کے دماغ پر مرکوز کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس بچے کو کالی روشنائی کے اندر نجانے کیا کیا نظر آتا ہے، عموماً پہلے ایک میدان نظر آتا ہے، پھر بھنگی اس کی صفائی کرتا ہے پھر اس میں شاہی دربار لگایا جاتا ہے، شاہی تخت بچھایا جاتا ہے، بادشاہِ سلامت تشریف لاتے ہیں اور چور لایا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے جو سامان چوری کیا، وہ حاضر کرو اس طرح چور کا پتا چلایا جاتا ہے، اور پھر وہ عامل اس حاضرات کے عمل کے ذریعہ کسی متعین شخص کے بارے میں کہتا ہے کہ فلاں چور ہے، یہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے، شرعاً اس سے چوری ثابت نہیں ہوتی اور نہ کسی کو چور بتانے سے وہ چور بن جاتا ہے، کیونکہ یہ شرعی طریقۂ ثبوت نہیں ہے۔ اس کی بنیاد پر واقعۃً کسی کو چور سمجھنا جائز نہیں جب تک شرعی طریقہ سے چوری ثابت نہ ہو۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) وَزَادَ فِي حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ :قُلْتُ :وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّونَ قَالَ :كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ، فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ. (ص ۲۳۲ سطر ۱۸ تا ۲۰)

تشریح

قوله: ومنا رجال يخطون (ص ۲۳۲ سطر ۲۰)

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۳۲ و تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۳۸۴

علم جفر کا حکم

آپ ﷺ نے فرمایا کہ خط کھینچ کر غیب کی بات جاننا، یہ ایک علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا تھا، اور شارحین نے ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے نام شمار کرائے ہیں جن کو اللہ پاک نے یہ فن عطا فرمایا تھا جیسے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت لقمان علیہ السلام، اور حضرت شعیا علیہ السلام، حضرت ارمیا علیہ السلام، اور حضرت دانیال علیہ السلام، یہ حضرات کچھ خطوط واشکال بناتے تھے، اس سے کچھ نتیجہ نکالتے تھے، وہ نتیجہ بالکل حتمی، قطعی اور یقینی ہوتا تھا، یہ علم ان کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوگیا، اب لوگ اندازے سے یہ کام کرتے ہیں، اور اس میں کوئی قطعیت یا یقینی صورتحال نہیں، لہٰذا اس پر یقین کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ (۱)

كتاب قتل الحيات وغيرها

سانپوں وغیرہ کو مارنے کے بارے میں

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ ذِي الطُّفْيَتَيْنِ، فَإِنَّهُ يَلْتَمِسُ الْبَصَرَ وَيُصِيبُ الْحَبَلَ. (ص ۲۳۴ سطر ۱، ۲)

تشریح

قوله: ذی الطفیتین (ص ۲۳۴ سطر ۲)

سانپوں کو مارنے کا حکم

الطفیتین، طفیة کا تثنیہ ہے، **طفیة** ایک سانپ ہوتا ہے، جس کی کمر پر دو سفید دھاریاں ہوتی ہیں، جو اس کے انتہائی زہریلا ہونے کی علامت ہیں، حدیث میں اس سانپ کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر کوئی اس سانپ سے نظر ملالے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی حاملہ عورت اس کو دیکھ لے تو حمل گر جاتا ہے۔ (۲)

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ، (الى قوله) عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْأَبْتَرَ، فَإِنَّهُمَا

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص۳۸۵

(۲) شرح النووی ج۲ ص۲۳۴

يَسْتَسْقِطَانِ الْحَبَلَ وَيَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ. (الی قوله) فقال انه قد نهی عن ذوات البيوت (ص ۲۳۴ سطر ۳ تا ۵)

تشریح

قوله: الابتر (ص ۲۳۴ سطر ۴) ابتر وہ سانپ جس کی دُم نہ ہو[1]، **ذوات البیوت** سے مراد وہ سانپ ہیں جو گھروں کے اندر رہتے ہیں، انہی کو عوامر بھی کہتے ہیں، بعض ان میں چاندی کی طرح سفید ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو مارنے کا حکم فرمایا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ مارنے سے پہلے آپ ﷺ نے ان کو خبردار کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ بعض مرتبہ وہ جنات ہوتے ہیں، اور جنات کو مارنے سے ان کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہوتا ہے، خبردار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تین مرتبہ یوں کہے کہ دیکھو! تم نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ساتھ عہد کیا تھا کہ تم ظاہر نہیں ہوگے اور انسانوں کو تکلیف نہیں دو گے، تو اپنے عہد کی پاسداری کرو اور ظاہر مت ہو، غائب ہو جاؤ، ورنہ ہم تم کو مار دیں گے، تین دفعہ خبردار کرنے کے بعد بھی اگر وہ نظر آئیں تو مار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، غائب ہو جائے تو سمجھ لو وہ جن تھا۔[2]

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الی قوله) أَخْبَرَنِي أَبُو السَّائِبِ، مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فِي بَيْتِهِ، قَالَ :فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي، فَجَلَسْتُ أَنْتَظِرُهُ حَتَّى يَقْضِيَ صَلَاتَهُ، فَسَمِعْتُ تَحْرِيكًا فِي عَرَاجِينَ فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا حَيَّةٌ فَوَثَبْتُ لِأَقْتُلَهَا، فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنِ اجْلِسْ فَجَلَسْتُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَشَارَ إِلَى بَيْتٍ فِي الدَّارِ، فَقَالَ :أَتَرَى هَذَا الْبَيْتَ؟ فَقُلْتُ :نَعَمْ، قَالَ :كَانَ فِيهِ فَتًى مِنَّا حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، قَالَ :فَخَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْخَنْدَقِ فَكَانَ ذَلِكَ الْفَتَى يَسْتَأْذِنُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْصَافِ النَّهَارِ فَيَرْجِعُ إِلَى أَهْلِهِ، فَاسْتَأْذَنَهُ يَوْمًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ، فَإِنِّي أَخْشَى عَلَيْكَ قُرَيْظَةَ، فَأَخَذَ الرَّجُلُ

(۱) یا جس کی دم چھوٹی ہو، شرح النووی ج ۲ ص ۲۳۴

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۳۴

سِلَاحَهُ، ثُمَّ رَجَعَ فَإِذَا امْرَأَتُهُ بَيْنَ الْبَابَيْنِ قَائِمَةً فَأَهْوَى إِلَيْهَا الرُّمْحَ لِيَطْعُنَهَا بِهِ وَأَصَابَتْهُ غَيْرَةٌ، فَقَالَتْ لَهُ :اكْفُفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَادْخُلِ الْبَيْتَ حَتَّى تَنْظُرَ مَا الَّذِي أَخْرَجَنِي، فَدَخَلَ فَإِذَا بِحَيَّةٍ عَظِيمَةٍ مُنْطَوِيَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَأَهْوَى إِلَيْهَا بِالرُّمْحِ فَانْتَظَمَهَا بِهِ، ثُمَّ خَرَجَ فَرَكَزَهُ فِي الدَّارِ فَاضْطَرَبَتْ عَلَيْهِ، فَمَا يُدْرَى أَيُّهُمَا كَانَ أَسْرَعَ مَوْتًا الْحَيَّةُ أَمِ الْفَتَى، قَالَ :فَجِئْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ وَقُلْنَا ادْعُ اللهَ يُحْيِيهِ لَنَا فَقَالَ :اسْتَغْفِرُوا لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ قَالَ :إِنَّ بِالْمَدِينَةِ جِنًّا قَدْ أَسْلَمُوا، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا، فَآذِنُوهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ، فَاقْتُلُوهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ. (ص ۲۳۵ سطر ۱۲ تا ۲۱)

تشریح

قوله: فما يدرى أيهما كان أسرع موتا الحية أم الفتى (۲۳۵ سطر ۱۹)

سانپ مارنے کا عجیب واقعہ

نوجوان کے اس واقعے میں ہے کہ جب وہ گھر میں داخل ہوا اور سانپ کو دیکھا تو اس کو اپنے نیزے میں اٹھالیا، اور ماردیا، وہ اصل میں جن تھا، چنانچہ اس نے انتقام میں اس نوجوان کو ماردیا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم گھر میں سانپ دیکھو تو تین دن تک (مراد ہے تین مرتبہ) اعلان کرو، یعنی خبردار کرو اور اس کو حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا عہد یاد دلاؤ۔

كتاب الشعر

باب تحريم اللعب بالنرد شير

(نردشیر کھیل کی حرمت کا بیان)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الى قوله) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَشِيرِ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهِ (ص ۲۴۰ سطر ۷ تا ۹)

تشریح

قولہ : فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهِ (ص ۲۴۰ سطر ۹)

نردشیر کھیل کا حکم

یہ ایک عجمی کھیل ہے جیسے شطرنج ایک عجمی کھیل ہے اور اس کے ناجائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے جیسا کہ حدیثِ بالا سے واضح ہے، اور نردشیر پر قیاس کرتے ہوئے جمہور علماء نے شطرنج کو بھی ناجائز قرار دیا ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس میں قمار نہ ہو، انہماک نہ ہو، کسی واجب میں خلل نہ آئے ورنہ بالاجماع حرام ہے۔ (۱)

عام کھیلوں کا حکم

یہاں ہمارے زمانہ کے عام کھیلوں کا حکم جاننے کی ضرورت ہے ان کے حکم کے بارے میں سیدی وسندی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو ان کی کتاب احکام القرآن کا جزء ہے اس کا جامع خلاصہ درج ذیل ہے:

واضح رہے شریعتِ اسلامیہ نے انسانی فطرت کے جائز تقاضوں سے منع نہیں کیا ہے بلکہ ان کی اجازت دی ہے، ہاں ان میں غلو اور انہماک سے منع کیا ہے جس سے دینی اور معاشی نقصان ہو مثلاً ورزش کرنے اور وقتاً فوقتاً تفریح کرنے اور دل بھلانے کی اجازت ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **روّحوا قلوبكم ساعة فساعة** (رواه ابو داؤد فی مراسیله) اور نیز نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے **الهوا ولعبوا فاني اكره ان ارى في دينكم غلظة** (رواه البيهقي) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے **ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: هل كان معكم من لهو فان الانصار يحبون اللهو**، اور حضور ﷺ کا اپنے اقوال وافعال میں مزاح فرمانا بھی اس کی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جائز مقصد اور صحیح نیت سے دل کو راحت دینا، تفریح کرنا، جائز کھیل کھیلنا جائز ہے شریعت نے اس سے منع نہیں کیا۔ لیکن اس میں غلو اور ایسے انہماک سے جو دنیا اور آخرت میں نقصان دہ ہو منع کیا ہے، اس سلسلے میں حضرات فقہاءِ حنفیہؒ نے کھیلوں کا جو حکم بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے:

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۴۳۳۔

جس کھیل کا کوئی صحیح مقصد نہ ہو دین اور دنیا کے لحاظ سے مفید نہ ہو وہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے اس پر اُمت کا اجماع ہے اور ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے اور جس کھیل میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ ہو تو اگر اس میں کتاب وسنت کی طرف سے کوئی ممانعت آئی ہو جیسے نرد شیر تو وہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے۔ اس صورت میں اس میں جو مصلحت اور فائدہ ہے وہ ممانعت کی وجہ سے قابل توجہ نہیں کیونکہ اس میں فائدے سے زیادہ نقصان ہے اور جس کھیل میں شریعت کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہے اور اس میں کوئی فائدہ ہے تو فقہی اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) ... تجربے سے اس میں نقصان اس کے نفع سے بڑھ کر ہو اور مفاسد اور خرابیاں اس کے فوائد پر غالب ہوں، اور جو شخص اس میں مشغول ہو وہ کھیل اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، نماز با جماعت ادا کرنے سے اور مساجد میں حاضری سے غافل کرتا ہے تو وہ بھی حرام یا مکروہ ہوگا (مثلاً آج کل کے بین الاقوامی کھیل کہ اکثر ان میں طرح طرح کے مفاسد عام طور پر پائے جاتے ہیں ان مفاسد کے ساتھ ان کا یہی حکم ہے)

(۲) ... جو کھیل ایسے نہیں ہیں تو اگر کوئی شخص انہیں محض کھیلنے کی غرض سے کھیلے تو یہ مکروہ ہے اور اگر اس لئے کھیلتا ہے تاکہ صحت اچھی ہو یا کوئی اور جائز مقصد پیش نظر ہو تو وہ جائز بلکہ کسی حد تک مستحب ہے۔[1]

کتاب الرؤیا

(خواب کے بیان میں)

باب قول النبی ﷺ من رآنی فی المنام...

(آپ ﷺ کے قول جس نے مجھے خواب میں دیکھا......کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي. (ص ۲۴۲ سطر ۱۱، ۱۲)

---

(۱) ماخذ تکملۃ فتح الملہم ج۴ ص۴۳۲ تا ۴۳۴۔

تشریح

قولہ : من رأنی فی المنام فقد رأنی (ص ۲۴۲ سطر ۱۲)

خوابوں کے احکام اور قسمیں

اس حدیث میں تین باتیں سمجھنے کی ہیں:

(۱)....اس حدیث میں حضور کے دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟

(۲)....اگر حضور ﷺ خواب میں کوئی حکم دیں تو اس پر عمل کرنے کی کیا حیثیت ہے؟

(۳)....خواب میں حضور ﷺ کو دیکھنے سے دیکھنے والے کو صحابیت کا رتبہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بارے میں علماء کی دو جماعتیں ہیں، علامہ ابن سیرین، امام بخاری، قاضی عیاض رحہم اللہ اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ جس شخص نے حضور ﷺ کو خواب میں اگر اس شکل وصورت میں دیکھا جو حقیقت میں آپ ﷺ کی تھی، جس کو حضراتِ محدثین نے شمائل کی کتب میں تحریر فرمایا ہے تو اُس نے حضور ﷺ کو ہی دیکھا اور شیطان اس صورت میں نہیں آسکتا۔

علماء کی دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ جس شخص نے خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور اس کے دل نے گواہی دی کہ یہ حضور ﷺ ہی ہیں تو اس نے خواب میں حضور ﷺ ہی کو دیکھا، خواہ اس نے حضور ﷺ کو کسی بھی صورت اور حلیہ میں دیکھا ہو۔

رہی یہ بات کہ اگر غیر معروف حلیہ میں دیکھا تو حضور کو اس نے کس طرح دیکھا؟ اس کے بارے میں ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ درحقیقت یہ دیکھنے والے کے اعمال کا عکس ہے، ورنہ اس نے حضور ﷺ کو ہی دیکھا ہے، اور ہمارے اکابرین نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کو خواب میں انگریزی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا، آپ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ دیکھنے والے کے اندر نصرانیت کا غلبہ ہے، ورنہ اس نے دیکھا تو حضور ﷺ کو ہی ہے، گویا کہ حضور علیہ السلام ایک آئینہ کی مثل ہیں اور دیکھنے والے کو اپنے اعمال کا عکس آپ کی ذات میں نظر آتا ہے۔

دوسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کا خواب میں کوئی حکم دینا کسی امر ونہی کو ثابت کرتا ہے یا نہیں؟

تو اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ خواب حجتِ شرعیہ نہیں ہے اور اس سے کسی بھی قسم کا امر یا نہی ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ اگر حضور ﷺ خواب میں کسی بھی شخص کو کوئی امر ونہی فرمائیں تو اس امر ونہی کو اُصولِ شرعیہ کے مطابق دیکھا جائے گا، اگر یہ اُصولِ شرعیہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ کہا جائے گا کہ دیکھنے والے کو خواب صحیح طرح سے یاد نہیں رہا یا اس کو کوئی وہم ہوا ہے۔

اور اگر یہ امر ونہی اصولِ شرعیہ سے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن و مستحب ہے۔

تیسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ ہے کہ خواب میں حضور ﷺ کو دیکھنے سے صحابیت کا شرف حاصل ہوگا یا نہیں؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے کہ صحابی ہونے کیلئے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بیداری کی حالت میں حضور ﷺ کو دنیاوی حیات کے ساتھ بحالتِ ایمان دیکھنا ضروری ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی وفات کے بعد اگر کوئی آپ ﷺ کو کشف کی حالت میں یا خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کرے تو وہ صحابی نہیں بنے گا۔ (۱)

حَدَّثَنِی أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ (الی قوله) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مَنْ رَآنِی فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِی فِی الْيَقَظَةِ، أَوْ لَكَأَنَّمَا رَآنِی فِی الْيَقَظَةِ، لَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِی. (ص ۲۴۲ سطر ۱۲ تا ۱۴)

تشریح

قوله : فسیرانی فی الیقظة (ص ۲۴۲ سطر ۱۴)

اس میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ بات آپ ﷺ کے زمانے کے مطابق ہے، یعنی جس نے آپ ﷺ کو ان کے زمانے میں خواب میں دیکھا تو وہ بیداری میں بھی دیکھے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی جو شخص آپ علیہ السلام کو دنیا میں خواب میں دیکھا گا وہ آپ ﷺ کو آخرت میں بھی دیکھے گا، لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ آخرت میں کسی کی تخصیص نہیں ہے وہاں تو سبھی دیکھیں گے، خواہ دنیا میں خواب میں دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ (۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص ۳۵۱ تا ۳۵۳ و عمدة القاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی ﷺ ۲/ ۵۸۷۔

(۲) تکملة فتح الملهم ج ۴ ص ۳۵۳ و شرح النووی ج ۲ ص ۲۴۳

باب فی تأویل الرؤیا
(خواب کی تعبیر کے بیان)

حدَّثنا حَاجِبُ بْنُ الْوَلِيدِ، (الی قوله) أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَرَى اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنطِفُ السَّمْنَ وَالْعَسَلَ، فَأَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُونَ مِنْهَا بِأَيْدِيهِمْ. فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ، وَأَرَى سَبَبًا وَاصِلًا، مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ. فَأَرَاكَ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِكَ فَعَلَا، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَانْقَطَعَ بِهِ، ثُمَّ وُصِلَ لَهُ فَعَلَا. قَالَ أَبُو بَكْرٍ :يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ، وَاللهِ لَتَدَعَنِّي فَلَأَعْبُرَنَّهَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اعْبُرْهَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ :أَمَّا الظُّلَّةُ فَظُلَّةُ الْإِسْلَامِ. وَأَمَّا الَّذِي يَنطِفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَالْقُرْآنُ حَلَاوَتُهُ وَلِينُهُ، وَأَمَّا مَا يَتَكَفَّفُ النَّاسُ مِنْ ذَلِكَ فَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ، وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ، تَأْخُذُ بِهِ فَيُعْلِيكَ اللهُ بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِكَ فَيَعْلُو بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ. ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَيَنْقَطِعُ بِهِ ثُمَّ يُوصَلُ لَهُ فَيَعْلُو بِهِ، فَأَخْبِرْنِي يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ، أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا قَالَ :فَوَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَتُحَدِّثَنِّي مَا الَّذِي أَخْطَأْتُ؟ قَالَ لَا تُقْسِمْ. (ص ۲۴۳ سطر ۷ تا ۱۲)

تشریح

قوله : ...أن رجلاً أتى رسول ....فقال یارسول اللّٰہ(ص ۲۴۳ سطر ۹)

خوابوں کی تعبیریں

اس روایت میں ایک شخص کے خواب کا ذکر ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر بیان کیا اور وہاں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی اجازت سے اس خواب کی

تعبیر دینی چاہی، اجازت ملنے پر تعبیر دی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "أصبت بعضاً و أخطأت بعضاً"، لیکن سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے کے باوجود بھی آپ نے خطاء و ثواب کا محل نہیں بتلایا۔

خواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص نے دیکھا کہ ایک سائبان ہے، جس میں سے شہد اور گھی ٹپک رہا ہے اور لوگ اس میں سے لے رہے ہیں، لیکن کوئی کم لے رہا ہے اور کوئی زیادہ لے رہا ہے اور آسمان سے زمین تک ایک رسی لٹکی ہوئی دیکھی اور آپ ﷺ نے اس رسی کو پکڑا اور آسمان پر چڑھ گئے اور پھر ایک دوسرے آدمی نے بھی ایسا ہی کیا، مگر اس کے بعد ایک اور آدمی نے چڑھنے کی کوشش کی تو وہ رسی ٹوٹ گئی، لیکن پھر مل گئی تو وہ آدمی بھی چڑھ گیا۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ سائبان سے مراد دینِ اسلام ہے اور اس سے ٹپکنے والے شہد اور گھی سے مراد قرآنِ کریم ہے اور اس کو لینے والے مسلمان ہیں، جو کم لینے والا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی رشد و ہدایت اور اس کی ذکر و تلاوت سے کم حصہ حاصل کرتا ہے اور زیادہ لینے والا زیادہ حصہ حاصل کرتا ہے اور آسمان سے لٹکتی رسی سے مراد وہ حق ہے جو آپ لیکر آئے ہیں، یہاں پر حضرات شارحین رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ رسی پر چڑھنے والوں سے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ (۱)

خواب کی تعبیر دینے کے بعد جب سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ "أصبت أم أخطأت" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ " أصبت بعضاً و أخطأت بعضاً" اس پر سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ صواب و خطاء کا محل جاننا چاہا اور آپ ﷺ کو قسم دی کہ ضرور بتلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ " لا تقسم" کہ قسم مت دو اور خطاء اور صواب کا محل نہ بتلایا۔

اس پر حضراتِ شارحین رحمہم اللہ نے بحث کی کہ حضور ﷺ نے تو خطاء و صواب کو متعین نہیں فرمایا لیکن خطاء و صواب کا محل ہے کیا؟

بعض حضرات نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو متعین نہیں فرمایا تو ہم بھی اس پر سکوت اختیار کریں گے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ شہد اور گھی دونوں سے مراد قرآنِ کریم لیا ہے، یہ درست نہیں بلکہ شہد سے مراد قرآن کریم اور گھی سے مراد احادیثِ طیبہ ہیں۔ بہر حال اس بات میں سکوت کرنا اولیٰ ہے۔

---

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۴۳

باب رؤيا النبي ﷺ
(حضور ﷺ کے خوابوں کی تعبیر کے بیان میں ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ بَرَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهْلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ، وَرَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ هَذِهِ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا، فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ، فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرَى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ، فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ، وَرَأَيْتُ فِيهَا أَيْضًا بَقَرًا وَاللهُ خَيْرٌ، فَإِذَا هُمُ النَّفَرُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللهُ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدُ، وَثَوَابُ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللهُ بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ.

(ص ۲۴۴ سطر ۶ تا ۱۰)

تشریح

قوله : رأيت في المنام أني أهاجر (ص ۲۴۴ سطر ۷)

حضور ﷺ کے چند خواب اور تعبیر

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خواب کا ذکر فرمایا ہے "وھل" کے معنی وہم وخیال اور ہجر سے مراد یمن کا مشہور شہر ہے[1]، خواب میں آپ ﷺ کو آپ کا مقامِ ہجرت دکھایا گیا تو آپ نے خیال فرمایا کہ یہ یمامہ یا ہجر ہوگا، لیکن ان دونوں کے بجائے مدینہ منورہ آپ کا ہجرت کا مقام ٹھہرا۔

قوله : فاذا هي المدينة يثرب (ص ۲۴۴ سطر ۷،۸)

آپ ﷺ نے یہاں مدینہ منورہ کو یثرب فرمایا اور بعض روایات[2] میں یثرب کہنے کی ممانعت آئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ بیان جواز کے لئے ہے یا پھر ممانعت سے پہلے کی حدیث ہے۔[3]

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۴۳

(۲) مسند احمد حدیث البراء بن عازب رضی اللہ عنہ رقم الحدیث: ۱۸۵۱۹۔

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۲۴۴

قوله: أني هززت سيفاً.... (ص ۲۴۴ سطر ۸)

غزوۂ احد میں فتح وشکست کی تعبیر

خواب میں تلوار کے ٹوٹنے اور دوبارہ ٹھیک ہونے سے مراد غزوہ اُحد کی ابتدائی شکست اور بعد میں ہونے والی فتح مراد لی ہے۔

قوله: ورأيت ايضا بقرة (ص ۲۴۴ سطر ۹)

غزوۂ احد میں ستر شہداء کی تعبیر

ایک روایت میں " بقرة تذبح" کے الفاظ ہیں تو اس سے آپ ﷺ نے غزوۂ احد کے ستر شہداء مراد لئے ہیں۔[۱]

قوله: وثواب الصدق الذی (ص ۲۴۴ سطر ۹، ۱۰)

غزوۂ احد کے بعد جب کفار واپس جانے لگے تو یہ کہہ کر گئے کہ اگلے سال مقامِ بدر میں دوبارہ لڑائی کریں گے اور دیکھیں کہ کون فتح یاب ہوتا ہے، حضور ﷺ نے وعدہ فرمالیا، چنانچہ جب اگلا سال مقررہ وقت آیا تو مسلمان بدر کے مقام پر لڑنے کے لئے آئے لیکن کفار نہ آئے، اس معرکہ کا نام غزوۃ البدر الثانیة ہے، کفار کی عہد شکنی اور مسلمانوں کے وعدہ کی پاسداری کا ثواب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جس کی طرف خواب میں اشارہ کیا گیا اور اس ثواب سے مراد بنو قریظہ اور خیبر کی فتح ہے۔[۲]

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَدِمَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، (الی قوله) وَإِنِّي لَأُرَاكَ الَّذِي أُرِيتُ فِيكَ مَا أُرِيتُ، وَهَذَا ثَابِتٌ يُجِيبُكَ عَنِّي ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :فَسَأَلْتُ عَنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ أَرَى الَّذِي أُرِيتُ فِيكَ مَا أُرِيتُ فَأَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِي يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ، فَأَهَمَّنِي شَأْنُهُمَا، فَأُوحِيَ إِلَيَّ فِي الْمَنَامِ أَنِ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ مِنْ بَعْدِي، فَكَانَ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيَّ

(۱) تکملة فتح الملهم ج۴ ص ۳۶۴

(۲) تکملة فتح الملهم ج۴ ص ۳۶۵

صَاحِبَ صَنْعَاءَ، وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةَ صَاحِبَ الْيَمَامَةِ. (ص ۲۴۴ سطر ۱۰ تا ۱۶)

تشریح

خواب میں دو کنگن کی تعبیر

قوله : بينا أنا نائم رأيت في يدي سوارين (ص ۲۴۴ سطر ۱۵)

خواب میں حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کنگن دیکھے تو فرمایا کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ ان پر پھونک مارو، چنانچہ آپ ﷺ نے ان پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ دونوں کنگنوں سے مراد دو کذاب ہیں، جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ایک اسود عنسی جو صنعاء کا رہنے والا تھا اور دوسرا مُسیلمہ کذاب جو یمامہ کا باشندہ تھا۔

قوله: فأهمني شانهما (ص ۲۴۴ سطر ۱۵)

یعنی ان کی کچھ شان وشوکت بھی ہوگی، چنانچہ اسود عنسی کی شان وشوکت آپ ﷺ کے زمانے میں کچھ ہوئی، لیکن بالآخر قتل کیا گیا، اسی طرح مُسیلمہ کذاب کی شان وشوکت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی اور بالآخر وہ بھی مارا گیا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

❁❁❁

کتاب الفضائل • تا • کتاب التفسیر

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم
مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مرتب

مولانا طاہر اقبال اکی صاحب
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی